14

1431
1553
78

2010
78
1932

قطعۂ تاریخ طبع دیوان ہٰذا

ازافکار گہربار استاذ السلطان افتخار الشعراء

جناب جلیل القدر نواب فصاحت جنگ بہادر حافظ محمد جلیل حسن صاحب جلیل

{ جانشین امیر مینائی لکھنوی رحمہ اللہ }

جو ہیں متوالے سخن کے آئیں دیکھیں یہ کلام
معنیِ پُر کیف ہے یا دور میں پیمانہ ہے
طبع کی تاریخ بھی ہے وجد کے قابل جلیل
ہر سخنداں قیس کے دیوان کا دیوانہ ہے

۵۳ ۱۳ ھ

إِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃً وَّاِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحراً

الحمد للہ والمنۃ کہ دریں ایام خجستہ فرجام کلام بلاغت نظام مسمّٰی باسم تاریخی

بہارستان خلد

۵۳ ۱۳ ہجری

معروف بہ

جذباتِ قیس

از تصنیف لطیف

ماہرِ علوم عقلی و نقلی، واقفِ رموز علمی و عملی طبیب عالیخیال حکیم ارسطو مثال، شاعر شیوا بیان سخنور فصیح اللسان

ابوالخیر جناب مولانا الحاج الحکیم محمد ضمیر الحق صاحب قیس آروی

مدظلہ العالی دامت برکاتہ وزیدت حسناتہ

حسب ایماء عالیجناب ڈاکٹر محمد ولی الحق صاحب آروی ایم بی بی ایس اسسٹنٹ سرجن دام اقبالہ

خلف ارشد جناب مصنّف

باہتمام احقر زمن سید منظور حسن آروی

در مطبع نیر ہند سنامیٹد واقع کلکتہ زیور طبع پوشید

مقدمہ

از رشحاتِ قلم محقق دوراں شاعر شیوا بیان نکتہ شناس رموز فصاحت شہسوار میدان بلاغت

جناب مولوی خواجہ محمد عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی پیرو میر

ہماری ہندوستانی زبان جس کو اُردو کہیئے ہندی کہیئے جو چاہیئے نام رکھ لیجیئے اور جس طرف چاہیئے کھینچ لیجائیے خالص ہندوستان کی زبان ہے اور مغل بادشاہوں نے اسے اِس لئے پرورش کیا کہ ہندوستانیوں کی زبان سیکھ کر عدل و انصاف کا دریا جاری کیا جائے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ عجم اور عرب کے لہجہ [illegible] میں ہندی حرفوں کا نام بھی نہ تھا وہ بیچارے تو روٹی کو روتی اور ٹٹی کو تتی بولتے تھے ڈلیا کو دلیا چھکڑ کو جھکر کہتے تھے پھر اُن کو کیا ضرورت تھی کہ آپ تکلیف اٹھا کر ایک دوسری زبان سیکھتے جو اُن کی زبان سے زمین آسمان کا تفاوت رکھتی تھی۔

یہ صرف اُن کی رعیت نوازی تھی اور اسی واسطے انکھوں نے ہندوستان میں اسکی داغ بیل ڈالی۔

اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ہندوستان اور مغل بادشاہ اسی کو استعمال کرنے لگے امیر سے

تک ایک زبان بولنے لگے۔

سلطنت دہلی کا آفتاب جب زوال پذیر ہونے لگا اور شاہ عالم آنکھوں سے ہاتھ دھوکر

بو چلے آئے تو دہلی کے تمام اراکین سلطنت تمام شہزادے تمام شاعر تمام اہل صنعت اودھ

ے آئے اور یہیں بود و باش اختیار کرلی۔

یک اُردو کی پرورش لکھنؤ میں ہونے لگی اور یہاں کی زبان نے سند حاصل کی یہاں کے

زبان کے بارے میں مستند مان لئے گئے اور ان کے کلام سند میں پیش ہونے لگے۔

یعنی جس لفظ کی سند پر شک ہوتا اور اُس کی صحت و عدم صحت کا فیصلہ منظور ہوتا تو

کے شاعر کا شعر پیش کیا جاتا اور اسی پر صحت کا دار و مدار ہوتا۔

لکھنؤ ایک زبردست یونیورسٹی تھی جہاں سے تعلیم پاکر لوگ اطراف عالم میں پھیل جاتے

دوسرے مُلک کے لوگوں کو صحیح زبان سکھاتے اور یہی لوگ گریجوئیٹ کہلاتے۔

اودھ نے زبان کو بہت صحیح اور صاف کیا اور اسکے چہرے کے گرد و غبار کو دور کیا۔

اودھ کے شعرا نے یہ کمال کیا کہ اپنے عہد میں ہر لفظ ہر محاورہ ہر اصطلاح کو صحیح محل پر

ستعمال کیا تاکہ ان کے دیوان اُردو کی صحیح صرف و نحو کا کام دیں اور ان کی تحریری سند

صحیح مانی جائے اور اُردو کا صحیح لغت تسلیم کیا جائے۔

نثر اور نظم میں یہی فرق ہے کہ نثر میں آپ جو مضمون لکھتے ہیں اُس پر یہ اعتماد نہیں ہوسکتا

کہ کس حرف کو حرکت ہے اور کون ساکن ہے بخلاف نظم کے کہ وہ حرکت سکون وزن ہر لفظ کے صحیح صحیح معلوم کرنے کی کسوٹی ہے اور اسی سبب سے شاعروں کی عزت کیجاتی ہے کہ ان کے ذریعہ سے ہم کو لفظ کی اصلی حالت معلوم ہوجاتی ہے رفتہ رفتہ یہ گروہ تمام ہندوستان میں ایسا پھیلا کہ اُردو کو صحیح اُردو بنادیا اور جگہ جگہ مستند شاعر پیدا کردیئے۔

انگریزوں نے جب ہندوستان پر قبضہ پایا تو سب سے پہلے اِن کو یہ بات ضروری معلوم ہوئی کہ اُردو کی پرورش کیجائے اگر اُردو کو فروغ نہ دینگے تو ہندوستان پر حکومت کرنا مشکل ہوگا۔ چنانچہ انھوں نے ایک وسیع محکمہ اُردو زبان کا کلکتہ میں قایم کیا اور شعراء اہل زباں نوکر رکھے تاکہ وہ آسان اُردو میں انگریز حکام کے لئے کتابیں تصنیف کریں۔

اور ہندوستان میں جابجا اُردو زبان کے اسکول قایم کیئے اُردو مڈل تک کی تعلیم اس میں شامل کرکے سند ملازمت بھی دیدی اُس وقت تمام کچہریوں میں اُردو کے مڈل پاس طلباء داخل ہونے لگے اور تمام کچہریاں اُنھیں مڈل پاس شدہ سے بھر گئیں۔

پھر اسکولوں میں انگریزی تعلیم کی زیادہ ضرورت محسوس ہونے لگی کہ ایسے لوگ کچہریوں میں داخل ہوں جو حکام کی زبان کو بھی جانتے ہوں اب اُردو کے مڈل پاس خارج ہونے لگے اور ان کی جگہ انگریزی کے مڈل پاس پانے لگے۔

جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ انگریزی تعلیم میں یہ برکت ہے کہ اس کا تعلیم یافتہ کیسا ہی غبی کند ذہن ہو سرکاری اعلیٰ عہدہ پانے کا مستحق ہوجاتا ہی تو سارے ہندوستان نے اِسی طرف رُخ کردیا پھر کیا تھا ساری کچہریاں اور دفاتر تجارتی کاروبار شفاخانے لیبوریاں سب انگریزی

والوں سے بھر گئیں۔ بی اے۔ ایم اے ہر طرف دوڑنے لگے بعض شہروں میں تو اُن کی دوسری زبان صرف انگریزی رہ گئی اور رفتہ رفتہ انگریزی والوں کے لیئے بھی دروازے بند ہو گئے کیونکہ جو چیز ضرورت سے زیادہ ہو جاتی ہے اُس کی قدر و قیمت گھٹ جاتی ہے آپ نے اخباروں میں سُنا ہو گا کہ بیچاروں نے باوجود بی اے۔ ایم اے ہونے کے جب ملازمت نہ ملی تو خودکشی کر لی ہونا بھی یہی چاہیئے تھا کیونکہ دھوبی۔ تیلی۔ مہتر۔ چمار۔ دھُنئے۔ جلاہے۔ سب بی اے۔ ایم اے ہو گئے اور اپنا اپنا کام چھوڑ کر ڈپٹی کلکٹر بننا چاہتے تھے وہ انگریزی کو زبان کی حیثیت سے نہیں سیکھے تھے بلکہ نوکری کے لالچ سے سیکھے تھے کیونکہ اگر زبان کا شوق اُن کو ہوتا تو سب سے پہلے اپنی مادری زبان کو حاصل کرتے جو سب سے بہتر اور آسان تھی یا عربی سنسکرت زبان سیکھتے جو ایک مذہبی زبان تھی۔

نہ مذہبی زبان حاصل کی نہ ملکی زبان سیکھی۔

بلکہ فکرِ معاش میں پڑ کے سرکاری عہدے کی لالچ میں اپنے تمدن اور مذہب دونوں کو خیرباد کہدیا۔

جب زبان غیر حاصل کر چکے تو لباس و پوشاک بھی غیر ملکی اختیار کرنا پڑی انگریز ٹھنڈے مُلک کے رہنے والے ہیں وہ بارہ ماس گرم کپڑے پہنتے ہیں۔ ہندوستانیوں نے بھی تنزیب نین سکھ۔ شربتی۔ ادھی۔ چکن۔ آبِ رواں۔ جالی کو ترک کر کے موٹے اور گرم کپڑے اختیار کیئے غذا بھی انگریزی ہو گئی بالکل صاحب بہادر بن گئے۔

تعلیم میں کوئی صنعت تو سکھائی نہیں جاتی جس کو حاصل کر کے ذریعۂ معاش بناتے نوکری نہ ملنے سے فاقہ کشی ہو گئی اور جو روپیہ تعلیم میں صرف ہوا تھا وہ بھی برباد ہوا۔

ایسے لوگ شاذ ہیں جو تعلیم انگریزی کے بعد بھی اپنے لباس میں رہے۔ ... کرے

خدا رحمت کرے ان شعراء پر جو اپنی ملکی زبان حاصل کر کے ہمیشہ اُردو کی خدمت کرتے رہے

ورنہ زبان تو اب تک ہندوستان سے نابود ہو چکی تھی اِس کی پرورش کرنے والی سلطنتیں

مٹ گئیں اب اِسکا کوئی سرپرست اور والی نہ رہا کچھ دنوں ریاستوں نے اِس کی خدمت کی۔

جب گورنمنٹ انگلش کو اِس کی قدر اور ضرورت نہ رہی تو دوسروں کو کیا پڑی

تھی کہ اِسے قایم رکھتے اگر یہ شعرا نہ ہوتے تو زبان کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

دوسری خرابی ملک میں ایک اور پھیلی انگریزی کتابوں کا اُن لوگوں نے ترجمہ کیا جو اُردو سے

نابلد تھے اسلیئے اس کی گرامر خراب ہونے لگی اور جدید انگریزی طلبا نے بھی ایسے ہی بڈھنگے

ترجے کیئے جو اُردو کو خراب کرتے رہے۔

ایک تیسری وبا حال میں اور پھیلی اور ایک طوفان بے تمیزی جاری ہوا کہ اُردو کی نظم و نثر کو خلاف

طرز اُردوے معلیٰ اور اساتذہ قدیم کی روش کو ترک کر کے الفاظ کے طولانی سلسلے میں بے معنی جملے

اور نامانوس ترکیبیں ایجاد کیں ٹیگور کی انگریزی نظموں کا لفظی ترجمہ خلاف محاورہ اور خلاف صرف و

نحو کر کے اُس کا نام ادب لطیف رکھا ہر طرف سے اُردو کی ذات پر حملے ہونے لگے اور اِسے

مال غنیمت سمجھ کر سب نے لوٹنا شروع کیا اس نوچ گھسوٹ میں صحیح زبان معرض خطر میں پڑ گئی۔

اس پر طرہ یہ ہوا کہ ہمارے ملکی بھائیوں نے جو سو برس سے اُردو بول رہے تھے اور اُردو کو ...

رہے تھے اِس کی حالت زار سے فائدہ اٹھانا چاہا اور ایک قلم اُردو سے مُنہ موڑ کر ہندی کو رائج

کرنا چاہا عدالتوں میں انھیں کی زیادہ رسائی تھی اسلیئے سمن ہندی میں لکھوا کر اہل مقدمہ کو دینے لگے

اور یہ سب کارروائی صوبہ اودھ میں جاری کی گئی جہاں کوئی ایک حرف بھی ہندی کا نہیں جانتا تھا۔

دوسری زیادتی یہ ہوئی کہ مدارس اودھ میں ہندی کی ابتدائی کتابیں پنڈت مہراج نے سنسکرت الفاظ ملا کر تصنیف کیں اور اُنھیں کا لفظی ترجمہ کر کے دوسرا ایڈیشن اُردو میں داخل درس کرایا جو مسلمانوں کو زبردستی پڑھنا پڑیں جس کا ان کو سمجھنا بھی دشوار تھا۔

شاعری تو مٹ ہی چکی تھی نثر اُردو کی اس طرح مٹی خراب ہوتے ہوئے دیکھ کر ملک کے وہ قدیم زبان اُردو کے شیدائی جو مدت سے گوشۂ گمنامی میں بیٹھے ہوئے تھے اور جنھوں نے مشاعرہ میں جانا (اپنی تضیع اوقات سمجھ کر) ترک کر دیا تھا اپنے اپنے سلاح جنگ لیکر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ تاکہ ہندوستان کی مادری زبان اپنی اصلی حالت پر مع قواعد صرف و نحو قایم رہے۔

ان کے پاس اسلحہ کیا تھے اِن کے کلام تھے جو عہد ناسخ و آتش میر و مرزا کے وقت سے چلے آتے تھے اور باران مخالفت سے زنگ آلود ہونے لگے تھے سند زبان کے قواعد سے صیقل کر کے میدان مقابلہ میں آدھمکے اور ملک کو دکھلا دیا کہ اصلی شمشیر زبان یہ ہے جسے حاصل کرنا ہو اس سے درس لے۔

یہ کون لوگ ہیں محبان ملک و زبان جنھوں نے اساتذہ قدیم سے اُردو زبان کے قواعد صرف و نحو اور محل استعمال صحیح سیکھ کر زباندانی کی سند حاصل کی اور سلسلہ بہ سلسلہ سینہ بہ سینہ اپنے تلامذہ کو سکھا کر اس امر کی تاکید کی تھی کہ تمام ہندوستان میں زبان کو صحیح طریق پر پھیلانا۔

ان کے ذرّے آفتاب بنکر ملک میں پھیلے اور تمام عالم کو منور کر دیا اور انھیں کی کوشش نے اُردو زبان کو مکّہ معظمہ مدینہ منورہ کربلائے معلیٰ بغداد شریف۔ امریکہ انگلستان روس جاپان چین قسطنطنیہ جرمن پیرس تک پہنچا دیا۔

سب کا ذکر تو جانے دیجیئے جو ہندوستان بھر کی خدمت کرتے تھے یا ہندوستان کے باہر پھیلے ہوئے تھے صرف ان کے دو چار نام سن لیجیئے جو محض پورب میں داد سخن دے رہے تھے۔

گیا میں مولوی کاہش شاگرد رشید مصحفی - پٹنہ میں مولوی علی محمد شاد - غازیپور میں مولٰنا عبدالاحد شمشاد لکھنوی - آرہ میں سید فرزند احمد صفیر بلگرامی ان کے علاوہ اور بھی سخنوران نامی گرامی تھے جنکا ذکر بوجہ طوالت مضمون ترک کیا جاتا ہے۔

مولانا شمشاد لکھنوی خاندان ناسخ سے ایک بہت بڑے عالم اور سخن گستر تھے ان کے تلامذہ دور دراز مقامات تک پھیلے ہوئے تھے۔

ان لوگوں کے بعد بزم مشاعرہ سرد پڑگئی اور مستند شعرا نے جانا چھوڑ دیا اسلیئے کہ اب مشاعرونمیں ایسے شاعر آنے لگے جنکو علم عروض علم معانی و بیان اور معائب و محاسن شاعری میں درک نہ تھا۔ شاعری میں گانے لگے دو چار تانیں ماریں تانسین کی روح کو تکلیف دیکر سامعین کے کانوں کو محظوظ کیا اور واہ وا کا خلعت لیکر خوش خوش واپس آئے۔

عام لوگوں نے یہ خیال کیا کہ اس سے بڑھ کر حظ نفس کا کوئی طریقہ نہیں ہے کسی تقریب میں بھانڈ نہ بلوائے طوایف کا ناچ نہ دیکھا دو چار شاعر بلوالیئے ناچیں گے گائینگے لوگوں کو خوش کر کے چلے جائینگے ان غیر مہذب ماتم داران شاعری نے تمام ملک میں بد مذاقی پھیلائی شعرا نے گوشہ گزینی اختیار کی۔

بعد چندے لوگوں کو خیال آیا کہ اصلی خادمان زباں کا کلام تلف ہو جائے گا طبع کا اصرار کیا اور بعد اصرار کیا تو منشی امیر حسن صاحب بدر کا دیوان بہزار کوشش چھپا۔

اس کے بعد سب کی نظر ایک روشن ضمیر عالم اور شاعر کی طرف تھی اور چاہتے تھے کہ مولانا حکیم

محمد ضمیر الحق صاحب قیس آروی کا دیوان بھی چھپ جائے۔

کیونکہ ماشاء اللہ آپ عالمِ باعمل فاضل جیّد ہونے کے ساتھ ہی ساتھ شاعر اکمل بھی ہیں اور فن شعر وسخن میں کافی عبور رکھتے ہیں اور مولانا شمشاد کے صحیح جانشیں ہیں حالانکہ وہ شاعری کو اپنی کسر شان سمجھتے ہیں کیونکہ ان کا پایۂ علوم اس سے بلند تر ہے۔

جب کبھی لوگوں نے طبع دیوان کا اصرار کیا آپ نے یہ کہکر ٹال دیا کہ مجھے درس وتدریس سے کہاں فرصت جو دیوان کی طرف متوجہ ہو جاؤں۔

جب لوگوں نے اصرار کی وجہ بیان کی کہ آج کل فن شاعری اس قدر بدنام ہو رہا ہے کہ شاعر اور گویا ایک سمجھا جاتا ہے اکثر شاعر جاہل ہوتے ہیں لوگوں کا امتیاز اس قدر گم ہو گیا ہے کہ وہ ماہر فن اور غیر ماہر فن میں تمیز نہیں کر سکتے پھر نامہذب کمینے شاعر بنکر اہل دولت کی خرابی کا باعث ہوتے ہیں ان سے افعال ناقصہ صادر ہوتے ہیں اور سب سے بڑھکر خرابی تو یہ ہے کہ زبان اُردو کی مٹی پلید ہو رہی ہے دور از کار ترکیبیں غلط تراشی گئی ہیں زبان کی حمایت آپ ایسے ہمدردان لوگوں پر فرض ہے کم سے کم یہ خدمت آپ کے لیئے کیا کم ہے کہ اپنا دیوان شایع فرما دیجئے لوگ دیکھیں کہ اُردو کی خدمت ایسی متبرک ہستیوں نے کی ہے اور اسکے تتبع سے فائدہ اٹھائیں اور دیوان سے الفاظ کی سند حاصل کریں۔

تو آپ نے مجبور ہو کر اس امر کو منظور کیا اور دیوان مطبع میں بھیجدیا۔

بہتر معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے کچھ مشاغل کا ذکر کیا جائے عنفوان شباب میں آپنے غازیپور۔ لکھنو اور دہلی وغیرہ میں علم عربی اور فن طب حاصل کیا اور بعد تکمیل اپنے وطن مالوف محلہ چوک مسجد آرہ میں مطب کرنے لگے اس وقت آپ کا شمار حاذق اطبا میں ہے اور زمانے سے طلبا کو معقولات

منقولات۔ فقہ۔ تفسیر۔ حدیث اور طب کا درس دیتے ہیں اسی کے ضمن میں شاعری کا شوق ابتدائے شباب سے ہے اور پہلے تو برابر مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے۔

حقیقت میں مولانا حضرت شمشاد لکھنوی کے ارشد تلامذہ میں ہیں اور استاد کے مسلک کے موافق رشک و منیر کے قواعد سے وابستہ ہیں اور تمام متروکات کے تارک ہیں۔

تقریباً کچھ کم و بیش چالیس برس کا ذکر ہے کہ بصیغۂ تجارت آرہ میں میرا جانا ہوا اور چندے متواتر جاری رہا جناب قیس سے شرف نیازمندی حاصل ہوا۔ آپ کے علمی مشاغل دیکھے مطب کا ہجوم دیکھا۔ مرضا کا رجوع دیکھا۔ شعر و شاعری کا شوق دیکھا۔ اچھی سوسائٹی کا جماؤ دیکھا۔ لوگوں کا آپ سے باحترام ملنا دیکھا۔ اُس زمانے میں شاعری کا اس شہر میں بہت چرچا تھا منشی محمد اسمٰعیل صاحب مختار مہر۔ مولوی سید امیر حسن صاحب بدر۔ سید قمر الدین حیدر صاحب قمر اور خدا جانے کن کن شعرا سے نیاز حاصل ہوا۔ جنکا نام بھی یاد نہیں۔ پھر غالباً سولہ سترہ برس ہوئے ہونگے کہ گیا کے مشاعرے میں بھی جناب قیس سے ملاقات رہی۔

مولانا کی کنیت ابوالخیر نام مولوی حکیم محمد ضمیر الحق صاحب تخلص قیس ہے اور مولانا شمشاد کے صحیح جانشیں ہیں طرز کلام اور طرز ادا دونوں میں مولانا شمشاد مرحوم کا رنگ ہے شاعری کے جملہ علوم کے فاضل ۱۲۸۰ھ کے آخر میں آپ کی ولادت ہوئی آپ کے جدی مورث اعلیٰ سید یوسف سدیسوپوری[1] سادات بہار میں ممتاز درجہ رکھتے تھے اور حضرت خواجہ معین الدین حسن

[1] یہ ایک گاؤں سید یوسف علیہ الرحمۃ کے نام پر آباد ہے جس کو عوام نے بگاڑ کر سید یوسف پور سے سدیسوپور کر دیا اور اب اسی مہمل نام سے مشہور ہے۔ بہٹا اور نیورہ کے درمیان میں واقع ہے۔ اسی سدیسوپور کے نام سے وہاں ریلوے اسٹیشن بھی ہے۔ ۱۲ محمد عبدالغنی برق

سنجری چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے ننھیالی رشتہ ملتا ہے یعنی دونوں طرف سے سیّد عالی نسب اور دُرِ یکتا ہیں شرافت نورٌ علیٰ نور ہے ایسی متبرک صحبتیں کہاں میسّر آتی ہیں۔ اخلاق میں اپنا نظیر نہیں رکھتے شاعری معائب سے پاک طرز رشکِ ومیر کو زندہ کرنیوالے ہیں اِن کی قدر وہی جانتے ہیں جو مذاق صحیح رکھتے ہیں۔ نااہل سے ہمیں کلام نہیں صاحبانِ ذوق سے انصاف طلب ہیں۔

بہتر معلوم ہوتا ہے کہ دوچار شعر دیوان سے لیکر مولانا کا مرتبہ شاعری بیان کیا جائے۔

دیوان کی پہلی غزل میں حمد کا مطلع کیسا برجستہ کہا ہے ؎

طور ہی پر نہیں موقوف نظارا تیرا　　　چشم بینا ہو تو ہر شئے میں ہی جلوا تیرا

توحید میں دوسری غزل کا ایک شعر ہے جسمیں دلیل وحدت کس خوبصورتی سے بیان کی ہے سبحان اللہ ؎

ہر شئے میں تیری قدرت ای یار جلوہ گر ہے　　　تیری دلیل وحدت ہے انتظام تیرا

اب صفائی زبان کے دو شعر سُن لیجیئے ؎

سبق پڑھا کے مجھے اپنی آشنائی کا　　　دیا ہے داغ کسی نے غمِ جدائی کا

ہوا کلیم کو دیدار یار کا دھوکا　　　نہ سمجھے یہ کہ وہ تھا کھیل دلربائی کا

لطف تخئیل ملاحظہ کیجیئے ؎

دریا ہے رواں جو چشم تر کا　　　پھوٹا نہ ہو آبلہ جگر کا

کیوں دم بخود آج بیٹھے ہو تم　　　اے قیس خیال ہے کدھر کا

اعتقادات میں ایک مقطع کس شان سے کہا ہے ؎

حصولِ مدعا میں دربدر کی ٹھوکریں کھائیں　　　تعجب ہے کہ قیس اغیار کو حاجت روا سمجھا

عاشقانہ نوک جھونک بطور طنز ؎

انداز حسینوں کے ہیں دنیا سے نرالے   جی لاکھ ستم کر کے بھی ٹھنڈا نہیں ہوتا

جواب خط کو کاغذ ابیض ثابت کیا ہے ؎

کچھ مدعا سمجھ ہیں اے نامہ بر نہ آیا   سو بار الٹ پلٹ کر خط کا جواب دیکھا

دنیا کی بے ثباتی ؎

قصر شاہی میں کسی کے خلعتِ زرتار پر   آنکھیں پڑتے ہی مجھے گور و کفن یاد آگیا

مشکل طرحوں میں ردیف کو کیسا چمکایا ہے ؎

شکر ہے تن سے جدا ہو کر جو میرا سر گرا   یاوری قسمت نے کی قاتل کے قدموں پر گرا

یہ مشتے نمونہ از خروار ہے ہر شعر پر ؎

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا این جاست

آپ پورا دیوان نگاہ تعمق سے دیکھیں گے تو زیادہ لطف اٹھائیں گے نظم میں کہیں الجھاؤ کا نام نہیں سہل الممتنع سارا کلام عالم متبحر ہو کر اشعار کی زبان پر آپ غور کریں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہندوستان کا طوطی چہک رہا ہے کہیں حسینوں کی چھیڑ چھاڑ ہے کہیں عاشقانہ رمز کہیں عارفانہ معرفت تمام دیوان مرقع معانی ہے نظر انصاف چاہیئے۔ فقط

(خواجہ) محمد عبد الرؤف عشرت لکھنوی

۱۹- ستمبر ۱۹۳۲ء

قصائد

قصیدہ در مدح شمس العلما شیخ الکل

جناب مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی علیہ الرحمۃ

کہ در ۱۳۰۳ھ ہنگام درس صحاح ستہ (از حضرت شاں) نظم کردہ شدہ بود

ہیں سخن میں نکہتِ گل کی طرح پوشیدہ ہم — شاعرِ عالی دماغ و خوش بیاں رنگیں رقم

کاملِ علمِ سخن ہیں شاعرِ یکتائے عصر — بحرِ موّاجِ فصاحت نازشِ اہلِ عجم

گرمیِ فکرِ رسا سے ہے عرق ریزیِ طبع — ہو رہا ہے گلفشاں جوشِ مضامیں سے قلم

شاہدِ حسنِ بیاں کہتا ہے میں کوسوں ہوں دور — شوق کہتا ہے کہ میں لونگا ترے بڑھکر قدم

دیکھیں اُستادانِ فن اس نظم کی پاکیزگی — ہر جگہ روح القدس کے فیض ہیں کیا کیا بہم

نام تک اس میں کہیں حشو و زوائد کا نہیں — شستہ ترکیبیں ہیں بندش چست لفظیں منتظم

کب بھلا حسّاد سمجھیں گے ہمارا مرتبا — جل مرینگے دیکھکر شوخیِ رفتارِ قلم

جو نہ جانے صدر کیا ہی کسکو کہتے ہیں عروض[ع۱]
ابتدائے مطلع و ضرب و عجز پر کھائے سم

جو معانی و بلاغت سے ہو بالکل بے خبر
اور ہو علمِ قوافی سے وہ جاہل ایکدم

اُس کو دعویٰ شاعری کا یہ خدا کی شان ہے
خود ہی کھوتا ہے وہ اپنی باتوں سے اپنا بھرم

ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں بے ربط معنی جوڑ کر
جاہلوں میں نکتہ سنجی کا عبث بھرتا ہی دم

تہ کرے زانوئے شاگردی ہمارے سامنے
تب بتائیں کنہیات فن اسے کچھ بیش و کم

ہم ہیں یہ عادت تعلّی و تفاخر کی نہیں
کوئی مانے یا نہ مانے کہتے ہیں کھا کر قسم

ہاں مگر عشق نبی نے جی میں جب گھر کر لیا
اور احادیث و سنن سے ہو گیٔ وابستہ ہم

دشمنوں کی جان پر اک قہر کی بجلی گری
بے سر و پا باتوں سے کرنے لگے وہ متہم

ہم بھی آخر آدمی ہیں کچھ فرشتا تو نہیں
سہتے کب تک ظالموں کے رات دن جور و ستم

طعنۂ بیجا سے دل میں آگ تھی بھڑکی ہوئی
کر گیٔ تشبیب میں یہ فخریہ بیتیں رقم

ورنہ اس ہرزہ سرائی کا یہاں موقع نہ تھا
پڑ گیٔ ہیں اصل مطلب سے نہایت دور ہم

ہے بیان مدعا کے واسطے لازم گریز
طرز تحریر اب بدل کر لکھ تو اشعار اے قلم

فاعلاتن - فاعلاتن - فاعلاتن - فاعلن
ہے رمل محذوف یا مقصور میں ساری رقم

ہیں نسیمِ سنتِ احمد کے جھونکے موج خیز
نغمہ زن ہیں عندلیب گلشنِ شاہِ امم

ع۱ آپ کے قیام دہلی کے زمانے میں بعض جزوی مسائل پر ایک شخص سے کچھ گفتگو ہوئی تھی اس پر فریق مخالف عاجز ہو کر اپنی جودت طبع دکھانے کو شاعرانہ پیرائے میں سخت فحش فحش گالیاں لکھ کر ڈینگ مارتا پھرتا تھا حالانکہ وہ نظم گالیوں اور اتہامات سے مملو تھی اور شاعرانہ حیثیت سے از سرتا پا غلط۔ اُسی کی طرف یہ تشبیب میں اشارہ ہے ۱۲۔ برق شیر پوری۔

جھومتی ہیں جوش مستی میں شجر کی ٹہنیاں
چلتے پھرتے لوٹتے ہیں لوگ جنت کی بہار
بھر کے گلچیں اپنے اپنے دامنوں کو پھول سے
ہر طرف صَلِّ علیٰ صَلِّ علیٰ کی دھوم ہے
چپ رہیں کیونکر کہ ہے دریاے مضموں موج خیز

چہچہے ہیں طائرانِ خوش نوا کے دمبدم
خلد کے سبزے میں چرتے ہیں غزالانِ حرم
کرتے ہیں خوشبو مشامِ روح وجاں بی رنج وغم
جمع پھر کیونکر نہیں ہوں قدسیان باکرم
ایک مطلع دوسرا کرتے ہیں اب زیبِ رقم

مطلع دوم

آج میں لکھتا ہوں مدحِ نائبِ شاہِ اُمم
مرحبا طبع رسا ہے بحر مضموں جوش پر
اے سخن وقت ادب ہے دیکھ گستاخی نہ ہو
دیکھ اُستادِ ازل آیا ہے وقتِ امتحاں
جس کے فیضِ علم سے ساری فضا پُر نور ہی
شیخنا اُستاذنا اُستاذِ اُستاذِ زماں
شد محمد اسم پاکِ او ملقب باندیر
شش جہت میں ہر طرف شہرت ہی اسکے علم کی
عالمانِ دہر کو ہے فخر اُس کی ذات سے
اس کے رعب علم سے ہر شرک و بدعت کا نشاں

چشمہ خورشید سے دھولے زباں اپنی قلم
تو بھی ہو جا مہرباں اے شوق صادق ایکدم
تو بھی کرلے اے قلم میری طرح گردن کو خم
ہاں مدد کرنا کہ ہو آسان یہ کار اہم
اسکے وصفِ پاک میں کرتا ہوں میں بھی کچھ رقم
وارثِ علمِ نبی وحاجیِ بیت الحرم
بل بہ ترکیب حسین اے سامعانِ ذی ہمم
کہتے ہیں سب لوگ چل کر لیجیے اُسکے قدم
ساکنانِ ہند ہیں سب اُس کے ممنون کرم
ہو گیا ہے صفحہ دنیا سے کافور ایکدم

اُس کے نورِ فیض کی پھیلی ہوئی ہے روشنی
جا گزیں ہے سب کے دل میں سنتِ شاہِ امم

قدرِ جوہر جانتے ہیں وہ جو ہیں جوہر شناس
کیوں نہ ہوں اس کے ثنا خواں کاملانِ محترم

اس ضعیفی میں بھی وقتِ درس ہے رشکِ جواں
دیکھکر کہتی ہے خلق اللہ رے جوشِ ہمم

کیا ذکی و کیا غبی و کیا امیر و کیا فقیر
ہر گھڑی یکساں ہے سب پر ریزشِ ابرِ کرم

جوش پر اب تک ہے فکرِ شاہدِ طبعِ رسا
اسلیئے میں تیسرا مطلع بھی کرتا ہوں رقم

مطلع سوم

جا پڑے جس پر نگاہِ لطف و احسان و کرم
لیں قدم اُس کے تمام اہلِ عرب اہلِ عجم

ہیں غریقِ لجۂ عشقِ جنابِ کبریا
تیرے ہر ہر عضوِ تن اے مقتدائے محتشم

نور کا منظر جو کچھ داغِ جبیں سائی میں تھا
کثرتِ سجدہ نے اس کو کر دیا مہرِ اتم

کیوں نہ ہو ترجیح تجھ کو کاملانِ عصر پر
ہادیٔ راہِ شریعت ہیں ترے نقشِ قدم

ہیں صحیحین و موطا و سنن وردِ زباں
پانی پانی ہو رہے ہیں سب مقاماتِ اہم

رغبت اتنی کیوں نہ ہو تجھ کو حدیثِ پاک سے
تو ہے آلِ مصطفےٰ فخرِ عرب فخرِ عجم

ہند میں تو نے دیا قرآن و سنت کو فروغ
اصلِ علمِ دین کو حاصل ہو گیا جاہ و حشم

شرک و بدعت کفر و عصیاں بلکہ سب فسق و فجور
تیری ہیبت سے ہوئے ہیں راہیٔ ملکِ عدم

خالقِ اکبر نے کی یہ عزت افزائی تری
دشمنِ سرکش بھی آتے ہیں کیئے گردن کو خم

کر دیا خورشید ذرّوں کو نگاہِ مہر سے
تیری ذاتِ پاک نے اے سیّدِ عالی شیم

مجھ غریب خستہ پر بھی کر نظر الطاف کی
میری جانب بھی رواں ہو فیض دریائے کرم

روک کر اب اشہب خامہ کو قیسؔ آروی
لکھ کچھ اشعارِ دعا تا پائے انجامِ رقم

حاسدوں کو ہو مبارک رشک تیر ارات دن
ہو مبارک مجھ کو تیری مدحت لے والاہم

تا ابد ہوتی رہے تجھ سے اشاعت دین کی
حق تجھے زندہ رکھے جب تک ہیں مہر و مہ بہم

خوش رہیں احباب تیرے شاد خویش و اقربا
مدعی کو رات دن گھیرے رہیں رنج و الم

قصیدہ کہ بتقریب جلسۂ مذاکرۂ علمیۂ آرہ در ۱۸۹۶ء بمقام دربھنگہ خواندہ شدہ بود

دکھاؤں کس کو عروسِ کلام کا جوبن
کہاں سے ڈھونڈ کے میں لاؤں قدردانِ سخن

خیال شاہد مضموں سے شرم آتی ہے
نہ کیوں ہو تر عرقِ انفعال سے دامن

کوئی نظر نہیں آتا ہے عیب جو کے سوا
ہیں محوِ خندۂ بیجا ہزارہا دشمن

غضب میں جان ہے اب کیا کروں کدھر جاؤں
ہمیشہ درپئے آزار ہے یہ چرخ کہن

عجیب طرح کی آتش ہے شعلہ زن دل میں
بنا ہے سینۂ پُرسوز غیرتِ گلخن

کہوں جو حال میں اپنا تو حشر برپا ہو
جو چپ رہوں تو جلیں غم سے استخوانِ بدن

نہ پہنچے تا بہ اثر ہائے خوبیِ تقدیر
نکل کے سینے سے نالے ہوئے غریبِ وطن

یہ میری فکر رسا مجھکو طعنے دیتی ہے
کہ کس کی سمت سے ہے اتنی نظم میں قدغن

بتاوہ کون ہے جوہر شناس اہل نظر
ہوا ہے میل جسے جانبِ نزاکت فن

ہے تیری قوم کو ناز اپنی بے کمالی پر
لباس جہل مرکب ہے سب کے زیب بدن

نہ صرف و نحو سے مطلب نہ کام منطق سے — نہ فلسفہ و ریاضی کا اب کہیں ہے چلن
نجوم و ہندسہ و ہیئت و کلام و ادب — ہیں کس مپرس زمانے میں جیسے کامل فن
کوئی ہے مبطل تفسیر و منکرِ قرآن — اصول و فقہ و اثر سے کہیں کوئی بدظن
رموز علم معانی سے کون واقف ہے — فنِ بیان کا ہے اب نام کس جگہ روشن
عروض و قافیہ کی ہے جو سرد بازاری — خزاں رسیدہ ہے عالم میں باغ شعر و سخن
پڑے ہیں فرط تغافل سے مدرسے سونے — کوئی نہیں کہ ہو زینت دہِ بنائے کہن
ہوئی کسی کو جو کسبِ علوم کی خواہش — عزور کان ابی ھکذا ہوا رہزن
کمال و نقص کی حالت میں آگیا ہے جو فرق — ہما بھی ڈھونڈتے پھرتے ہیں بوم کا مسکن
ہزار علم ہوں لیکن ہیں جہل سے بدتر — نہیں کسی کو زمانے میں قدر صاحب فن
یہی سبب ہے کہ دنیا سے اُٹھ گئے علمار — قبول اسی سے کیا سب نے گوشۂ مدفن
بڑھی جو حد سے فزوں کاملوں کی بے قدری — سکھائی تنگی قسمت نے عادتِ مردن
دلوں میں پھوٹ کچھ ایسی کہ الحذر کہئے — عداوت ایسی کہ بھائی ہے بھائی کا دشمن
مزاجداں نہیں کوئی کسی کا دنیا میں — ہے ایک ایک سے ترساں تو دوسرا بدظن
نہ پاس مذہب و ملت نہ جوش دین ہی کہیں — نہ ہے تمدّن و تہذیب و تربیت کا چلن
کسی میں کچھ نہیں بوئے حمایتِ اسلام — حریف اس کی طرف ہیں ہمیشہ تیر فگن
ہوا سمائی ہے کیوں تجھ میں ہرزہ گوئی کی — زمین شعر میں ہے گرم فکر کا توسن
یہ کاوشیں ہیں فضول اور کوششیں بیکار — نہ داد پائیگی تیری طبیعتِ روشن

عبث تلاش مضامیں میں جان کھوتا ہے — خبر لے اپنی نہ بن مفت عقل کا دشمن
یہ سُنکے جوشش گریہ سے بندھ گئی ہچکی — لئے سرشک نے جُھک جُھک کے بوسہ دامن
لگی جو سنگ ملامت کی چوٹ چھاتی پر — ہوئے وہیں جگر و دل میں سیکڑوں روزن
وفورِ غم سے لبوں کو ذرا ہلا نہ سکا — زبان مُنہ میں ندامت سے ہوگئی الکن
کبھی رولاتی تھی حسرت سے قوم کی حالت — کبھی کلیجے کو ملتے تھے طعنہ دشمن
حواس آمد و شد کرتے تھے جو پے در پے — دلِ ستم زدہ تھا مبتلائے رنج و محن
اسی کشاکش بیچارگی میں آخر کار — کسی نے مجھ کو سُنایا وہ مژدۂ احسن
کہ جس کو سنتے ہی بے ساختہ اُچھل کر میں — خوشی میں کہنے لگا یہ کہ سُن تو او بد ظن
کدھر خیال ہے تیرا تجھے خبر بھی ہے — گیا وہ جہل چلی علم کی ہوا سن سن
فرشتہ خو شرفِ دین جناب ابراہیم — وحید دہر عدیم المثال فخر زمن
ہے جنکی ذات مبارک سے شوکتِ اسلام — بنے ہیں جنکے نصائح سے دوست سب دشمن
سمجھ کے قوم کی خدمت گزاریوں کو وہ فرض — مدام غوطہ زنِ بحر فکر ہیں ہمہ تن
ہوئے اشاعت ہر علم و فن پر آمادہ — ہزار حُسن سے دل کے کنول کئے روشن
دکھائی جودت طبعِ رواں کی گل کاری — بنا کے مدرسۂ احمدیہ کو گلشن
ہے درجہ درجہ ہر اک رشک تختہ گلزار — ہزاروں قسم کے پھولوں سے پُر کئے دامن
ہیں پھول کون یہاں کے تمام طالب علم — بلا کے پُتلے فنون و علوم کے مخزن
وہ ننھے ننھے جو بچے ہیں غنچہ نوخیز — چٹک کے حرفوں کو دیتے ہیں بوسہائے دہن

ہے کوئی نغمہ سرائے کلام ایزد پاک
بسان طوطی شکر فشان صحن چمن

کوئی ہے صرف صغیر و کبیر پر مائل
کسی کا نحو کی جانب بڑھا ہوا توسن

کہیں تصور و تصدیق کے مباحث ہیں
کہیں مسائل حکمت ہیں کوئی گرم سخن

کوئی ہے ہندسہ و ہیئت و کلام میں طاق
کوئی ہے فقہ و اصول و حدیث میں پُرفن

اگر کسی کو توجہ ادب کی جانب ہے
تو نظم و نثر کی ہے مشق مشعلِ روشن

ہر ایک علم کی بحثیں زبان پر فرفر
خدا کی شان کہ ایسا کمال یہ بچپن

طلسم ہے کہ یہ ہے کارخانہ جادو کا
سمجھ ہی میں نہیں آتا ہے کیوں نہ ہو اُلجھن

نصاب وہ جو ہوا یوں قبولِ خاطرِ خلق
نظر میں جچتے نہیں اب طریقہائے کہُن

غرض درست ہے سب طرح کیل کانٹوں سے
مُنہ اُس پر آئے بھلا کیا ہے طاقتِ دشمن

جو کچھ کمی ہے تو اتنی ہے بس کہ ہائے ابتک
بقا کی شکل سے غافل ہیں سب سخی زمن

شکست ہر در و دیوار مدرسہ صد حیف
سُنا رہی ہے باآواز نالہ و شیون

مگر نہیں ہے تعجب خدائے عالم سے
کہ بھر دے گوہر مقصود سے یہیں دامن

ابھی کہیں سے کوئی سرپرست آجائے
بلند حوصلہ ذی شان دوست صاحب فن

ٹھہر ٹھہر نہ بڑھ آگے زیادہ اے خامہ
ہے وقت تنگ نہ ہو جائے بار طول سخن

اگرچہ جوش مضامیں ہیں موجزن دل میں
مگر تو سجدے کی خاطر جھکا سر و گردن

قلیل محض ہے فرصت مجھے بھی لازم ہے
اُٹھاؤں دست دعا سوئے بادشاہِ زمن

تری نگاہ عنایت سے رات دن یارب
بہار تازہ۔ رکھے سبز علم کا گلشن

معلموں کی وہ فیاضیاں ہوں لڑکوں پر
فرشتے دیکھ کے جس کو پکار اُٹھیں احسن

یہاں کے مہتمم و بانی و ملازم کو
فروغ و اوج میں کر رشکِ انجمِ روشن

تمام اس کے ہوا خواہ اے خدا خوش ہوں
حسد کی آگ میں ہر دم جلا کریں دشمن

مناسب اب ہے یہ اے قیسؔ دیکھوں فیضِ اثر
زبان بند کروں میں لگا کے قفلِ دہن

قصیدہ کہ بتقریبِ جلسۂ مذاکرۂ علمیۂ آرہ در ۱۸۹۵ء خواندہ شدہ بود

بنی ہے مخبرِ حالِ مصیبت چاک دامانی
کھُلے پڑتے ہیں صورت سے سراسر رازِ پنہانی

کہیں کیا انتشارِ حالِ دل حیرت سے ظاہر ہے
دلیلِ افسردگیِ طبع کی ہے چینِ پیشانی

بھڑکتی آگ بجھ سکتی ہے کب دو چار چھینٹوں سے
ہمیں ٹھنڈا کرے گی کیا ہماری اشک افشانی

پھُنکا جاتا ہے دل لائیں کہاں سے صبر کی طاقت
عدو کے طعنے سُن سُن کر کلیجا ہو گیا پانی

سراپا آتشِ غم ہیں کہیں گے صاف کھُل کر ہم
نہیں وجہِ ملامت ہوتی ہے شعلے کی عریانی

رہا جب تک ہجومِ جوشِ اسلامی ترقی کا
نہ آنے پائی دامن تک کبھی گردِ پریشانی

وفورِ نعمتِ حق سے بنے تھے نور کے پُتلے
ہمارے نیرِّ اقبال میں تھی وہ درخشانی

جھُکی رہتی تھی سب کی گردنِ تسلیم خدمت میں
سلاطینِ عظام آ آ کے کرتے تھے مگس رانی

کوئی ملنے کو آتا تھا تو ہم آنکھیں بچھاتے تھے
عجب فرطِ محبت سے کیا کرتے تھے مہمانی

محبت میں مروت میں صداقت میں سخاوت میں
عبادت میں ریاضت میں بھرا تھا جوشِ ایمانی

حمایت دینِ حق کی موجزن جب دل میں ہوتی تھی
حریفوں کو پسند آتی تھی جب مشقِ ستم رانی

جھپٹ پڑتے تھے ہم غصّے میں شیرِ شرزہ کی صورت
گرا دیتے تھے رستم سے دلیروں کو بہ آسانی

نہ مڑتا تھا کبھی سینا سنانِ گیو کے ڈر سے
نہ ہم کو روک سکتا تھا کبھی گرزِ نریمانی

نہ آنکھوں میں جگہ دیتے فلاطون و ارسطو کو
دکھانے پر جو آجاتے تھے علموں کی فراوانی

طبیعی میں ریاضی میں الٰہی میں عقاید میں
امام و شیخ کہتے تھے ہمیں سب انسی و جانی

کبھی لے جاتے تھے اشراقیوں پر گوے سبقت ہم
کبھی مشائیوں کو ہم سے ہوتی تھی پشیمانی

اگر رکھتے تھے صرف و نحو میں دعوٰی یکتائی
تو کرتی تھی خطا فی الفکر سے منطق نگہبانی

اصول و فقہ پر حاوی کبھی حلِ فرایض پر
نجوم و علم ہیئت میں کبھی استاد لاثانی

کتاب و سنت و تحقیق حق پر دیکھکر مائل
محدث کوئی کہتا تھا کوئی حلّال قرآنی

کبھی ہم خسروِ ملکِ معانی و بلاغت تھے
کبھی غیرت دہِ شورِ طلاقتہاے سحبانی

ہماری خاک پا قوت دہِ چشم بصیرت تھی
خجل تھا اس کے ذرّے ذرّے سے کحلِ سلیمانی

ہمیں تھے منبعِ علم و ہنر سارے زمانے میں
ہمیں رہتے تھے ہر دم موردِ افضالِ یزدانی

مگر افسوس یہ سب ہوگئیں اب خواب کی باتیں
نظر آتا نہیں کچھ بھی جز انبوہِ پریشانی

نہ ہمت ہے نہ دولت ہے نہ اخلاق و مروت ہے
نہ طاقت ہے نہ جرأت ہے نہ خو و بوے انسانی

نہ وہ مہماں نوازی ہے نہ اب وہ حق پرستی ہے
نہ ہے ہم میں وہ اگلا اتحادِ جسمی و جانی

جدا ہے بھائی بھائی سے الگ ہے باپ بیٹے سے
نہ اِس میں درد فرزندی نہ اسمیں لطف اخوانی

نگاہیں پست ارادے سست نازاں ہیں تنزل پر
سمجھتے ہیں بساطِ بوریا کو تختِ سلطانی

اُمنگیں ہوگئیں رخصت مٹے سب ولولے دل کے
گھٹی تاب و توانائی بڑھے آلام روحانی

ذرا سی آنکھیں جھپکا کر لٹے یوں دن دھاڑے ہم
ہوئی کیسی یہ غفلت ہائے قسمت ہائے نادانی

ہمیں برباد کر کے گھر بسایا ہے جو غیروں کا
نہیں معلوم کیا خالق نے اسمیں مصلحت جانی

مٹا کر دولتِ علم و عمل بے آبرو بنکر
رہے آخر کہاں تک کوئی محوِ نقشِ حیرانی

جو بھولے سے کبھی دعویٰ نہ کرتے تھے تقابل کا
خدا کی شان وہ سمجھیں ہمیں غولِ بیابانی

مدد اے بختِ خفتہ آگیا ہے وقت بیداری
تھپیڑے مارتی ہے موجِ بحرِ غم کی طغیانی

ہما کے آشیانے بن گئے ہیں بوم کے مسکن
ہوئے ہیں بدتر از زاغ و زغن طاؤس بستانی

خدا کو بھول کر ہے گرے سب کی نگاہوں سے
قیامت ہے کہ ساری آبرو پر پھر گیا پانی

کمندِ بام اُدھر ٹوٹی ادھر جاتی رہی قوت
کوئیں میں لے گری ہم کو ہماری یہ گرانجانی

ہماری کفش برداری جو خوش ہو ہو کے کرتے تھے
مناسب کیا یہی ہے اب کریں ہم اُنکی دربانی

یہ کیا انصاف ہی ہم تو تہیدستی سے سر پیٹیں
پڑیں نا اہل کی گردن میں مروارید عمانی

خفا اقبال - آزردہ ہنر - جاہ و حشم دشمن
بھلا کیونکر نہ ڈھونڈیں ہم طریقِ عالمِ فانی

ذلیل و خوار و رسوا ہو رہے ہیں سب کی نظروں میں
نگاہیں خندہ زن ہیں دیکھکر یہ خانہ ویرانی

چھٹیں قیدِ بلا سے یا یکایک موت ہی آئے
رہیں کب تک اسیرِ جہل ہم آفت کی زندانی

لباسِ آدمیت ہائے اب کس طرح پہنینگے
ملے گی ہم کو کیونکر عزتِ فضلِ ہمہ دانی

کہاں تک شکوۂ بے سود بس کر اے دلِ نالاں
بہت کچھ رو چکا اب ختم کر یہ مرثیہ خوانی

کہے دیتے ہیں ہم ہرگز نہ سنبھلیں گے نہ سنبھلیں گے
نہ ہوگی ہم میں جب تک علم و فن کی خوب ارزانی

مبارکباد ایّامِ خجستہ سر پر آ پہنچے
خدا کا شکر کچھ لوگوں نے قدرِ علم پہچانی

خصوصاً حامیِ اسلام ابراہیم علامہ
بنائے درس گاہِ احمدیہ کے جو ہیں بانی

نکالی ہے اُنھوں نے طرز تعلیم اک نئی ڈھب کی
کہ سُن سُن کر جسے ہوتے ہیں سب محوِ ثنا خوانی

وہ تعلیم اس غضب کی ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو
بنا دے کاملِ فن چند مدت میں بآسانی

پھر آگے بھی ملے اچھی طرح موقع ترقی کا
نہ مانع کسب علم نو سے ہو سن کی فراوانی

ہجوم جوش مضموں سے طبیعت گدگداتی ہے
ہم اُنکے وصف میں پڑھتے ہیں اس دم مطلعِ ثانی

مطلعِ ثانی

شعاعِ شمس ہے چینِ بیاضِ لوحِ پیشانی
طلوعِ صبحِ صادق روئے انور کی درخشانی

فروغ افزائے دین و رہنمائے طالبانِ حق
تجلی بخشِ قصرِ پُرضیائے نورِ ایمانی

جزائے خیر دے خالق کہ آنکھوں کے اشاروں سے
عیاں ہے اتباعِ سنتِ محبوبِ ربانی

یہاں کیا ذکر ہے داغِ گنہگاری کو دھبوں کا
لباسِ زہد و تقویٰ ہے دلیلِ پاک دامانی

ہوا آگاہ دل سارا جہاں اُنکے نصائح سے
نہیں ممکن چلے اب زور مکر و کید شیطانی

بیان پُر اثر کو رشکِ سحرِ سامری کہیے
عیاں ہر بات سے ہوتا ہے جوشِ صدق پیشانی

خلش جاتی رہی بغض و عناد و رنج باہم کی
رہِ صدق و صفا اِن کی بدولت سب نے پہچانی

رفاہِ عام پر ہر لحظہ جان و دل سے آمادہ
ہمیشہ قوم کی خدمت میں سرگرمِ نگہبانی

حدیث و فقہ و تفسیر و کلام و حکمت و منطق
ہیں سب میں شہرۂ آفاق بے مثل اور لاثانی

الٰہی و طبیعی و ریاضی میں بھی کامل ہیں
شہِ علمِ بلاغت واقفِ اسرارِ قرآنی

طبیعت وہ بلا کی پائی ہے جس سے کہ عالم میں
ہر اک فردِ بشر کو سُن کے ہو جاتی ہے حیرانی

ہوئے ہیں مستعد اس طرح علموں کی اشاعت پر
کہ ساری مشکلوں کو کر دیا ہے سر بسر پانی

کہاں آرہ کہاں یہ مجمعِ اربابِ علم و فن
انھیں کے توسنِ فکرت کی ہے بالکل یہ جولانی

فقط اک کوششِ ادنیٰ کا یہ سارا نتیجہ ہے
جو بیٹھے دیکھتے ہیں کاملانِ نوعِ انسانی

کہاں تک خامہ فرسائی کروں اوصاف بیجا میں
مجسم مخزنِ خوبی سراسر فضلِ یزدانی

میں درگاہِ خدا میں اپنے ہاتھوں کو اُٹھاتا ہوں
حضورِ قلب سے کرتا ہوں اب تھوڑی دعا خوانی

کہیں آمین صدقِ دل سے اس دم سُننے والے بھی
کہ ہو گرم عنایت چشم ربِّ انسی وجانی

مرے ممدوح کو سب کوششوں کا نیک بدلا دے
رکھے آباد و خرّم اور بخشے عمر طولانی

تمام اطراف میں اس مدرسے کی نیک نامی ہو
نہ باقی رہنے پائے شکوۂ بے ساز و سامانی

نزولِ رحمتِ حق ہو یہاں کے پڑھنے والوں پر
متاعِ دولتِ کونین حاصل ہو بآسانی

معلّم کو ملازم کو ہوا خواہان رفعت کو
ملے دنیا میں راحت آخرت میں باغ رضوانی

زمین و آسمان شمس و قمر کی عمر آخر تک
رہے یارب مسلمانوں میں علموں کی فراوانی

چھڑا کر قیدِ ذلت سے عطا کر خلعتِ عزت
مٹا دے ظلمتِ جہل و بلائے ضعف و نادانی

حقارت کی نگاہوں سے نہ دیکھیں دیکھنے والے
ہو ان کے طالعِ فرخندہ میں ایسی درخشانی

بس اب اے قلیسؔ میں اپنا قصیدا ختم کرتا ہوں
قبولِ بارگاہِ احدیت ہو یہ ثنا خوانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُناجات بدرگاہِ قاضیُ الحاجات

اے مالک ملک کبریائی — زیبا ہے تجھے تری خدائی
اے دُور ز وہم و فکرِ چالاک — بیرون ز قیاس و فہم و اِدراک
کیونکر ہو صفت بیاں تیری — ہے جلِّ جلال شان تیری
تو ذات و صفات میں ہے یکتا — تجھ سا کوئی تھا نہ ہے نہ ہوگا
کثرت میں عیاں ہے نور وحدت — ہر شئے ہے تری دلیل قدرت
حیرت ہے کہ یہ حجاب کیا ہے — قربت رگ جاں سے جب سوا ہی
چاہے جو کوئی ترا نظارا — ممکن نہیں دیکھے آشکارا
مشہور ہے طور کی کہانی — موسیٰ سے بجا تھی لن ترانی
ہاں یہ جو کوئی کہے روا ہے — صنعت میں تو اپنی یوں چھُپا ہی
تو نار میں نور کی جھلک ہے — تو باغ میں پھُول کی مہک ہے
دریا میں رواں ہے سیل بنکر — صحرا میں بہ رنگ بادِ صرصر
ہے شمس و قمر میں نور تیرا — ہر ذرّے میں ہے ظہور تیرا
ہر برگ و شجر میں تو ہی تو ہے — ہر خشک میں تر میں تو ہی تو ہے
جس سے کہ ترا نشان پانا — ہمصورت دید سب نے جانا

اُٹھ جائے اگر دوئی کا جھگڑا
فانی نظر آئے سب ہویدا
باقی رہے صرف ذات تیری
آئینۂ صفت ہو بات تیری

عرضِ حال

اے دارو دردِ جن وانساں
اے چارہ گرِ مریضِ ہجراں
اے مونس وغمگسارِ عالم
اے مرہم دل فگارِ عالم
میں ایک فقیر بے نوا ہوں
در پر ترے آکے اب گرا ہوں
غفلت میں کٹی ہے زندگانی
ہونے کو ہے ختم عمرِ فانی
پیری نے کمر کا زور توڑا
ناتا مری لاغری سے جوڑا
عقبیٰ کی نہ ہو سکی کمائی
سب زندگی مفت میں گنوائی
بھولے سے جو کی بھی کوئی طاعت
حاصل نہ ہوئی کچھ اس کی لذت
جو بات ہے مکر و زور کی ہے
ہر طرز و ادا غرور کی ہے
ہوں غرق گناہ سر سے پا تک
آغاز سے لے کے انتہا تک
دنیا کی طلب میں طوقِ لعنت
گردن میں رہا بشکلِ زینت
کردار پر اپنی منفعل ہوں
گفتار سے ہر طرح خجل ہوں
رحمت کی مری طرف نظر کر
ہر جرم وخطا سے درگزر کر
رسوائیِ حشر سے بچانا
مجھ کو نہ سیاہ رُو بنانا

مانا کہ بُروں سے بھی بُرا ہوں — لیکن ترے در کا میں گدا ہوں
دل حرص و ہوا سے پاک کر دے — دامان امل کو چاک کر دے
جن باتوں کی دل میں آرزو ہو — جس چیز کی تجھ سے جستجو ہو
دیکر مجھے سرفراز کر دے — اغیار سے بے نیاز کر دے
کوثر سے مری زبان دھو جائے — جو کچھ میں کہوں قبول ہو جائے
اے ہادیٔ جادۂ شریعت — اے مشعل وادیٔ طریقت
بھر دے مرے دل میں شوق اپنا — کر دے مجھے مست ذوق اپنا
دیوانہ صفت تری طلب میں — دن رات بسر ہو عمر سب میں
جب لائے اجل پیام تیرا — لب پر ہو الٰہی نام تیرا
بے فکر خیال دو جہاں سے — مشتاق لقا چلوں یہاں سے
اُٹھوں جو لحد سے روزِ محشر — سایہ ہو ترا ہی میرے سر پر
وقت آنے لگے حساب کا جب — رحمت تری ہو شفیع یا رب
پھر مجھ سے ہو یہ کلام تیرا — "ہے خلد بریں مقام تیرا
یہ باغ و قصور و حور و غلماں — ہیں تیری خوشی کے سارے ساماں

اے قیس رہ اس میں جا کے دل شاد
ہو کر غمِ این و آں سے آزاد"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

عنوان لوح دیوان کرتا ہی نام تیرا
مقبول اہل فن ہو یارب غلام تیرا

ردیف الف

طور ہی پر نہیں موقوف نظارا تیرا
چشم بینا ہو تو ہر شئے میں ہے جلوا تیرا

کعبہ تیرا ہے ترا دیر کلیسا تیرا
تیری راتیں ہیں ترے دن ہیں زمانا تیرا

دل دی وہ دل مجھے جس دل میں ہو تیری اُلفت
سر دے وہ سر مجھے جس سر میں ہو سودا تیرا

بھیجدے روح قدس کو گل مضموں لیکر
زمزمہ سنج ہے اب بُلبُل گویا تیرا

صرف انسان ہی وہ جس سی اطاعت نہ ہوئی
ورنہ ہے کون کہا جس نے نہ مانا تیرا

یہ حجاب اور قریبِ رگ گردن رہنا
واہ اے پردہ نشیں خوب ہی پردا تیرا

سرفروشی کو نہ کیوں عین سعادت سمجھوں
ہے بقا میرے لئے نام رہے گا تیرا

دولتِ عشق میسّر ہو تو دشوار نہیں
ذرّے ذرّے میں نظر آئے تماشا تیرا

پھُنک رہا ہوں مگر اس پر بھی ادب کے صدقے
کیا مجال آئے لبوں پر کبھی شکوا تیرا

ہو بشر واقف اسرار حقیقت تو با — مشت خاک اور یہ پہچان لے رتبا تیرا
بُت کے پردے میں کہیں تیری پرستش دیکھی — ذکر ہوتے کبھی دیکھا لب دریا تیرا
کِس طرح سلجھے گی یارب مرے دل کی گتھی — ناخنِ فکر نہیں پاتے اشارا تیرا
ہے مرے دل میں کوئی شاہد اسرار نہاں — دخل بیجا ہے یہاں اے غم دنیا تیرا
لطف جب ہو کہ قیامت میں بتا کر مجھکو — تیری رحمت کہے یارب یہ ہے شیدا تیرا
ایک حیلا مرے ترنے کے لئے کافی ہے — مجھکو معلوم ہے بخشش میں بہانا تیرا
توہی تھا کچھ بھی نہ تھا جب بھی طلب تھی تیری — آج سب کچھ ہے تو کیا اب بھی ہوں جویا تیرا
اپنی آنکھوں سے لگا لیتے بصیرت کیلئے — دیکھ پاتے جو کہیں نقش کفِ پا تیرا
خار صحرا کو ہوئی دولت پابوس نصیب — جب گیا سیر کو میں آبلہ فرسا تیرا
میں ہتی دست ازل کون سی دولت رکھتا — ہاں مگر دل میں ہے اک داغ سویدا تیرا
وصل تو سہل ہے لیکن یہ عجب مشکل ہے — کہیں ملتا نہیں عاشق کو ٹھکانا تیرا
حشر کے دن بھی مٹا نقش کفِ پا کی طرح — شوق دیدار میں پامال تمنا تیرا
نقد جاں کیوں میں نچھاور نہ کروں دلبر پر — مجھ سے اُٹھتا نہیں اے موت تقاضا تیرا
پرتوِ رُخ کی جھلک ہی سے گرے غش کھاکر — حسن کیا دیکھتے پھر حضرت موسیٰ تیرا
کوئی گردن ہی جھکالے تو نظر آئے اُسے — دل کے آئینے میں عکسِ رُخ زیبا تیرا

اے خدا قیس سیہ کار رہے کیوں رسوا
گو گنہگار ہے لیکن ہے یہ بندا تیرا

جو کوئی دلدادہ محبوبِ خدا کا ہو گیا
حق یہ ہے اللہ کا وہ خاص بندا ہو گیا

واہ کیا دردِ محبّت لذت افزا ہو گیا
قطرہ قطرہ آنسوؤں کا رشک صہبا ہو گیا

تشنہ کامانِ شفاعت کی یہ قسمت دیکھئے
زندگی دوبھر ہوئی آسان مرنا ہو گیا

موت کہتے ہیں جسے وہ وصل کا پیغام تھا
زیست کا جھگڑا چکا انجام اچھا ہو گیا

رنج فرقت میں مرے مرنے کی آسانی نہ پوچھ
ہچکی آئی دم رُکا بیمار ٹھنڈا ہو گیا

حشر کے دن آتے ہی نیچے لوائے حمد کے
امتِ عاصی کو بخشش کا سہارا ہو گیا

آفتابِ دینِ برحق وہ مقدس ذات تھی
جس کے نورِ فیض سے عالم اُجالا ہو گیا

کر دیا ہر شئے کو پاک ایسا خس و خاشاک سے
کعبہ بُت خانہ بنا مسجد کلیسا ہو گیا

شرک ہو یا کفر ہو بدعت ہو یا فسق و فجور
آپ کی بعثت سے اِن سب کا صفایا ہو گیا

گونج اٹھی چاروں طرف اللہ اکبر کی صدا
کفر پر بجلی گری شیطان رسوا ہو گیا

منکرینِ بدنہاد اتنا تو دل میں سوچتے
حضرتِ صدیقؓ کا کیونکر یہ رتبا ہو گیا

گھر سے نکلے تھے عمرؓ کیا کیا ارادے باندھکر
سامنے آتے ہی لیکن اور نقشا ہو گیا

منزلت ہاتھ آگئی عثمانؓ ذی النورین کو
لحمک لحمی علیؓ کا خاص حصّا ہو گیا

ہر مہاجر اور ہر ہر فرد تھا انصار کا
جو نظر پڑتے ہی جان و دل سے شیدا ہو گیا

دشمنوں کے روکے رُکتا جوش کیا اسلام کا
قطرے قطرے بڑھتے بڑھتے ایک دریا ہو گیا

کچھ نہ کام آئی کسی کی بھی کوئی افسونگری
رائج اسمِ پاک کا ہر سمت سکّا ہو گیا

سر سے لیکر پاؤں تک رحمت ہی رحمت آپ تھے
آنکھ جس پر پڑ گئی گویا فرشتا ہو گیا

کون ہے درد آشنا جس کو سناؤں سوزِ دل
عالمِ امکان میں لائے تھے متاعِ نقدِ جاں
خاتمہ ہوگا اگر دینِ رسول اللہ پر
گرمیِ خورشید محشر سے وہ کیوں بے ڈر نہ ہو
یا الٰہی جلد حاصل ہو مسرّت دید کی
دیکھوں ہوتی ہے مدینے کی زیارت کب نصیب
حمد خالق سے جو پائی دولتِ مقبولیت

پوچھتے ہیں لوگ تیرا حال یہ کیا ہوگیا
عشق کی دولت ملی انمول سودا ہوگیا
میں تو سمجھوں گا جبھی ارمان پورا ہوگیا
جس کے سر پر آپ کے دامن کا سایا ہوگیا
بار مجھ پر انتظارِ روزِ فردا ہوگیا
میں اسی ارماں[1] اسی حسرت میں بوڑھا ہوگیا
نعت احمد لکھ کے میں استاد یکتا ہوگیا

جوشِ حبِّ مصطفےٰ نے اس قدر بخشا شرف
قیس کے دیوان کا ہر شعر اچھوتا ہوگیا

خمخانہ ہے دل عشقِ رسولِ دوسرا کا
یارب مجھے دیدار ہو اُس ماہ لقا کا
آمین مرے ساتھ کہیں جن و ملک بھی
حاصل ہو مجھے کوچۂ جاناں کی گدائی
اے کاش مری خاک ہی لیجائے وہاں تک
مانند فلک میں بھی سرافراز جہاں ہوں
ہیں نجم فلک آتشِ فرقت کے شرارے

کیوں جام نہیں چھلکے مری طبع رسا کا
مصداق جو ہے جملۂ لولاکَ لَمَا کا
میں ہاتھ اُٹھاتا ہوں پئ وصل دعا کا
خواہاں میں نہیں سلطنت و ظلِ ہما کا
احسان پسِ مرگ ہوا اتنا ہی صبا کا
ملجائے جو بوسا کوئی نقشِ کفِ پا کا
ہے چاند ہمارے دلِ پُرداغ کا خاکا

[1] الحمد للہ کہ ۱۳۵۰ھ میں یہ دولت نصیب ہوئی ۱۲ منہ

پہنچائے گی الفت ہی مجھے یار کے در پر
دریائے شفاعت کی روانی جو یہی ہے
کس کی نگہِ لطف کی شادی ہے کہ ہردم
مرقد میں نکیرین نہ بک بک کے ستائیں
کس شان سے مقتل میں مرے قتل پر اُٹھی
عاشق کی شہادت بھی حیاتِ ابدی ہے
آوارہ وطن تو ہی نے اے عشق بنایا
ہوتے ہیں جدا مجھ سے مرے صبر و تحمل
اس ڈر سے کہ برہم نہ ہوں گستاخ سمجھ کر

محتاج نہیں ہوں میں کسی راہ نما کا
کیا خوف گنہگاروں کو ہو روز جزا کا
ٹوٹا نظر آتا ہے مجھے بند قبا کا
ہوں مست مےِ الفت محبوب خدا کا
ہے تیغ کی جھنکار میں غل صلِّ علیٰ کا
ہر قطرۂ خون قطرہ ہے دریائے بقا کا
سچ پوچھ تو قائل ہوں ترے ناز و ادا کا
اب ہاتھ سے جاتا ہے تعلق رفقا کا
کچھ ذکر کیا ہم نے وفا کا نہ جفا کا

اے قیس نہ بڑھ جاؤ کہیں حدِ ادب سے
خاموش رہو وقت ہے تسلیم و رضا کا

تماشا گاہ عالم ہے کرشما خود نمائی کا
غریقِ لجۂ الفت ہوں اُسکی خوش ادائی کا
نگاہِ مست ساقی کہتی ہے سرشار رہنے کو
دعائے وصل یارب یوں ہم آغوشِ اجابت ہو
بظاہر سینہ بیدھا مہ جبینوں کی نگاہوں نے
ترا پاسِ ادب جوشِ جنوں کو تھام لیتا ہے

نہ کیونکر ذرہ ذرہ آئینا ہو کبریائی کا
کہ تھل بیڑا نہیں ہے جس کے بجز آشنائی کا
شکستِ توبہ طعنا دے رہی ہے پارسائی کا
کہ میری آہ سوزاں پھونک دے پردہ جدائی کا
مگر میں لطف پاتا تھا کسی کی دلربائی کا
ارادا جب کبھی کرتا ہے میری پیشوائی کا

نہ کیوں محوِ تحیر ہو تجلّی طور سینا کی — فروغِ روز افزوں دیکھکر دل کی صفائی کا

ادب درکار تھا منصور اتنا بھی نہیں سمجھا — کیا نادان بنکر فاش پردا آشنائی کا

عروجِ عاشقی ہے آتشِ فرقت میں جل بجھنا — اسے اغیار کیا جانیں یہ زینا ہے رسائی کا

پکارا دل قدم رکھتے ہی وادیِ محبّت میں — خدا ہی روکنے والا ہے اب تو میری آئی کا

پڑینگے آفتابِ حشر میں دھبّے خجالت کے — اگر قسمت نے چمکایا ستارا جبہہ سائی کا

میں اپنی آرزوے خوں شدہ کی داد کے صدقے — وہ رنگ اِس میں بتاتا ہی کسی پائے حنائی کا

مرے اظہارِ الفت پر وہ کیسی شوخی سے کہتا ہی — فریبی ہے زمانے کا تو جھوٹا ہے خدائی کا

اشاروں سے ترے پیدا ہوئی غمزے حسینوں میں — پڑھایا ہی سبق تو ہی نے اُن کو بے وفائی کا

رہے گا موردِ رنج و الم قیسِ حزیں کب تک
خبر لے جلد یارب وقت ہے مشکل کشائی کا

گلا ہے بے وفائی کا نہ شکوا کج ادائی کا — عجب لذت فزا ہے درد زخمِ آشنائی کا

بنانا پھر مٹانا ہے طریقہ رہنمائی کا — اسی سے مل گیا سارا پتا تیری خدائی کا

اگر کوئی فنا فی اللہ کردے اپنی ہستی کو — تو ہر ہر سانس سے پیدا ہو نعرا کبریائی کا

تری راہِ طلب میں ناتوانی میری حائل ہی — نتیجا دیکھئے ہوتا ہے کیا بے دست و پائی کا

شرف افزا ہی سب کے حق میں تیری در کی محتاجی — قمر کو وجہ نازش کیوں نہ ہو کاسا گدائی کا

ہوائے موسمِ گل ہے ترے میکش نہ سنبھلیں گے — گرینگے ٹکڑے ٹکڑے آج دامن پارسائی کا

اُٹھایا جس نے اپنا سر گرا قعرِ مذلت میں — ترے آگے نہ راس آیا کبھی دعویٰ بڑائی کا

عیاں ہے رازِ سربستہ مری مرجھائی صورت سے
لبوں پر مہر خاموشی ہے تمغا پیشوائی کا

نزاکت دیکھکر خنجر بکف قاتل کو بول اُٹھی
خدا ہی حافظ و ناصر ہے اِس نازک کلائی کا

مزا دیتا ہے سر کا تیرے قدموں پر پڑا رہنا
کوئی کیا رتبہ داں ہوگا ہماری جبہہ سائی کا

اسیرانِ محبّت کو اسیری عین راحت ہے
ستم ڈھاتا ہے آجانا تصور بھی رہائی کا

بیانِ رنج و شرحِ درد دل کیونکر کروں تجھ سے
ٹھکانا ہی نہیں ملتا ہے جب غم کی سمائی کا

سرِ بالیں تم آکر مجھ سے آنکھیں کیوں چُراتے ہو
بھلا یہ بھی کوئی موقع ہے الفت آزمائی کا

نہیں معلوم مجھ پر کس لئے ڈھیلے برستے ہیں
اگر دیوانہ بننا دیکھیں گے اپنے فدائی کا

عبث اے بخت خُفتہ قیس کو رسوا نہ کرنا تھا
لگا کر آہ کے دامن میں دھبّا نارسائی کا

عجز سے رتبہ بڑھا وہ ترے شیدائی کا
رشک خورشید بنا داغ جبیں سائی کا

روز افزوں ہے مجھے شوق جو تنہائی کا
پیش خیمہ نہ ہو یہ بادیہ پیمائی کا

کہتے ہیں جس کو قیامت ہے کرشما تیرا
حشر کیا چیز ہے مجمع ہے تماشائی کا

شرط انصاف یہی ہے کہ مرا دل لے کر
غلغلا آپ سُنائیے رسوائی کا

آئینہ خانے میں جاتے ہو سنورنے کے لئے
دیکھو دعویٰ نہ غلط ہو کہیں یکتائی کا

دو قدم چل کے ذرا آپ ہی تم دیکھ نہ لو
حال کیا پوچھتے ہو اپنے تمنّائی کا

دل میں داغِ غم فرقت کی سیاہی سمجھے
پھول دیکھا جو کہیں لالۂ صحرائی کا

کون سی شئے ہی نہیں تیری تجلّی جس میں
آنکھوں میں سُرمہ ذرا چاہیئے بینائی کا

بن کے سائل جو میں پہنچا تو ملا اذن کلام — فقر کیا خوب ذریعہ ہے شناسائی کا
مسجد و کعبہ میں ڈھونڈوں کہ حریمِ دل میں — کچھ ٹھکانا بھی ملے اُس بُتِ ہرجائی کا
ہے کوئی مائل صد ناز مگر ہونے کو — شور ہے عرصہ گہِ حشر میں رعنائی کا
گر کے اُٹھتا ہوں تو آتا ہوں تری ڈیوڑھی پر — ناتوانی میں یہ عالم ہے توانائی کا
دل ہی دل میں نہ ہو کیوں حسرت و ارماں کا ہجوم — نام خلوت ہے تری انجمن آرائی کا
میرے سر سے نہ گئی مر کے بھی سجدے کی ہوس — شوق اب تک ہے وہی ناصیہ فرسائی کا

جوش وارفتگیٔ عشق وہ سُنکر بولے
قیس پر سایہ ہے شاید کسی سودائی کا

سبق پڑھا کے مجھے اپنی آشنائی کا — دیا ہے داغ کسی نے غمِ جدائی کا
جب امتحاں اُنہیں منظور ہے فدائی کا — گلا فضول ہے نالوں کی نارسائی کا
علاج ہو نہ سکے جس سے اپنی آئی کا — خدا کی شان وہ دعویٰ کرے خدائی کا
رہِ طلب میں غضب ہی غرورِ نفسانی — خودی سے پاک رہے جامہ پارسائی کا
چھُپینگے میری نگاہوں سے کیا وہ پردوں میں — کہ عالم آئینہ ہے اُن کی خود نمائی کا
فلک کی طرح کسی کا سرِ نیاز جھکے — تو رشکِ مہر بنے داغ جبہہ سائی کا
اثر پذیر ہو کیا شورشِ قیامت سے — جو ہو شہید تری تیغ خوش ادائی کا
ہوا کلیم کو دیدار یار کا دھوکا — نہ سمجھے یہ کہ وہ تھا کھیل دلربائی کا
ترے فقیر کے رتبے کو شاہ کیا جانے — کھلا ہے راز کہاں کاسۂ گدائی کا

جو محو لذت دیدار ہو اسیری میں
وہ نام سُنکے نہ گھبرائے کیوں رہائی کا

ہر ایک ذرّہ دکھاتا ہے چشم حق بیں کو
کرشمہ عالم امکاں میں کبریائی کا

شعاع عکس تجلّی سے غش ہوئے موسیٰ
نظارہ کر نہ سکے حُسن کی صفائی کا

خلوص جادۂ الفت میں عین طاعت ہی
نہیں ہے کام یہاں سجدۂ ریائی کا

وہ خود ہی ایک نہ اک دن ادھر کھنچ آئینگے
کرے گی دل کی کشش کام رہنمائی کا

بیاں سرّ حقیقت ہے قیس کا دیواں
کچھ اس میں دخل نہیں طبع آزمائی کا

بھلا تو اور اے ظالم بھرے دم میری الفت کا
غضب کی تیری چالیں ہیں یہ فقرا ہی قیامت کا

لگا کر دل ہوا ہی سامنا لاکھوں مصیبت کا
ستم ہوتا ہے آجانا حسینوں پر طبیعت کا

نہ پوچھو منچلوں کو ہوتے ہیں آتش کے پرکالے
ہر ایک ادنیٰ کرشما پھانس لینا پیاری صورت کا

ابھی تو کیا ہے مرنے پر میں تجھ کو یاد آؤں گا
پھریگا جب تری آنکھوں میں نقشا میری صحبت کا

جھکا کر گردن اب دیدار کی لذت اُٹھاتے ہیں
کہاں تک آسرا دیکھا کریں بیٹھے قیامت کا

مئے گلرنگ سے سیراب کردے جلد اے ساقی
تری ڈیوڑھی پر آیا ہوں میں پیاسا ایک مدت کا

نہیں معلوم کیا سمجھے ہیں آپ اے حضرتِ ناصح
اُبھرتا ہے کہیں ڈوبا ہوا بحرِ محبّت کا

مرا دل ایسی بے دردی سے کیوں پامال کرتے ہو
ذرا سوچو تو یہ پروردہ ہے کس ناز و نعمت کا

قیامت ہوگئی جب وہ ہماری لاش پر بولا
خدا بخشے یہ کیا انسان تھا پُتلا مروت کا

کٹا غیرت سے کیا ایک بوسا مانگ کر اُس سی
کہا اُس نے جو ہنسکر دیکھوں مُنہ حضرتِ سلامت کا

پسِ مردن بھی شاید حوصلا مشقِ ستم کا ہی
پتا ہر ایک سے وہ پوچھتے ہیں میری تربت کا

ہماری لاغری نے دی جگہ محفل میں رہنے کی
نہ آئے ہم نظر اُن کو بھلا ہو اس نحافت کا

مجھے کس واسطے باغِ ارم کی آرزو ہوتی
مزا جب کوچۂ جاناں ہی میں پاتا ہوں جنت کا

لحد میں اب نکیرین آئے میرا سر پھرانے کو
نہیں ہے بعد مرنے کے بھی کچھ سامان راحت کا

سوالِ وصل پر یوں دم بخود ہونا نہیں اچھا
سنا دو فیصلا جو کچھ ہوا ہو میری قسمت کا

میں خود ہی مر رہا ہوں تم مجھے کیوں قتل کرتے ہو
نشانا خلق میں بن جاؤ گے تیرِ ملامت کا

ہجومِ آرزو لے کر بڑی مشکل سے آیا ہوں
گلے مل جاؤ یہ موقع نہیں تکرار و حجت کا

جدھر جاتا ہوں اربابِ ہنر کے طعنے سنتا ہوں
کوئی انسان دیکھا ہی کسی نے اس بُری گت کا

اگر انصاف سے دیکھو تو قیسِ رند مشرب بھی
برا ہو یا بھلا ہے آدمی اچھی طبیعت کا

ہوں اسیرِ دامِ الفت کس ستم ایجاد کا
ہے دگرگوں حال میری خاطرِ ناشاد کا

میں شہیدِ ناز ہوں جس بانیٔ بیداد کا
کھینچنا نقشا مری تربت پر اس جلّاد کا

حاملانِ عرش ہاتھوں سے کلیجا تھام لیں
شورِ بلبل میں جو عالم ہو مری فریاد کا

کھینچنا چاہیں اگر تصویر میرے یار کی
رنگ مانی کا اُڑے ٹوٹے قلم بہزاد کا

پھوڑتے ہیں دشتِ غربت میں پھپھولے خار سے
یاد آتا ہے مزا جب نشترِ فصّاد کا

غیر ممکن ہے کہ میں آؤں تمہارے دام میں
سہل سمجھے ہو پھنسانا طائرِ آزاد کا

نوکِ مژگاں نے کھٹک لی ہے سنان و تیر سے
تیغ ابرو میں ہے عالم خنجرِ فولاد کا

پھر کسی شیریں ادا کا عشق مجھ کو ہو گیا
پھر سمایا سر میں سودا تیشۂ فرہاد کا

آپ کے جور و ستم اُس پر مری یہ عاجزی
حشر میں ہوں گا خدا سے طالب اپنی داد کا

شاید آتا ہے زیارت کو ہماری قبر پر
شور ہے پازیب جاناں میں مُبارکباد کا

عاشقوں پر بے سبب کرتے ہو کیوں مشقِ ستم
خوف کیا دل میں نہیں کچھ پرسشِ بیداد کا

واہ رے شوقِ شہادت جی میں آتا ہے یہی
خلد سے پھر راستا لوں کوچۂ جلّاد کا

تم بناتے کب عماراتِ رفیع اے منعمو!
سُن جو لیتے ایک دن قصّا کہیں شدّاد کا

عمر بھر گردش رہی مجھ کو بگولے کی طرح
کیا ٹھکانا پوچھتے ہو خانُماں برباد کا

ایک بُت سے دل لگا کر قیدیٔ الفت بنا
ورنہ عالم میری آزادی میں تھا شمشاد کا

محو رہتا ہوں ہمیشا گلرخوں کے وصف میں
بلبلِ نغمہ سرا ہوں گلشنِ ایجاد کا

توڑ دیتے جوشِ وحشت میں ہم اپنی بیڑیاں
ہو گیا مانع مگر پاسِ وفا حدّاد کا

چھوڑ کر یادِ خدا فکرِ معیشت ہے عبث
کیا بھروسا ہے بقائے دہرِ بے بنیاد کا

جب کوئی غنچا کھلا مرجھا کے آخر گر گیا
دیکھتے ہو رنگ اس باغِ خزاں آباد کا

توڑ کر جام و سبو ہو بیٹھے قیس اب قبلہ رو
مدتوں سے قصد تھا دل میں خدا کی یاد کا

رات دن سہنے کو ظلم اُس بانیٔ بیداد کا
کوئی پتھر کا جگر لائے کہ دل فولاد کا

عشق میں پاسِ خرد کیا وقت ہے امداد کا
میرے سینے میں گھٹا جاتا ہے دم فریاد کا

لائی مجھکو تیرے کوچے میں شہادت کی کشش
مل گیا بھولا ہوا رستا عدم آباد کا

پھڑ پھڑا کر توڑ دیتا میں قفس کی تیلیاں
کیا کہوں رحم آگیا مُنہ دیکھ کر صیاد کا

سخت جاں کہنے کو تو لوگوں نے مجھکو کہدیا
یہ نہ سمجھا کوئی خنجر کند تھا جلّاد کا

تھیں کبھی مشہور چرخِ پیر کی نیرنگیاں
اب زمانا بھر ہے قائل آپ کے ایجاد کا

مختصر سے مختصر بھی ماجرائے دردِ و غم
لکھتے لکھتے ایک دفتر ہوگیا روداد کا

پوچھتے ہیں سُن کے میرا حال کس شوخی سے وہ
تذکرا کس کا ہے یہ مجنوں کا یا فرہاد کا

جوشِ وحشت میں جو میں باندھا گیا زنجیر سے
ہر کڑی دینے لگی طعنا مبارکباد کا

بے تعلق کی ادائیں ہوئی تھیں سب سے جدا
جس طرح ممتاز لکھنے میں الف آزاد کا

کچھ سبب معلوم ہو تو سہل ہو تدبیر بھی
کیا کرے کوئی مداوا رنج بے بنیاد کا

جو صدا نکلی دہن سے مثلِ بوئے گل اُڑی
بے اثر موجِ نفس میں نکہت برباد کا

کوہکن کو آرزوئے عشق کرنا ہی نہ تھی
کام تھا اس معرکے میں باخبر اُستاد کا

روتے روتے آنسوؤں کا ایک دریا بہ گیا
مرثیا کہنے لگا میں جب دلِ ناشاد کا

کیوں نہ مانیں مستند اہلِ سخن میرا کلام
قیس خاکِ کفش پا ہوں لکھنوی شمشاد کا

دل اعتبار کا نہ جگر اعتبار کا
بھانپا ہوا ہر ایک یہ ہے بار بار کا

کیا خوب وعدہ وعدہ ہی فردائے یار کا
مرقد میں لے رہا ہوں مزا انتظار کا

سودا ہے زلف کا کبھی روئے نگار کا
نقشا ہی میری آنکھوں میں لیل و نہار کا

خوشبو نکل رہی ہے مرے دل کے داغ سی
شاید یہ پھول ہی ترے پھولوں کے ہار کا

چل کر چمن میں بادۂ گلرنگ پیجئے
آیا ہے دھوم دھام سے موسم بہار کا

کیا حال پوچھتے ہو کہیں دور بھی کرو
افسانہ ہے دراز دلِ بے قرار کا

پہنچا سرِ نیاز جھکاتے ہی عرش پر
اللہ رے عروج ترے خاکسار کا

دل میں عدو کی یاد نہ لیتی ہو چٹکیاں
رخ پر ترے یہ رنگ ہی کیوں انتشار کا

کس طرح راہ عشق میں برباد ہو گیا
پوچھا نہ تم نے حال کچھ اس جاں نثار کا

آغوش قبر میں بھی نہ راحت ہوئی نصیب
دھڑکا لگا رہا مجھے روزِ شمار کا

آنکھیں ملا کے سوزش خورشید حشر سے
اترا رہا ہے زخم دلِ داغدار کا

دفنا کے مجھ کو آئی ہو شاید وفا کی یاد
تکیا لگا کے بیٹھے ہیں اب وہ مزار کا

تقدیر جو دکھائے بہر حال دیکھئے
شکوا نہ کیجئے ستمِ روزگار کا

ٹھہرا ہوا ہے وعدۂ دیدار حشر پر
شاباش کہئے واہ دلِ امیدوار کا

نالوں سے ہوگی شورش محشر گلی گلی
ہے یہ نشان قیسِ غریب الدیار کا

آنا چمن میں دیکھ کے ابرِ بہار کا
ہے عرش پر دماغ ترے بادہ خوار کا

برگشتہ جب نصیب ہو امیدوار کا
بیجا ہے شکوہ گردشِ لیل و نہار کا

گلشن میں بار بار چہکنا ہزار کا
مژدہ ہے مے کشوں کو گلوں کے نکھار کا

اک روز بھی تو آ کے ادھر بھر فاتحہ
روشن کرو چراغ ہمارے مزار کا

افشائے راز عشق کیا ہجر یار نے
ٹوٹا طلسم آج کسی بے قرار کا

پیغام مرگ سنتے ہی یں کیوں اُچھل پڑا
کیا گور تنگ نام ہے آغوش یار کا

بنکر ہوائے تند کا جھونکا تو اے فغاں
پردا اُٹھا دے محمل ناقہ سوار کا

سینے میں اپنے رکھ لوں چھپاکر بجای دل
ل جائے کوئی پھول اگر اُن کے ہار کا

دعوائے ہمسری ہی اسے ابر تر کے ساتھ
دیکھو تو حوصلا مژۂ اشکبار کا

کیوں حاملان عرش نہ گھبرائیں خوف سی
ہنگامہ سُن کے نالۂ شب زندہ دار کا

ہوگی خراب مفت میں لذت وصال کی
قصّا نہ چھیڑیں آپ غمِ انتظار کا

میری طرف سے تم کو کدورت نہیں اگر
ہے رُخ سے آشکار اثر کیوں غبار کا

بے تیرے باغ میں کوئی بجلی گرا گیا
عالم گلوں کے خندۂ بے اختیار کا

ہم ہوں گے دادخواہ ترے ظلم وجور کے
محشر میں گُل دکھا کے دلِ داغدار کا

جلد آکے اپنے قیس کی اب لیجئے خبر
دم ہے لبوں پر آپ کے اس جاں نثار کا

دریا ہے رواں جو چشم تر کا
پھوٹا نہ ہو آبلا جگر کا

پاؤں جو پتا تمہارے گھر کا
سُرما میں بناؤں خاک در کا

ہوتا شب وصل خاک آرام
دھڑکا ہی رہا مجھے سحر کا

اے مرغ سحر ذرا نہ چلّا
بیدار رہوں آج رات بھر کا

اللہ یہ سختیاں قفس میں
میں جانور ایک مشت پر کا

میری آنکھوں سے ہو مقابل
پتّا یہ نہیں ہے ابر تر کا

مہمان ہے روح کوئی دم کی
قصد اب بھی کرو ذرا اِدھر کا

کیونکر نہ کرے حجاب فصاد
مُنہ چویں گے زخم نیشتر کا

ہوں خانہ بدوش شکل مجنون
کیا پوچھتے ہو نشان گھر کا

یوں نزع میں چھوڑ کر نہ جاؤ
جھگڑا ہے بس اور دوپہر کا

کیا ملک عدم میں ہے تماشا
کھلتا نہیں حال کچھ اُدھر کا

دانتوں کی ترے جہاں صفت ہو
کیا ذکر وہاں دُر وگُہر کا

آنکھوں سے رواں ہیں اشک خونیں
بہتا ہے لہو دل و جگر کا

دم لینے دو مجھکو اے نکیرین
آیا ہوں تھکا میں عمر بھر کا

باز آئے ہم ایسی زندگی سے
ہے قصد عدم کے اب سفر کا

موت آگئی مجھکو ہائے لینے
کیوں میری بغل سے یار سرکا

بل کھاتی ہے زلف روز بڑھکر
کھٹکا ہے مجھے تری کمر کا

آدم کو کئے ملک نے سجدے
اللہ رے مرتبا بشر کا

مس کرتی ہے جو بتوں سے جگنی
ہے برسر اوج بخت زر کا

ہیں خوگر زخم تیر مژگاں
احسان نہ لیں گے نیشتر کا

قاصد نے ہزار خاک اُڑائی
لیکن نہ پتا ملا اُدھر کا

صیاد نے دی مجھے رہائی
جھگڑا ہی مٹا کے بال وپر کا

نیند آئے شبِ وصال کیونکر
مہمان ہے یار رات بھر کا

اب بھی سینے سے میرے لپٹو
دیکھو وقت آگیا گجر کا

کیوں دم بخود آج بیٹھے ہو تم
اے قیس خیال ہے کدھر کا

ہے آٹھوں پہر ذکر لب پر کسی کا
میں عاشق ہوا ہوں مقرر کسی کا

ہلاتا رہا قلب مضطر کسی کا
بدلنا وہ رہ رہ کے تیور کسی کا

الٰہی میں تیری خدائی کے صدقے
دکھا دے مجھے روئے انور کسی کا

مزا دے گیا ہجر میں یاد آکر
شبِ وصل سونا لپٹ کر کسی کا

کہیں دیکھ کر تیرے ہاتھوں کی مہندی
نہ ہو خون دل اے ستمگر کسی کا

تپ ہجر سے ہائے کروٹ بدلنا
وہ بے تاب ہو ہو کے شب بھر کسی کا

سُن اے پاس الفت تو جلدی نکرنا
جو انصاف ہو روز محشر کسی کا

مرے گھر جو آتا ہے وہ رشک یوسف
نہ ہو جائے دل خاک جل کر کسی کا

نہیں بے سبب تیری زلفوں پر افشاں
بلندی پر آیا ہے اختر کسی کا

کسی دن کوئی فتنہ برپا کرے گا
یہ بن ٹھن کے آنا الحذر کسی کا

دمِ ذبح تڑپوں تو کس طرح تڑپوں
کہیں دل نہ ہو جائے مضطر کسی کا

شبِ وصل تھا آفتِ جان عاشق
بغل سے سرکنا بگڑ کر کسی کا

مری آبرو رکھ لے اے عشق ابرو
کھنچا ہے پئے قتل خنجر کسی کا

نہ بہ جائیں لختِ جگر اشک بن کر
کہ ہے جوش پر دیدۂ تر کسی کا

رہوں طالبِ دید میں گُھل موئے
نہ دیکھوں کبھی روئے انور کسی کا

لگاتا ہے داغِ خجالت قمر میں
سرِ بام آنا سنور کر کسی کا

ہوئی ہے خبر میرے مرنے کی افشا
نہ ہو جائے دل سُنکے مضطر کسی کا

رہے خشک میری اُمیدوں کا گلشن
ہو نخلِ تمنا ثمرور کسی کا

ہے بے وجہ کب خون آنکھوں سی جاری
لگا ہے مرے دل میں نشتر کسی کا

وہ غیروں کے گھر ہائے بن ٹھن کی جانا
لباسِ عروسی پہن کر کسی کا

نہ چشمِ وفا رکھ تو اے دل کسی سے
نہیں کوئی دنیا میں یاور کسی کا

مرا نام بھولے سے لب پر نہ آئے
رہے ذکر محفل میں شب بھر کسی کا

تہِ تیغ برّاں مری سخت جانی
کہیں دل نہ کردے مکدر کسی کا

مرا روٹھنا ہائے رے وصل کی شب
ہنسانا مجھے گُد گُدا کر کسی کا

پسِ مرگ بھی ہے وہی کیف مستی
ہوا جام مے کاسۂ سر کسی کا

یہی بے خودی میں بھی مدِ نظر ہے
نہ آجائے شکوا لبوں پر کسی کا

بھلا بے سبب کب ہی چہرے کی زردی
ہوا قیسؔ شیدا مقرر کسی کا

لوگ کہتے ہیں کسی پر جسے آنا دل کا
سچ بتائیں کہ وہ آنا ہے کہ جانا دل کا

تیر مژگاں سے ہے دشوار بچانا دل کا
دُور ہی دُور سے کرتے ہیں نشانا دل کا

پھونک دیتا ہے نئی روح تنِ بسمل میں
مرحبا کہکے دمِ قتل بڑھانا دل کا

قہر تھا شوق میں گر گر کے سنبھلنا میرا
اور اُن کا بصد انداز لبھانا دل کا

عقل تو زلفوں نے لی ہوش لئے آنکھوں نے
اس دو عملی میں لٹا آج خزانا دل کا

ایک دن آتش جانسوز بھڑک اُٹھے گی
لائے گا رنگ یہ ہر وقت جلانا دل کا

کہتے ہیں دیکھ کے آمادۂ گفتار مجھے
پھر وہی چھیڑ دوگے تم قصہ پُرانا دل کا

کیوں مسیحا سے کروں چارہ گری کی خواہش
ہے مجھے داورِ محشر کو دکھانا دل کا

کچھ نہ کچھ ایک نہ اک دن یہ ستم ڈھائیگا
دیکھو اچھا نہیں دن رات ستانا دل کا

چھائی رہتی تھیں جوانی کی ترنگیں جسمیں
تھا زمانوں میں وہ کیا خوب زمانا دل کا

دیکھکر مضطرب الحال مجھے کہتے ہیں
کہیئے سمجھے تھے کوئی کھیل لگانا دل کا

سخت اُلجھن ہے میں کیا خط میں لکھوں اے قاصد
کچھ زبانی ہی اُنہیں حال سنانا دل کا

نذر لینے میں بھی انکار جنہیں ہوتا تھا
اب وہی ڈھونڈتے پھرتے ہیں ٹھکانا دل کا

ناوکِ ناز سے وہ سینہ کرینگے چھلنی
رکھ کے پہلو میں نہیں سہل چھپانا دل کا

اُن کی چالاکی و شوخی کوئی ہم سے پوچھے
آنکھیں جھپکاتے ہی مٹھی میں چُرانا دل کا

کان دھر کر جو سنو گے تو ملے گی لذت
گو پُرانا ہے مگر ہے یہ فسانا دل کا

پھینک دیں چیر کے پہلو اسی کیونکر اے قیس
ہو گیا بارِ گراں ناز اٹھانا دل کا

ازل سے شیفتہ ہوں اُس گلِ گلزار امکاں کا
قمر بگڑا ہوا خاکا ہے جس کے روئے تاباں کا

مرقع کیا دکھاؤں اپنے دل کے شوق پنہاں کا
ہی کچھ نقشا اُمیدوں کا تو کچھ ہی یاس و حرماں کا

کہیں سے لا کے اک چٹکی چھڑک دے ان پہ اے قاتل
مرے زخمِ جگر تکتے ہیں مُنہ خالی نمکداں کا

اُدھر خنجر اِدھر میرا گلو مشتاق دونوں ہیں
وہ ہے پیاسا لہو کا یہ ہے پیاسا آبِ حیواں کا

کوئی زلفوں کا شیدا ہے کوئی صورت کا دیوانا
مگر ہے تو ہی تو مطلوب ہر گبر و مسلماں کا

کسی کی بے نیازی یہ کہ مڑ کر بھی نہیں دیکھا
کسی کے دل میں ہنگاما ہجومِ شوق و ارماں کا

زِ سرتا پا مرے سینے کو چھلنی چھلنی کر ڈالا
یہی کیا وصف عالمگیر تھا برگشتہ مژگاں کا

شگافِ زخم کے ہوتے بھلا یہ بات کیا چھپتی
کہ میرا دل نشانا ہے کسی کے تیرِ پرّاں کا

تصدق ہفت کشور تیرے کوچے کی گدائی پر
ہمارا بوریا ہم رتبہ ہے تختِ سلیماں کا

خطِ شوق آج لکھا ہے مگر قسمت سے ڈرتا ہوں
کہیں تیور نہ بگڑے دیکھ کر اُس آفتِ جاں کا

ابھی تک لوگ جس کو نوح کا طوفان کہتے ہیں
عجب کیا ہے فسانا ہو ہماری چشمِ گریاں کا

کمی للہ اے دستِ جنوں ہرگز نہ کر جانا
رہے تیرے ہی سر سہرا مرے تارِ گریباں کا

تمنّا ہے کہ تیرے در کی جاروبی میسّر ہو
نہ جنت کا میں طالب ہوں نہ خواہاں قصر و ایواں کا

عدو کے بھیس میں اکثر پہنچ جاتا ہوں میں اُن تک
مگر قائل ہوں پھر بھی چشم پوشیِ نگہباں کا

خدا کی بندگی میں ہوں بُتِ پندار کو سجدے
تو اے واعظ نتیجہ کیا ہے ایسے دین و ایماں کا

نکل کر کوچۂ گیسو سے جانا ہو نہیں سکتا
مری گردن میں پھندا پڑ گیا ہے زلفِ پیچاں کا

بہت ہشیار رہنا نالۂ بلبل سے اے گلچیں
غضب ہوگا جو کھڑکا ایک پتّا بھی گلستاں کا

ہماری آہوں کے جھونکوں میں ہے تاثیر آندھی کی
دلِ پُر داغ پر عالم چراغِ زیرِ داماں کا

عجب کیا ہے فرشتے بھاگ جائیں الحذر کہہ کر
بھڑک اُٹھے اگر تربت میں شعلہ داغِ ہجراں کا

کہاں کی نظم کیسی شاعری ای قیس وحشت میں
اُڑا پھرتا ہوں ذرّا بنکے میں ریگِ بیاباں کا

سُنے نالا جو مجھ اندوہگیں کا ۔۔۔ جگر شق ہوا بھی گاوِ زمیں کا
اُٹھا پردا جو روئے مہ جبیں کا ۔۔۔ ہوا زاہد کو دھوکا حورِ عین کا
ارادہ میں کروں کس سرزمیں کا ۔۔۔ نہ رکھّا عشق نے مجھ کو کہیں کا
مری آنکھوں کو تیرے فیضِ رخ سے ۔۔۔ ملا ہے مرتبا عین الیقیں کا
چمن میں دیکھ کر اُس سرو قد کو ۔۔۔ خمیدا قد ہے شاخِ یاسمیں کا
رہے گا یاد مجھ کو زندگی بھر ۔۔۔ مزا اُس بُت کے نازِ دل نشیں کا
لحد پر ہو گلِ نرگس کی چادر ۔۔۔ میں کشتہ ہوں نگاہِ سُرمگیں کا
مجھے کیوں بد کہا کرتے ہیں ناصح ۔۔۔ لکھا کیا پڑھ لیا لوحِ جبیں کا
قیامت ہے رُخِ روشن پر آکر ۔۔۔ بکھرنا تیری زلفِ عنبریں کا
نہ تنہا چھوڑ کر بالیں سے جاؤ ۔۔۔ بھروسا کیا نگاہِ واپسیں کا
پری ہے۔ حور ہے۔ جن ہی۔ وہ کیا ہی ۔۔۔ جو ہے انسان تو کس سرزمیں کا
تمہارے بوسۂ لب کے مقابل ۔۔۔ مزا پھیکا ہے قندِ انگبیں کا
چبھو دیتا ہے گویا تیر دل میں ۔۔۔ دکھانا چشمہائے سُرمگیں کا
رہا کرتے ہو کیوں آمادۂ ظلم ۔۔۔ چلن سیکھے ہو کیا چرخِ بریں کا
مرحے یہ قلبوں کی بدولت مر رہا ہوں ۔۔۔ چڑھا ہے زہر مارِ آستیں کا

مرے دل میں ترے نقشِ وفا سے
ہوا عالم سلیمانی نگیں کا

رخِ روشن پر آئی زلف شبگوں
جما رنگ اتحادِ کفر و دیں کا

کہاں تک جاؤ گے آنکھیں چرا کر
بھروسا ہے نگاہِ دوربیں کا

اثر بخشِ تجلّیِ قمر ہے
فروغِ حسن اُس روشن جبیں کا

کئے دیتا ہے مجھکو نیم بسمل
اشارا تیری چشمِ خشمگیں کا

غزل ایک اور بھی اے قیس پڑھ دو
ہے مجمع شاعرانِ نکتہ چیں کا

تصور رات دن اُس مہ جبیں کا
مسلتا ہے کلیجا مجھ حزیں کا

بُرا ہو اِس دلِ اندوہگیں کا
نہیں رہنے دیا مجھ کو کہیں کا

پھرا ہوں مدتوں تیری طلب میں
بگولا بن کے میں گردِ زمیں کا

بغل میں کروٹیں لینے لگے تم
ارادہ پھر ہوا شاید کہیں کا

غضب کی چٹکیاں لیتا ہے دل میں
خیال اِک شاہدِ پردہ نشیں کا

سوالِ وصل میں چپ کیوں ہوئے تم
ملے کچھ تو پتا ہاں یا نہیں کا

نہیں ہے برقِ تابندہ فلک پر
ہے شعلا میری آہِ آتشیں کا

پریشاں اے مرے نالو نہ کرنا
بہت نازک ہے دل اُس نازنیں کا

لبِ شیریں کے بوسے میں نے پائے
مزاجن میں ہے قندِ انگبیں کا

ہوا پردوں سے بھی مجنوں کو حاصل
نظارا لیلیِ محمل نشیں کا

چڑھائی ہے غم و رنج و الم کی
تجھے جنت کی اے زاہد پڑی ہے
نگاہِ قہر سے گھورا کسی نے
جگر چھلنی ہوا نوکِ مژہ سے
نہیں کچھ باعثِ ناز اپنی طاعت
مجھے اِک بوسۂ رخسار دیدو
نکلتا کس لئے تیری گلی سے
اُٹھے گا سینے سے شعلے کی صورت
شبِ فرقت مرے نالوں کو سُنکر
نہاں رہتا ہے جو سب کی نظر سے

خدا حافظ دلِ اندوہگیں کا
میں عاشق ایک رشکِ حورِ عین کا
ہوا دل ٹکڑے ٹکڑے مجھ حزیں کا
لگا ہے دل میں چرکا تیغِ کیں کا
بھروسا ہے تو ربُّ العالمیں کا
تصدق اپنے صورت آفریں کا
میں کچھ خواہاں نہ تھا خلدِ بریں کا
شرارا میری آہِ آتشیں کا
جگر کانپا کیا چرخِ بریں کا
مرا دل ہے مکاں ایسے مکیں کا

ابھی نکلا ہے غمگیں جس گلی سے
ہوا پھر قیس کو سودا وہیں کا

تصور جب کیا میں نے کسی کے روئے روشن کا
اگر بلبل بنوں میں تیرے روئے رشکِ گلشن کا
وفورِ ضعف سے سر میری حق میں تھا کئی من کا
محبت کیا بلا ہی عاشقی کس شے کو کہتے ہیں
زہے قسمت کہ گھبرا کر وہ بُت باہر نکل آیا

مری آنکھوں میں نقشا کھنچ گیا پھولوں کے خرمن کا
تو رتبا شاخِ طوبیٰ سے بڑھے شاخِ نشیمن کا
ترے خنجر کے صدقے بوجھ اُتارا میری گردن کا
یہ آگے چل کے سمجھوگے ابھی عالم ہی بچپن کا
گلی میں شور سنکر میری زنجیروں کے شیون کا

حیاتِ جاوداں ہوتا مرا مٹی میں مل جانا
جو اک ذرّا میں ہو جاتا کسی کی خاک دامن کا

منور کر دیا کنجِ لحد کو داغ حسرت نے
نہیں لینے دیا احسان سر پر شمع مدفن کا

کبھی گلیوں میں رہتا ہوں کبھی کوہ و بیاباں میں
نہ پوچھو تم نشاں اس بے سر و ساماں کے مسکن کا

تعجب کیا کہ شوقِ دید میں ہم اپنی آنکھوں کو
بنائیں فرش نظّارہ ترے وادیِ ایمن کا

بہت مشکل پڑے گی دیکھنا اے خندۂ بیہم
کوئی ٹانکا جو ٹوٹا زخم تیغِ تیز بد ظن کا

یہ جس کے ہر قدم پر آج برپا ہوتے ہیں فتنے
قیامت اِک کرشما ہے اُسی عیار پر فن کا

اُدھر بجلی چمکتی ہے اِدھر پانی برستا ہے
وہ ہنستے ہیں میں روتا ہوں جما ہے رنگ ساون کا

نہیں آسان کشتی مارنا دیوِ تعشق کی
یہ وہ دنگل ہے پانی ہو جگر جس میں تہمتن کا

شبِ تاریک روشن ہو گئی اُس مہ کی جگنو سی
ہوا ہے شعلۂ نورِ قمر ہر شعلہ کُندن کا

دمِ آرایش آ کر یار کی نازک کلائی میں
کہوں کیا ناز کرنا حسن میں سونے کے کنگن کا

نگاہِ غیر سے بچنے کی یہ تدبیر اچھی ہے
مری آنکھوں کو تم پردا بنا لو چشم روزن کا

مصوّر کھینچکر تصویر خود سر در گریباں ہے
کہاں سے اُسمیں بھرتا رنگ تیرے رنگ و روغن کا

غضب ہے گرمیِ عشقِ بتاں سے شعلے اُڑتے ہیں
نمونا ہے ہمارا سینۂ پُر سوز گلخن کا

وفورِ رعب سے میں کانپ اُٹھا بید کی صورت
خیال آیا مجھے جس دم کسی کی تیکھی چتون کا

رہو آنکھوں میں شکلِ مردمِ دیدہ نہاں ہو کر
میں پردا ڈالے دیتا ہوں ابھی مژگاں کی چلمن کا

تڑپ کر جان دیتا ہے کوئی دم میں ترا بسمل
نشانا لگ گیا دل پر نگاہِ تیر افگن کا

کسی کی گردشِ چشمِ سیہ نے توڑ ڈالا ہے
بنا کر شیشۂ دل کو ہدف سنگِ فلاخن کا

عبث کرتے ہو پامالِ جفا تم قیس کے دل کو
چراغ اک ٹمٹماتا سا یہی ہے خانۂ تن کا

دیکھے تو کوئی توڑ مرے تیرِ آہ کا
دل چھلنی چھلنی ہے فلکِ روسیاہ کا

دعویٰ غلط کرو بھی کہیں دادخواہ کا
منہ تھامتا ہے کون تمہارے گواہ کا

کیا گاڑھے کام آئیں مری اشکباریاں
سب دھو دھولا کے صاف ہی دفترِ گناہ کا

کھا کھا کے قسمیں عہد کیا بھی تو کیا کیا
تم کو کبھی خیال نہ آیا نباہ کا

جانے سے روکتا ہے کب اے جانِ جاں کوئی
قصّا تو سن لو پوچھ مرے حالِ تباہ کا

آزاد عاشقی نے کیا ہر خیال سے
پابند میں نہیں ہوں کسی رسم و راہ کا

ہے تیری یاد میرے لئے وجہ زندگی
بس تو ہی تو وظیفہ ہے شام و پگاہ کا

آنکھوں میں کیوں نہ شان کریمی ہو جلوہ گر
رتبا ملے فقیر کو جب بادشاہ کا

بسمل کیا ہے کس نے مجھے یہ نہ پوچھئے
گھائل ہوں آپ ہی کے خدنگِ نگاہ کا

شاید جناب شیخ کو سوجھی کوئی ترنگ
رخ کر کے میکدے سے چلے خانقاہ کا

غربت میں بھی بسر کی امیرانہ زندگی
سودا مجھے کبھی نہ ہوا مال و جاہ کا

تاروں کی طرح سینے میں چمکیں گی حسرتیں
عالم ہے داغِ دل میں اگر مہر و ماہ کا

گر کر کسی کی نظروں سے مانند گرد باد
آوارہ میں رہا نہ رہا گھر پناہ کا

در پردہ بات اور ہی موسیٰ کے حق میں تھی
تھا طور اک بہانہ تری جلوہ گاہ کا

کہتے نہ تھے کہ قیس نہ دو دل کسی کو تم
دیکھا مآلِ کار حسینوں کی چاہ کا

کیا حال دل کہوں میں یہ ڈر ہی لگا ہوا — سُنتا نہ ہو کوئی پس پردہ کھڑا ہوا

شکوا ترا جو میں نے کیا تو بُرا ہوا — تو نے جو مجھ سے آنکھ چرائی یہ کیا ہوا

میرا گِلا ہوا کہ تمھارا گِلا ہوا — جانے دو دور بھی کرو جو کچھ ہوا ہوا

محشر میں اب تو سُن ہی لیا تم نے فیصلا — انصاف سے کہو کہ یہ کس کا کہا ہوا

باندھا جو مجھ سے عہد تو آئی عدو کی یاد — وعدا ہوا کسی سے کسی سے وفا ہوا

شاید کروگے خون کسی بے گناہ کا — ہاتھوں میں آج رنگ حنا ہے جما ہوا

میں بھی بشر ہوں میرے بھی مُنہ میں زبان ہی — لیکن ہوں پاس وضع سے ابتک دبا ہوا

ہم نے تو اپنی جان کو قربان کر دیا — تم پر جو فرض تھا وہ کہو کب ادا ہوا

بیتاب تشنگان شہادت ہیں دیکھکر — بل تیوریوں میں ہاتھ میں خنجر کھنچا ہوا

اب ذبح کرکے شوق سے آزاد کیجیے — قدموں پر آپ کے ہے مرا سر جھکا ہوا

روؤگے بے ثباتی حُسنِ شباب پر — اُترا کہیں جو سر سے یہ نشہ چڑھا ہوا

لینا کسی کی جان اُنھیں مشق ناز تھا — میں مبتلائے عشق شہیدِ وفا ہوا

باہر نکل کے دیکھو خدا جانے کون ہی — بے حس تمھارے در کے مقابل پڑا ہوا

کیونکر رقیب واقف اسرار ہو گیا — اُس سے پیامبر تو نہیں ہے ملا ہوا

قاصد جب اُن سے کہنے لگا سرگزشت قیس
بولے کہ سر نہ کھا ہے یہ قصّا سنا ہوا

دیکھ اے دل تجھے گیسو کا جو سودا ہوگا — غیر تو غیر ہے اپنا بھی نہ اپنا ہوگا

یہ تو مانا کہ میں مرجاؤں تو اچھا ہوگا
مرنے پر بھی نہ ملا چین تو پھر کیا ہوگا

میرے رونے سے زمانہ تہ وبالا ہوگا
موج زن آنکھوں سی اشکوں کا وہ دریا ہوگا

دیکھے گا قاصد اگر آپ کو سکتا ہوگا
اور پیغام زبانی میں وہ گونگا ہوگا

اپنی صورت کا جو شخص آپ ہی شیدا ہوگا
اُس کے دربار میں کیا دخل کسی کا ہوگا

اُکے مقتل میں جو وہ محو تماشا ہوگا
سرفروشوں کا بڑی دھوم سے میلا ہوگا

حسن کا تیرے مرے عشق کا غوغا ہوگا
جا بجا اب تو اِنھیں دونوں کا چرچا ہوگا

اے فلک بہر خدا تو ہی بتادے اتنا
اور بھی سوختہ قسمت کوئی ہمسا ہوگا

مجھکو محروم نہ رکھ وصل کی شب ای ظالم
کہ مرے ساتھ عبث خون تمنّا ہوگا

ہم نے کیوں مفت محبّت میں سر اپنا پھوڑا
ہائے اُس بُت کا تو ماتھا بھی نہ ٹھنکا ہوگا

وعدۂ وصل اُنھیں یاد دلانا ہی عبث
ہاں جو ہے میرے مقدر میں تو پورا ہوگا

شیشۂ دل میں نہ دو گردِ کدورت کو جگہ
پھر کبھی صاف نہ ہوگا جو یہ میلا ہوگا

کیا غضب ہی وہ نکلتے نہیں گھر سی باہر
کہتے ہیں مجھ کو کہیں گھات میں بیٹھا ہوگا

سارے اعدا جو بنیں دوست تو یہ ممکن ہی
مجھ سے لیکن فلکِ پیر نہ سیدھا ہوگا

آنکھ ٹھہرے گی بھلا کس کی تنِ نازک پر
حُسن پر نور ترے حق میں دوپٹّا ہوگا

کوسنے دیتے ہو جس طرح بگڑ کر مجھ کو
سچ کہو غیر کو بھی یوں کبھی کوسا ہوگا

بدگمانی کا بُرا ہو اُنھیں یہ رٹ ہے لگی
روزنِ در سے کسی نے مجھے جھانکا ہوگا

آج تو آؤ ذرا لطف اُٹھائیں ہم تم
کل جب آئے گی سمجھ لیں گے جو ہوگا ہوگا

دس جگہ شکوۂ بے سود سے حاصل مطلب
کیا کہیں کس سے کہیں کون ہمارا ہوگا

لاکھوں عاشق آرِنی کہتے ہوئے دوڑینگے
غیرتِ طور ترے جلوے سے کوٹھا ہوگا

جیتے ہیں ہم تو سمجھ لیں گے کسی دن آخر
بھولے چوکے تو کبھی ساتھ تمھارا ہوگا

کیوں ہوئے گرم رہِ وادیِ ایمن موسیٰ
تھی طلب جس کی وہ دل ہی میں تو رہتا ہوگا

رحم تو کچھ بھی نہ آیا مرے مرنے پر انھیں
اُلٹے بولے کہ وہ مکّار رہے جیتا ہوگا

قسمیں کھایا کرو کب مجھ کو یقیں آتا ہے
دل مرا پھانس کے زلفوں ہی میں رکھا ہوگا

کوئی شئے دل میں کھٹکتی ہے مثالِ پیکاں
شاید اُس نے نگہِ ناز سے گھورا ہوگا

صورتِ طفل نکل کر نہ مچلتے آنسو
اپنی نظروں سے مگر تم نے گرایا ہوگا

چُپکے چُپکے نہیں بے وجہ یہ رونا اے قیسؔ
پھر کسی پردہ نشیں کو کہیں دیکھا ہوگا

شکایت اپنی سمجھا یار رقیبوں کا گلا سمجھا
میں ہوں شرمندۂ فریاد کیا جانوں وہ کیا سمجھا

لگانا دل حسینوں سے اگر میری خطا سمجھا
تو بیشک ناصحِ ناداں غلط سمجھا بُرا سمجھا

ستم کو ناز۔ تیری گالیوں کو میں ادا سمجھا
نگاہیں خشمگیں دیکھیں تو اندازِ حیا سمجھا

تو دل کی آرزو کوئی نہ دل کا مدعا سمجھا
بتا پھر کیونکر اس کو آپ پر آیا ہوا سمجھا

بہارِ خندۂ دنداں نما کی دیکھ کر شوخی
چمن کو اک کرشما فیضِ حسنِ یار کا سمجھا

بناتے ہر کس و ناکس کو ہم کیوں رازداں اپنا
سنائی سرگزشتِ غم جسے درد آشنا سمجھا

مری بیچارگی تو ساری دنیا میں مسلّم ہے
تمھیں کیا کہہ رہی ہیں لوگ تم نے کچھ سنا سمجھا

کہانی غیر کی بھی سُن کے آنسو ہو گئے جاری
جب آیا ذکرِ درد انگیز اپنا ماجرا سمجھا

ملی گردن جھکاتے ہی مجھے دیدار کی لذت
دلِ پُر شوق کو آئینۂ گیتی نما سمجھا

ترے ہاتھوں سے اُڑ جائیگی میری خون کی لالی
اسے بھی کیا تو اے قاتل کوئی رنگِ حنا سمجھا

کمالِ جذب نے باقی نہ رکھا فرق دونوں میں
ہم اُن کو دلربا سمجھے وہ ہم کو دلربا سمجھا

قیامت ہے اُسی کا برسرِ پرخاش ہو جانا
جسے میں چارہ ساز اپنا جسے مشکل کشا سمجھا

نہ کچھ اپنے ارادوں ہی پر اب تک روشنی ڈالی
نہ میرا درد ہی وہ بانیِ جور و جفا سمجھا

نظر آتی ہے مجھ کو شانِ وحدت عینِ کثرت میں
کہ دیکھا جس کو تیرا جلوۂ صبر آزما سمجھا

تسلی بخش باتوں سے دلِ زار اور اُلجھتا ہے
تھکے سمجھا کے ہم اب تو ہی اِسکو اے خدا سمجھا

نیاز و ناز کے پردے میں تھا اک رازِ سربستہ
نہیں اُس کی غرض سمجھا نہ وہ مطلب مرا سمجھا

چلے گی دوسروں پر کس طرح تیری مسیحائی
مرض جب اپنے ہی بیمارِ غم کا لادوا سمجھا

نہ آنا تھا نہ آیا راہ پر گو لاکھ سر پٹکا
نہیں معلوم کیا مطلب مرا وہ بے وفا سمجھا

نکالی ہے یہ تدبیر اپنی محفل سے اُٹھانے کی
اشارا ہو رہا ہے جو عدو سے برملا سمجھا

حصولِ مدعا میں دربدر کی ٹھوکریں کھائیں
تعجب ہے کہ قیس اغیار کو حاجت روا سمجھا

شورِ محشر ترے کوچے میں جو برپا نہ ہوا
رازِ پوشیدہ رہا شکر ہے افشا نہ ہوا

کیوں دلِ زار کسی اور کا شیدا نہ ہوا
اُس کی زلفوں میں پھنسا جا کے یہ اچھا نہ ہوا

دُور ہی دُور سے ہم تیری بلائیں لیتے
مائلِ سیر تو کیوں اے چمن آرا نہ ہوا

کون سے دن نگہِ ناز کی برچھی نہ چلی
کب گلی میں تری بسمل کا تماشا نہ ہوا

ہچکیاں لے لے کے مرتے رہے مرنے والے
لیکن افسوس تو دمساز کسی کا نہ ہوا

صورتِ شمع میں رو رو کے پگھلتا کیوں ہوں
کیا سزاوار تری بزم میں ہمنسا نہ ہوا

زندگی چین سے اے یار بسر کیا ہوتی
تو ہی جب شاہدِ آغوشِ تمنّا نہ ہوا

تشنہ لب خستہ جگر بے دل و رسوائے جہاں
چاہنے والوں میں تیرے کوئی ہمسا نہ ہوا

کہکے معشوق تھیں میں ہی خطاوار بنا
ظلم مجھ پر جو کیا تم نے وہ بیجا نہ ہوا

لب ہلانے کی نہ دی مجھ کو ادب نے رخصت
شکل تصویر کسی طرح میں گویا نہ ہوا

رنج میں غیر سے کیا خاک توقع ہوگی
دوست دل سا بھی کسی وقت جب اپنا نہ ہوا

لاکھوں ہی جمع ہیں گم کردۂ مقصود یہاں
عرصۂ حشر ہوا دامنِ صحرا نہ ہوا

داغ پیہم سے رہا دل میں اندھیرا چھایا
تیرے ہی گھر میں ترے دم سے اُجالا نہ ہوا

سیل گریہ کی ہو کیا تجھ کو حقیقت معلوم
جلوہ فرما تو کسی دن لبِ دریا نہ ہوا

عدم آباد میں آئے تھے کہ جی بہلے گا
ہائے دیکھا تو یہاں کوئی شناسا نہ ہوا

کرلیا کام مرے شوقِ نظر نے اپنا
مانعِ دید رُخِ یار کا پردا نہ ہوا

لے اُڑی مجھ کو صبا نکہتِ گل کی صورت
صدقے اے ضعف کہ احسان احبّا نہ ہوا

حلق سے اُتری مے ناب ہلاہل بنکر
ہجر میں وجہ طرب ساغر و مینا نہ ہوا

لوگ سمجھے تھے علاجِ مرضِ عشق اسے
مرہمِ زخمِ جگر طعنۂ اعدا نہ ہوا

چارہ سازوں نے تو سو طرح کی تدبیریں کیں
رو بہ صحت کبھی بیمار تمھارا نہ ہوا

قیس نے جان محبّت میں تڑپ کر دیدی
اور منّت کش اعجاز مسیحا نہ ہوا

افسردگیِ دل نے عجب کچھ مزا دیا
جامِ شرابِ یار نے بھر کر پلا دیا

تم کو اگر خدا نے دلِ پر جفا دیا
مجھ مست دردِ عشق کو پاسِ وفا دیا

پردا جو روئے یار سے تو نے اٹھا دیا
اے شوق دید کام ہمارا بنا دیا

مضمون اضطراب نے اُسکو رُلا دیا
قاصد نے خط شوق جو پڑھکر سنا دیا

ناحق تجھے دل اے بتِ نا آشنا دیا
بیٹھے بٹھائے خاک میں اس کو ملا دیا

بجلی گرائی خرمن ہوش و حواس پر
کیوں دیکھ کر وہ میری طرف مسکرا دیا

کس گل کے سوز عشق نے پھونکا تمام تن
قصرِ بدن میں کس نے یہ شعلا لگا دیا

شوقِ وصال یار میں اے اضطراب دل
آہوں سے تو نے فتنۂ محشر جگا دیا

تھیں حسرتیں وصال کی دل میں بھری ہوئیں
کچھ کہکے مجھ کو خواب اجل نے سُلا دیا

مانا کہ تم کو غیر کی خاطر عزیز تھی
لیکن یہ کیا کیا جو مرا دل دُکھا دیا

عقل و حواس و ہوش و خرد سب جدا ہوئی
اے مست ناز تو نے وہ بیخود بنا دیا

اے پند گو ہزاروں کے سر کھا گیا ہے تو
خطِ جبیں کسی کا نہ تو نے مٹا دیا

کیا خوش ہیں پیک تھوک کے میری مزار پر
گویا شہید لب کا ہی خوں بہا دیا

میں کیا کروں شکایت یاران ہم وطن
آنکھوں سے دور ہوتے ہی دل سے بھلا دیا

میری شبِ فراق میں بیتابیاں نہ پوچھ
رُو رُو کے خفتگانِ عدم کو جگا دیا

کھلتا نہیں ہے یار کی آزردگی کا راز
یا رب یہ کیا رقیب نے فقرا جما دیا

بے ربط چھیڑ چھاڑ سے اُن کی شبِ وصال
دل تنگ میں ہوا تو مجھے گدگدا دیا

اُٹھا میں بزمِ یار سے جب دل کو تھام کر
اغیار نے بھی دیکھ کے آنسو بہا دیا

کیا کیا ہجومِ آہ نے کیں سر بلندیاں
عرشِ بریں کو گاہ فلک کو ہلا دیا

اُس بے وفا سے لطف بڑھا کر ہزار حیف
دل کا جگر سے مفت میں جھگڑا بڑھا دیا

دل تو مریضِ عشق خدا نے دیا ہی تھا
معشوق بھی دیا تو بڑا بے وفا دیا

رو رو کے سوزِ غم سے حسینوں کی یاد میں
آنکھوں نے میری خون کا دریا بہا دیا

حیران ہوں کہ تو نے رقیبوں کی بات پر
نظروں سے مثلِ اشک مجھے کیوں گرا دیا

منظور تھیں اُنھیں جو ہماری خرابیاں
بعد از فنا نشان لحد تک مٹا دیا

کیا خاک جبیں ہو پس مردن کہ وقتِ دفن
بندِ کفن کو کھول کے مکھڑا دکھا دیا

برگشتگی تو میرے مقدر کی دیکھیے
پہلوئے یار سے مجھے کیونکر اُٹھا دیا

اے ناخنِ جنوں میں ترا شکر کیا کروں
لب بند زخم جب ہوئے تو نے ہنسا دیا

اُس غیرتِ مسیح نے بعد از فراق روح
بوسہ لبوں کا دے کے مجھے پھر جلا دیا

کس کی مئے شباب کے اے قیس مست ہو
کس رشکِ ماہ نے تمھیں جلوا دکھا دیا

بارِ دمِ اعجاز مسیحا نہ اُٹھے گا
مر جائیں ہم احسان کسی کا نہ اُٹھے گا

معشوقِ ستم پیشہ کا غمزا نہ اُٹھے گا
دوڑ اے ملک الموت یہ صدمہ نہ اُٹھے گا

تم وعدہ وفا حشر میں کس طرح کروگے
کیا اور کوئی چاہنے والا نہ اُٹھے گا

ہر وقت رہیں گی جو حسینوں کی جفائیں
کیوں دل خلشِ درد سے چلّا نہ اُٹھے گا

نکلے ہو ٹہلنے کو عبث کھول کے جُوڑا
نازک ہے کمر زلفوں کا جھونکا نہ اُٹھے گا

غیروں سے رہے گی جو اسی طرح لگاوٹ
فرمائیے کیونکر مجھے غصّا نہ اُٹھے گا

بیٹھا ہے ڈھئی دے کے ترے در کے مقابل
اب لاکھ اُٹھائے کوئی بندا نہ اُٹھے گا

آجائے قیامت بھی تو قدموں سے تمھارے
میرا سرِ شوریدہ سودا نہ اُٹھے گا

طعنے دیں مجھے خواہ کریں لوگ ملامت
پریوں کی محبّت سے دل اپنا نہ اُٹھے گا

ہرگز نہ مزے وصل کے ہونگے مجھے حاصل
جب تک یہ بغل سے تری تکیا نہ اُٹھے گا

ہے زور کلائی میں تو سر خود ہی اُڑادو
دشمن سے مرے قتل کا بیڑا نہ اُٹھے گا

اے آہ رسا حُسن رخِ یار دکھادے
بے تیرے کسی اور سے پردا نہ اُٹھے گا

رندان قدح نوش میں آبیٹھے ہیں زاہد
تا حشر اب اس در سے مصلّا نہ اُٹھے گا

آیا ہے کوئی تشنۂ دیدار تمھارا
سرچشمۂ حیواں سے یہ پیاسا نہ اُٹھے گا

دن رات کرے کون امیروں کی خوشامد
کملی کی جگہ مجھ سے دوشالا نہ اُٹھے گا

دفنا دو مری لاش تم اپنی ہی گلی میں
بھاری ہے یہ دو لاکھ سے مُردا نہ اُٹھے گا

پہلو میں دل اُس شوخ ستمگر سے چھپا کر
انصاف یہی ہے کہ تقاضا نہ اُٹھے گا

دل بیچنے اے قیس کہاں لے کے چلے ہو
بازار محبّت میں یہ سودا نہ اُٹھے گا

ول پر بہت آیا گیا — تجھ پر آتے ہی نہیں معلوم کیوں مرجھا گیا

ب لبوں تک آ گیا — اپنی رسوائی کے ڈر سے وہ پری تھرّا گیا

آمادۂ فریاد تھا — کچھ ترا پاسِ ادب لیکن مجھے سمجھا گیا

ے دل میں ازل سے عشق نے — موہنی صورت جہاں آئی نظر للچا گیا

سے کھلا ملکِ عدم کا راستا — تا لحد مجھ کو ہجومِ آرزو پہنچا گیا

رت ملے جس میں وہ باتیں کیجئے — سرگزشتِ غیر سنتے سنتے جی گھبرا گیا

ان کے گلوں پر وہ تنک کر بول اُٹھے — تھا اِسی دل پر سارا حوصلا دیکھا گیا

ا جشنِ طرب کی پہنچی کانوں میں صدا — تیری بزمِ عیش کا آنکھوں میں نقشا چھا گیا

ے میں بھی دیکھ کر میں چونک اُٹھا خوف سے — گیسوئے پُرپیچ گویا سانپ تھا لہرا گیا

م میرا سنتے ہی گردن جھکا لی یار نے — بات کچھ گزری ہوئی یاد آ گئی شرما گیا

جھوٹے وعدے ہی اگر باور کرانا تھے تجھے — غیر کے ہوتے مرے سر کی قسم کیوں کھا گیا

کوئی برچھی کی انی تھی یا ترا تیرِ نظر — جو مرے سینے میں آ کر دل جگر برما گیا

میری تربت پر اثر ناکامیوں کا دیکھئے — جو کوئی گزرا اِدھر سے اشکِ غم برسا گیا

تیری ہی سی شوخیاں تیرے تصور میں بھی ہیں — جب کبھی آیا تو بسمل کی طرح تڑپا گیا

بے سبب ہرگز نہیں یہ شادمانیٔ قیس کی
کچھ سراغِ خاطرِ گم گشتہ شاید پا گیا

شوخیوں نے کیا کیا شرم و حیا نے کیا کیا — کیا کہوں میں یار کی کس کس ادا نے کیا کیا

ذبح کرنے کو مرے میٹھی چھری درکار تھی ۔ ڈال کر ابرو میں بل اُس بے وفا نے کیا کیا
سنتے سنتے شوق دل گھبرا کے وہ بُت اُٹھ گیا ۔ عین موقع پر یہ طولِ مدعا نے کیا کیا
آرہے تھے وہ مگر شرما کے اُلٹے پھر گئے ۔ یہ اثر یارب شبِ غم کی دعا نے کیا کیا
تجھ کو آپ انصاف کرنا تھا نیاز و ناز کا ۔ عاجزی نے میری یا تیری جفا نے کیا کیا
ڈھونڈتا پھرتا ہوں لیکن کچھ پتا ملتا نہیں ۔ دل چُرا کر یار کی زلفِ دوتا نے کیا کیا
آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر غش کر گئے ۔ سحر اُنھیں پر اُن کے حُسنِ جانفزا نے کیا کیا
آئے تھے دشمن کے ماتم کا بہانا کر کے وہ ۔ نام میرا لے کے ظلم اہلِ عزا نے کیا کیا
اُس کے کوچے سے ہماری خاک اُڑا کر لے گئی ۔ یا الٰہی یہ ستم بادِ صبا نے کیا کیا
مجھ کو پہنچایا حقیقت تک بتوں کے عشق نے ۔ اپنی کہہ ناصح کہ تیرے اتقا نے کیا کیا
بیٹھ جانا ایکدم لازم نہ تھا جی ہار کے ۔ جادۂ الفت میں دل سے رہنما نے کیا کیا
یار کے دل میں نہ پیدا کر سکی کوئی اثر ۔ عرش تک جا کر مری آہِ رسا نے کیا کیا
کھل گئی ہاتھوں میں سب لالی ہماری خون کی ۔ پردہ اس پر ڈال کے رنگِ حنا نے کیا کیا
عرصۂ محشر میں معنی خیز ہے میرا سکوت ۔ کہتے ہیں اترا کے وہ روزِ جزا نے کیا کیا
میرے پہلو سے وہ اٹھ کر جا ملے کیوں غیر سے ۔ آگری بجلی سی مجھ پر یہ خدا نے کیا کیا

منتیں کرتا ہے تو اے قیس کس بے رحم کی
آجتک تیری ہزاروں التجا نے کیا کیا

آئی پیری سب جوانی کا مزا جاتا رہا ۔ صبح کا سونا ٹہلنا شام کا جاتا رہا

تھا شریکِ حال اچھا یا بُرا جاتا رہا
میرے پہلو سے دلِ درد آشنا جاتا رہا

اُن کے آتے ہی شبِ غم کی سیاہی مٹ گئی
کنجِ تنہائی کی ظلمت کا گلا جاتا رہا

واعظوں کی پارسائی میں بھی رخنے پڑ گئے
حُسن پر مرنے لگے وہ اتقا جاتا رہا

ڈھونڈتا پھرتا تو ہوں میں کچھ مگر اے بیخودی
یہ نہیں معلوم کیا تھا اور کیا جاتا رہا

مجمعِ حسن و وفا تھے وہ نہ تھا جب تک شعور
جب شعور آیا تو اندازِ وفا جاتا رہا

سرد مہریِ فلک نے خوب ٹھنڈا کر دیا
حوصلا جو کچھ ہمارے دل میں تھا جاتا رہا

جان دیکر آپ ہی میں نے کیا اپنا علاج
موت کے حیلے سے دردِ لا دوا جاتا رہا

میرے دشمن کے لہو میں ہاتھ وہ کیونکر رنگیں
ذبح مجھ کو کر چکے شوقِ حنا جاتا رہا

بیٹھ کر اغیار میں کُھل کھیلنا اچھا نہیں
طعنے دیں گے لوگ اگر پاسِ حیا جاتا رہا

تھا بغل میں دل تو دل میں تھا ہجومِ آرزو
دل گیا کیا دل کا سارا مدعا جاتا رہا

حشر کیوں برپا نہیں ہو کوچۂ سفاک میں
توڑ کر دم کشتۂ تیغِ ادا جاتا رہا

دشمنوں کا ہو برا ایسی پڑھائیں پٹیاں
نامہ و پیغام کا بھی سلسلا جاتا رہا

آپ سرگرمِ جفائے ناروا کیونکر ہوئے
کیا خیالِ پرسشِ روزِ جزا جاتا رہا

وہ نگاہِ مست ساقی نے مجھے بیخود کیا
عمر بھر کا شکوۂ جور و جفا جاتا رہا

جھانک لینا جو سہارا دید کا تھا وہ بھی اب
روزنِ دیوار کے ساتھ اے خدا جاتا رہا

جس سے کچھ ملتا ٹھکانا جلوہ گاہِ یار کا
ہاتھ سے وہ طائرِ قبلہ نما جاتا رہا

جھوٹے وعدوں کی بھی لذت کھوئی ایک انکار نے
مدتوں کا جو بندھا تھا آسرا جاتا رہا

دل کے قابو سے نکل جانے کا شکوا سنکے وہ ‌ ‌ ہنسکے بولے کیا ہوا جاتا رہا جاتا رہا
شکر ہے اتنا تو میرے منع کرنے سے ہوا ‌ ‌ سب سے ہنسنا بولنا وہ برملا جاتا رہا

مرگِ قیسِ ناتواں پر اُسنے خوش ہو کر کہا
تھا وبالِ جاں مجھے اچھا ہوا جاتا رہا

کب حشر مرے نالوں سے برپا نہیں ہوتا ‌ ‌ کس روز بُرا حال جگر کا نہیں ہوتا
شوخی نہیں ہوتی ہے کہ غمزا نہیں ہوتا ‌ ‌ سامان مرے قتل کا اب کیا نہیں ہوتا
دل ہی نہیں جس دل میں نہ ہو تیری تمنّا ‌ ‌ سر ہی نہیں جس سر میں یہ سودا نہیں ہوتا
انداز حسینوں کے ہیں دنیا سے نرالے ‌ ‌ جی لاکھ ستم کرکے بھی ٹھنڈا نہیں ہوتا
موقع مجھے کیوں کر ملے اظہار غرض کا ‌ ‌ وہ شوخ کسی وقت اکیلا نہیں ہوتا
بے سود طبیبوں کو ہے کیوں فکر مداوا ‌ ‌ بیمار محبّت کبھی اچھا نہیں ہوتا
جو کچھ کہ ہوا معرکۂ عشق میں ہم پر ‌ ‌ انصاف یہ کہتا ہے کہ ایسا نہیں ہوتا
ہنگامۂ محشر ہیں تری نازکی چالیں ‌ ‌ کب اِن سے زمانا تہ و بالا نہیں ہوتا
ہے صرف مجھی سے یہ حیا اور یہ گھونگٹ ‌ ‌ غیروں سے تو یہ شرم یہ پردا نہیں ہوتا
تم نوک مژہ سے جو نہ برماتے مرا دل ‌ ‌ آنکھوں سے رواں خون کا دریا نہیں ہوتا
ہو کشمکشِ درد سے کیا مشکل رہائی ‌ ‌ جب چارہ گرِ دل وہ مسیحا نہیں ہوتا
حور اور پری حُسن میں ہر ایک کو دیکھا ‌ ‌ یہ رنگ یہ روپ اور یہ نقشا نہیں ہوتا
کوچے میں ترے کشتۂ بے دل کی تڑپ کا ‌ ‌ ہے کون دن ایسا کہ تماشا نہیں ہوتا
رکھّے کوئی ہمسایوں سے کیا خاک توقع ‌ ‌ دل کا کبھی ہمدرد کلیجا نہیں ہوتا

رندوں میں ہی چھائی ہوئی اے قیس اُداسی
کیوں شغل مے و ساغر و مینا نہیں ہوتا

میں جو تم پر فدا نہیں ہوتا
موردِ صد بلا نہیں ہوتا

یار اگر دلربا نہیں ہوتا
نام بھی عشق کا نہیں ہوتا

تجھ سے ہونے کو کیا نہیں ہوتا
ہاں مرا فیصلا نہیں ہوتا

دل لگی دل لگی نہیں رہتی
دل سے دل جب ملا نہیں ہوتا

ہجر کی شب بلا نصیبوں کا
کوئی درد آشنا نہیں ہوتا

کیا یقین آئے لاکھ وعدوں پر
ایک بھی جب وفا نہیں ہوتا

چارہ سازی اگر نہ تھی منظور
قصۂ غم سُنا نہیں ہوتا

دام گیسو جو تم نہ پھیلاتے
میں اسیر بلا نہیں ہوتا

کوئی بھی جادۂ محبّت میں
عشق سا رہنما نہیں ہوتا

عرض کرنے کو مدعا اپنا
چاہتا ہوں ادا نہیں ہوتا

اُف ری بے تابیِ شبِ فرقت
ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا

تم اگر لطف کی نظر کرتے
بخت بد کا گِلا نہیں ہوتا

بے ترے کس طرح قرار آئے
صبر اے مہ لقا نہیں ہوتا

میں ترے ظلم ناروا پر بھی
شکوہ سنجِ جفا نہیں ہوتا

وصل میں غیر لذتِ دیدار
اور کچھ مدعا نہیں ہوتا

کیا ہمارے سوا ستم تیرا
چارہ سازان درد و غم کیلئے
تو ہے فریاد رس غریبوں کا
دیکھے ہیں دل تمہیں قیامت تک

دشمنوں پر روا نہیں ہوتا
یہ مرض لا دوا نہیں ہوتا
دوسرا اے خدا نہیں ہوتا
رنج میں مبتلا نہیں ہوتا

عشق کا ذکر وہ بھی غیروں میں
قیس یوں برملا نہیں ہوتا

اسی کے ہاتھوں میں یوں خستہ و خراب ہوا
میں قسمتوں سے کسی دن جو باریاب ہوا
شبِ وصال ہے دونوں میں خوف محرومی
بہانہ تیر قضا کا ہے ورنہ اے ظالم
یہ محویت کے کرشموں سے اک کرشمہ ہے
بہار موسم گل آتے ہی گری بجلی
بُرا ہوا جو کیا ہم نے ظلم کا شکوا
کہیں بھی کوئی وفا آشنا نہیں ملتا
سبب بتاتے وہ کیا میرے ذبح کرنیکا
بنی ہے جس سے جو شئے مٹ کے پھر وہی ہوگی
حصول دولت پابوس کی تمنّا میں

بغل میں دل نہ ہوا جان کا عذاب ہوا
مرے حسد سے فلک جل کے کیوں کباب ہوا
اِدھر حجاب ہوا یا اُدھر حجاب ہوا
ہماری جان کا دشمن ترا شباب ہوا
کہ ذرّے نور ہوئے نور آفتاب ہوا
اسیر کنج قفس کو وہ اضطراب ہوا
ہمیں جلا کے تمہیں کون سا ثواب ہوا
الٰہی کیا یہ زمانے کو انقلاب ہوا
سکوت لاکھ جوابوں کا اک جواب ہوا
بنا جو پانی سے پانی ہی پھر حباب ہوا
ہلال عید بھی ہم قالبِ رکاب ہوا

بڑی کریم ہے درگاہ میرے داتا کی
عطا ہوا مجھے جو کچھ وہ بے حساب ہوا

فقیر میکدہ بن کر رہیں گے اے ساقی
نصیب ہم کو اگر ساغرِ شراب ہوا

طریق عشق میں قسمت کی ہے یہ نیرنگی
کسی سے بگڑی مگر قیس پر عتاب ہوا

پیری میں آکے ہم نے یہ انقلاب دیکھا
یاد آئی جب جوانی سمجھے کہ خواب دیکھا

دن بھر کی بیقراری شب بھر کی آہ وزاری
دل دیکے اے ستمگر کیا کچھ عذاب دیکھا

غم ہو کہ عیش و راحت دو دن کی زندگی میں
قسمت نے جو دکھایا وہ انتخاب دیکھا

کچھ مدعا سمجھ میں اے نامہ بر نہ آیا
سو بار اُلٹ پلٹ کر خط کا جواب دیکھا

بیجا نہیں تھی ہرگز موسیٰ سے لن ترانی
جلوا ترا کسی نے کب بے حجاب دیکھا

بحرِ جہاں میں دم بھر عبرت سے جب نظر کی
ہستی کو اپنی ہم نے مثلِ حباب دیکھا

جس عشق و عاشقی کو سمجھے تھے دل کی رونق
افسوس ہے اُسی کو خانہ خراب دیکھا

فتنا بھی ہے۔ بلا بھی۔ آفت بھی ہی۔ ستم بھی
سرمایۂ قیامت تیرا شباب دیکھا

لکھے کو قسمتوں کے ممکن نہیں مٹانا
سب ناصواب ٹھہرا جس کو صواب دیکھا

پہلو میں رکھکے ہم نے راحت کبھی نہ پائی
کمبخت دل کو ہر دم پُر اضطراب دیکھا

دشوار شرم سے تھا ہم سے نظر ملانا
غیروں کے ساتھ لیکن گرمِ خطاب دیکھا

کھٹکا میں خار بن کر آنکھونمیں حاسدونکی
جس دم اُنھوں نے مجھپر لطفِ جناب دیکھا

ہے جور بھی وفا بھی طرز و ادا میں تیری
گاہے عذاب دیکھا گاہے ثواب دیکھا

لاکھوں حسین دیکھے ہر گوشۂ جہاں میں	لیکن کہیں نہ اب تک تیرا جواب دیکھا

دعوائے پارسائی پھر یہ غضب خدا کا
اے قیسؔ تجھ کو اکثر مستِ شراب دیکھا

رہ رہ کے یاد آتے ہیں لطفِ شباب کیا
پیری میں دیکھتا ہوں جوانی کا خواب کیا

سہتا ہوں کوئے یار میں رنج و عذاب کیا
جنّت میں آکے بھی نہ ملے گا ثواب کیا

تھم تھم کے آج بڑھتے ہیں کیوں میرے دست شوق
کھولیں گے روئے یار سے بندِ نقاب کیا

اے شیخ ہم تو ایک ہی زمانے کے رند ہیں
کہیئے تو میکدے کو گئے تھے جناب کیا

چھن چھن کے آرہی ہی تمھاری شعاع حسن
پردے میں چلمنوں کے چھپے آفتاب کیا

فتنے جگائیں گی تری محشر خرامیاں
چالوں کا تیری ہوگی قیامت جواب کیا

مجبور ہیں کشاکشِ بیچارگی سے ہوں
دیتا ہے رنج اے دل خانہ خراب کیا

رات اُن سے عرض حال کی جرأت نہو سکی
تیوری چڑھی ہوئی تھی میں کرتا خطاب کیا

ہیں جنکے آگے نور کے پردے پڑے ہوئے
دکھلائیں گے کسی کو رُخِ بے حجاب کیا

یہ کیا کہا کہ چن لو کوئی دوسرا حسیں
ہے کون تیرے مثل کروں انتخاب کیا

سیلاب آنسوؤں کا ہیں دن رات کیوں رواں
طوفان اُٹھائے گی مری چشمِ پُرآب کیا

لکھا ہے میں نے حال دل اپنا ذرا ذرا
دیکھوں وہ لکھتے ہیں مرے خط کا جواب کیا

مضمر ہے میرے ہر نفسِ سرد میں فنا
نقشِ حیات صورت نقشِ حباب کیا

تھی میری زندگی تری رحمت کی آس پر
محشر میں اے خدا یہ حساب و کتاب کیا

مقتل میں اپنی تیغ کے جوہر دکھایئے
میں سربکف ہوں آپ کو ہے اضطراب کیا

ہوتے کبھی عدو بھی سزاوارِ مشقِ ظلم
بے وجہ بار بار مجھی پر عتاب کیا

رکھتے نہیں ہو آج قدم کیوں زمین پر
اے قیسؔ مغبچوں نے پلائی شراب کیا

اس سن میں اگر عشق پری زاد نہ کرتا
یوں مفت جوانی کو میں برباد نہ کرتا

مجھ کو تو اگر مورد بیداد نہ کرتا
میں شکوہ نہ کرتا کبھی فریاد نہ کرتا

جو کام مرے ساتھ کیا تیغ ادا نے
شاید وہ کبھی خنجرِ فولاد نہ کرتا

میں یار سہی ہوں دو رتھیں وصل کی لذت
کیوں رشک میں ای قمری وشمشاد نہ کرتا

وہ شکوۂ بیداد کو سنتے ہی یہ بولے
لو اس سبقِ کہنہ کو اب یاد نہ کرتا

اُس شوخ نے شیریں کی ادائیں جو اڑائیں
میں کیوں ہوسِ تیشۂ فرہاد نہ کرتا

ہوتا ستم وجور کے سہنے میں جو کامل
گھبرا کے میں عزمِ عدم آباد نہ کرتا

لب پر کبھی ہم آہ وفغاں آنے نہ دیتے
بے چین اگر یہ دل ناشاد نہ کرتا

مجنوں کو مرے طوق وسلاسل کی ہے خواہش
کیوں جستجوِ خدمت حدّاد نہ کرتا

دل تھام کے وہ میری طرف کاہے کو آتی
فرقت میں اگر والب فریاد نہ کرتا

کچھ ربط اگر ابروِ جاناں سے نہ ہوتا
منت کشیِ خنجرِ جلّاد نہ کرتا

اس سمت نہ آتا وہ کبھی فاتحہ پڑھنے
مرقد میں شب وروز جو میں یاد نہ کرتا

کرتا وہ اگر قتل تو یہ تھا مجھے منظور
ہر دم ستمِ نو مگر ایجاد نہ کرتا

آئی ہے بہار اور میں ہوں قید قفس میں
اس فصل میں یہ ظلم تو صیّاد نہ کرتا

ہوتا جو ذرا دعویِ الفت میں تو صادق
در پردہ کبھی یوں ستم ایجاد نہ کرتا

چھوٹا بھی اگر کنج قفس سے تو خزاں میں
کیوں شور و فغاں مرغ نو آزاد نہ کرتا

مجبور نہ ہوتا جو ترے جور و جفا سے
ہر شخص سے میں خواہش امداد نہ کرتا

استاد سمجھتا میں تجھے حلم و وفا میں
مجھ پر جو تو مشقِ فن بیداد نہ کرتا

مدت سے ہے دل میں کششِ شہر مدینہ
یا رب یہ تمنّا مری برباد نہ کرتا

اے قیس اگر تابعِ فرمان نبی ہے
جز ذات خدا اور کو تو یاد نہ کرتا

اس قدر بیتابیاں اے خاطرِ ناشاد کیا
جو تجھے بھولا ہوا ہے اُس کی تجھکو یاد کیا

سخت جانی دیکھئے دکھلاتی ہے افتاد کیا
آج سُنوائے گی مجھ کو طعنۂ جلاّد کیا

ہم تو خود ہی ہیں نوا سنج اسیرانِ قفس
جال پھیلائے ہوئے ہی گھات میں صیّاد کیا

ہر گلِ تر پر ہے کیوں پژمردگی چھائی ہوئی
مثل بو اُڑتا ہے کوئی طائرِ آزاد کیا

جنبشِ ابرو تری کافی ہے میرے قتل کو
ڈھونڈتا پھرتا ہے ناحق خنجرِ فولاد کیا

زندگی بھر جب مجھے رکھا ہی تو نے بے مراد
حشر میں کوئی توقع تجھ سے اے فریاد کیا

رحم و ظلم اُسکے ہمارے حق میں دونوں ایک ہیں
پھر کہیں تو کیا کہیں ہم داد کیا بیداد کیا

پھوڑ کر سر جان دیدینا ہے خامی کی دلیل
میرے آگے دم بھرے گا عشق کا فرہاد کیا

جس کو ہو روزِ ازل سے خانہ ویرانی پسند
وہ ستم پیشہ کرے گا دل مرا آباد کیا

آدمی کو فکرِ عیش جاودانی چاہیئے
چند ساعت کی بہارِ گلشن ایجاد کیا

میرے نالوں کی صدا پر وہ جھجھک کر بول اُٹھی
اس طرف آتا ہے میرا خانماں برباد کیا

ایک قطرہ بھی لہو کا جسم لاغر میں نہیں
تشنگی اپنی بجھائے نشترِ فصّاد کیا

کچھ نظر رکھنا تھی ظالم کو مآلِ کار پر
دعوئِ بیجا عبث کرتا رہا شداد کیا

وجہ نازِ اے قیس ہوتا ہے فقط اپنا کمال
یہ نہیں تو قصّۂ شاگرد یا اُستاد کیا

اور کچھ تو نہ تجھے اے ستم ایجاد آیا
ہاں کچھ آیا تو فقط شیوۂ بیداد آیا

جب کہیں تذکرۂ حُسن خداداد آیا
چٹکیاں لینے کو دل میں وہ پریزاد آیا

منہ کو سو بار کلیجا دم افتاد آیا
پھر بھی شکوا نہ کوئی تا لب فریاد آیا

ہاتھ اُٹھانا ہی پڑے سوئے فلک آخر کار
اِس قدر تو نے ستایا کہ خدا یاد آیا

دیکھ اے جوش جنوں تیری کشش کے صدقے
اب قریبِ رگ جاں نشتر فصّاد آیا

آرزومند شہادت کے لیئے عید ہوئی
جب گلے مل کے قضا بولی کہ جلّاد آیا

زندگی بھر خلشِ دردسے راحت نہ ملی
رنج بھی ساتھ مرے صورت ہمزاد آیا

خوش ادائی سے مجھے دام میں لانیکے لیئے
ہاتھ میں ہاتھ دیئے گھات میں صیاد آیا

دیکھ کر میری طرف محوِ تبسّم کیوں ہو
کیا تمھیں اور کوئی تازہ ستم یاد آیا

دردِ الفت سے ہوئی نالوں میں ہلچل برپا
اُٹّھے تعظیم کو شاگرد جب اُستاد آیا

ہائے کمبخت کہاں آنکھ لڑائی تو نے
کس ستم پیشہ پر آج اے دلِ ناشاد آیا

داغ بے مایگیِ صبر لئے ماتھے پر
حشر کے دن صفِ عشاق میں فرہاد آیا

وشت کی سیر بھی وحشت نے چھڑائی مجھ سے
بیڑیاں پاؤں میں پہنانے کو حدّاد آیا

دیکھئے سوجھی ہے غیروںمیں طلب کرنیکی
میں اُنہیں یاد بھی آیا تو کہاں یاد آیا

میری گردن میں تھے درپردہ ہزاروں پھندے
گو بظاہر تری محفل سے میں آزاد آیا

پوچھنا چاہے کوئی تو مرے دل سے پوچھے
کیا مزا مجھکو تہِ خنجرِ جلّاد آیا

اے غمِ سوزِ دروں دل میں دھرا ہی کیا ہی
پھونکنے جس کو سوِ خرمنِ برباد آیا

جب کسی طرح کسی کا کوئی افسوں نہ چلا
دل لُبھانے کو ترا حُسن خدا داد آیا

جنبشِ ابروِ جاناں نے کیا قتل مجھے
آج مقتل سے خجل خنجرِ فولاد آیا

سو چکے حشر تک اب چین سے سونے والے
قیسؔ دل سوختہ سوئے عدم آباد آیا

شکر ہے تن سے جدا ہو کر جو میرا سر گرا
یاوری قسمت نے کی قاتل کے قدموں پر گرا

میں تجھے دل دے کے اے ظالم سرِ بستر گرا
تو نے اتنا بھی نہ پوچھا کیا ہوا کیونکر گرا

جب تمہاری زلفِ شبگوں سے کوئی گوہر گرا
سمجھے ہم بامِ فلک سے ٹوٹ کر اختر گرا

سخت جانی پر مری جھنجھلا کے اُس بےرحم نے
تیغِ ابرو کھینچ لی جب ہاتھ سے خنجر گرا

اُن کے آگے سجدہ کرنے کی تھی ایسی آرزو
مُنہ کے بھل سو سو طرح کھا کھا کے میں چکّر گرا

ناتوانی نے قدم چومے فضائے عشق میں
خاک پر جب نیم جاں میرا تنِ لاغر گرا

آتشِ سوزِ دروں نے اِس قدر پھونکا مجھے
اشک گرم آنکھوں سے جلکر صورتِ اخگر گرا

فیض ساقی سے کوئی رہنے نہ پایا ہوش میں
میں تو میں ہوں محتسب پی کر مے احمر گرا

تھا یہی میری خلش کے بڑھتے رہنے کا سبب
چاک زخمِ دل سے کیوں ٹوٹا ہوا نشتر گرا

چشم پُرنم قصرِ دل کی وجہ بربادی ہوئی
سیل گریہ کے تھپیڑوں سے خدا کا گھر گرا

کچھ نہ پوچھو مجھ سے کیونکر طے ہوئی الفت کی راہ
ٹھوکریں کھا کھا کے سنبھلا بارہا۔ اکثر گرا

یہ نزاکت اور اس پر یہ صفائی ہاتھ کی
وار کرتے ہی مری گردن سے سر کٹ کر گرا

بیخودی میں کیا کہوں مُنہ چوم لینے کا سبب
تشنگی غالب ہوئی آکر لبِ کوثر گرا

پانی پانی شرم سے ہے خضر کا سا رہنما
کس پری کی چاہ میں تو اے دلِ مضطر گرا

چوٹ کھا کر ہو رہا ہے شیشۂ دل چور چور
قیس پر یارب کہاں سے عشق کا پتھر گرا

تو جو غیروں کا طرفدار اے ستمگر ہو گیا
میں بھی نازک طبع ہوں تجھ سے مکدر ہو گیا

تیرے سوزِ ہجر میں جلنے کا خوگر ہو گیا
آتشِ فرقت میں گویا میں سمندر ہو گیا

فرطِ غم سے اِس قدر میں گُھل کے لاغر ہو گیا
خار سے بڑھ کر مجھے اب تارِ بستر ہو گیا

جوشِ وحشت میں اگر صحرا کی میں ذرا راہ لی
پاؤں کے ہر آبلے کو خار نشتر ہو گیا

وصل کی شب یار سے لپٹا جو فرطِ شوق میں
نکہتِ گل سے دماغ اپنا معطر ہو گیا

مست جامِ عشق کو کب رہنما درکار ہے
جادۂ کوئے بتاں میں دل ہی رہبر ہو گیا

نام رخصت جب لیا اُس شوخ نے صبحِ وصال
کثرتِ اندوہ و غم سے قلب مضطر ہو گیا

جب جوابِ خط کے لانے میں ہوئی قاصد کو دیر
طائرِ روحِ رواں اُڑ کر کبوتر ہو گیا

پہلوِ دشمن میں تو بیٹھا جو رات اے ماہرو — رحم اُس پر اور پُورا قہر ہم پر ہوگیا

وصل کی شب میں نے جب چوسا زبانِ یار کو — قطرۂ آبِ دہن قندِ مکرر ہوگیا

دھوم عالم میں جو اُس آئینۂ رُخ کی ہوئی — خاک میں خجلت سے پوشیدہ سکندر ہوگیا

محفل میں کس طرح بھاتی فراقِ یار میں — میرے ہاتھوں میں ہلاہل جامِ احمر ہوگیا

دیکھئے شیریں لبوں کے بوسوں کی تاثیر سے — زہر بھی میرے دہن میں آکے شکّر ہوگیا

دیکھکر جوبن ہمارے یوسفِ رخسار کا — خشک مرجھا کر چمن میں ہر گلِ تر ہوگیا

جب تری دانتوں کی آب و تاب کی دیکھی چمک — پانی پانی شرم سے اے یار گوہر ہوگیا

تھا گراں یہ بار سر اس سے سبکدوشی ہوئی — میری گردن پر بڑا احسان خنجر ہوگیا

ہے صدائے صور کیا پازیب کی جھنکار میں — تیرے آتے ہی جو برپا شورِ محشر ہوگیا

سچ کہو اے خفتگانِ خاک کیوں تم سو رہے — کس طرح تیغِ اجل کا وار تم پر ہوگیا

اُف رے فرطِ بیخودی کچھ بھی نہ آیا خوفِ جاں — خود ہی میں اُڑکر جو تیرِ یار کا پر ہوگیا

سوزشِ داغِ جگر سے تھی اگر کچھ ہمسری — شرم سے محجوب کیوں خورشیدِ محشر ہوگیا

ضبط تو مدّ نظر تھا بیخودی کو کیا کروں — شکوۂ جورِ صنم فرقت میں اکثر ہوگیا

اے سرشکِ دیدۂ تر کیوں لڑکپن کر گئے — میرے رازِ عشق کا اب ذکر گھر گھر ہوگیا

آمدِ عشقِ صنم میں جاچکے تھے عقل و ہوش — بہر استقبال دل بھی گھر سے باہر ہوگیا

قوتِ پرواز کب ہے مجھ نخیف و زار میں — سوزِ غم سے جل کے اے صیاد بے پر ہوگیا

ہجر کی گرمی سے کیا لختِ جگر گھلنے لگے — اشکِ خونیں کیوں رواں ہی دیدۂ تر ہوگیا

لائی بلبل غنچۂ گل جب چڑھانے کیلئے
میری تربت تک وہ آتے آتے پتھر ہو گیا

چاہیئے درویش کو دنیا سے بالکل انحراف
کب وہ درویشی رہی جب بندۂ زر ہو گیا

شوقِ صادق کیوں نہ کھینچے گا مدینے کی طرف
جا گزیں دل میں اگر عشقِ پیمبر ہو گیا

دیکھئے تاثیر وصفِ زلفِ پیچانِ پری
قیس کے دیوان کا ہر شعر ابتر ہو گیا

جام ساقی نے مرے آگے جو بھر کر رکھدیا
شیشۂ خاطر میں گویا آبِ کوثر رکھدیا

تھک کے اُس نے ہاتھ سے جب کند خنجر رکھدیا
ہم نے اُس کے پاؤں پر خود کاٹ کر سر رکھدیا

کیا قدم شوقِ جفا نے حد سے باہر رکھدیا
ٹکڑے ٹکڑے کر کے دل کیوں ای ستمگر رکھدیا

پھول سی صورت اُسے دی تھی تو پھر دل کی جگہ
یا الٰہی تو نے کس مطلب سے پتھر رکھدیا

میری میّت دیکھکر بھی چوڑیاں ٹھنڈی نہ کیں
مرگ دشمن سنتے ہی زیور بڑھا کر رکھدیا

ہم یہ سمجھے تھے کہ دل میں آ کے بخشوگے سرور
زہر میں لیکن بجھا کر تم نے نشتر رکھدیا

خاک میں ساری عمارت میرے دل کی مل گئی
ظالموں نے اے خدا ڈھا کر ترا گھر رکھدیا

گرمیِ سوزِ محبّت سے پھُنکا جاتا ہوں میں
کس نے شعلا آگ کا سینے میں بھر کر رکھدیا

مرہمِ کافور کے حیلے سے اُس بے رحم نے
بھر کے چٹکی میں نمک زخموں کے مُنہ پر رکھدیا

آپ ہی اُس شوخ نے سب میں کیا افشائے راز
اور جو الزام اُس کا تھا مرے سر رکھدیا

دام ہم رنگِ زمیں ہے طائرِ دل کے لئے
نام جس کا لوگوں نے زلفِ معنبر رکھدیا

نامہ بر سے لیکے خط اُس نے باآوازِ بلند
مجمعِ اغیار میں سب پڑھ کے فر فر رکھدیا

کر کے دعویٰ قتل کا میں اور کیا دیتا ثبوت
دامنِ پُرخوں کسی کا پیش داور رکھدیا

غیر کی بے مہریوں سے تو وہ آزردہ ہوئے
بارِ احساں میرے سر اللہ اکبر رکھدیا

بہرہ ور ہوں کس طرح سیرِ چمن کے لطف سے
نوچ کر صیاد ظالم نے تو شہپر رکھدیا

ہوں وہ میکش پیرِ میخانہ نے اپنے ہاتھ سے
آگے ساغر رکھدیا پہلو میں کنٹر رکھدیا

وصل کی شب بھی گریباں گیر محرومی رہی
بے محل کیوں کھول کر شکووں کا دفتر رکھدیا

میرے لاشے پر لحد میں خوف سے فریاد کے
ایک پتھر اُس نے چھاتی کے برابر رکھدیا

اے غمِ یار اور کچھ سامانِ دعوت کیا کروں
تیرے آگے دل جگر جو تھا میسّر رکھدیا

اہلِ محشر کے سروں پر کیوں نہ ہو سرد آفتاب
ہم نے اشکوں سے بھگو کر دامنِ تر رکھدیا

یہ زمیں اے قیس تھی پامال پھر بھی آپ نے
کہکے اس میں شعر کیا بہتر سے بہتر رکھدیا

مجھے اپنے دل پر اے جان اگر اختیار ہوتا
میں جفا کے شکوے کر کے نہ قصوروار ہوتا

ترے عاشقوں میں کچھ بھی جو مرا شمار ہوتا
یہ خلاف مقتضٰے تھا کہ ذلیل و خوار ہوتا

غمِ ہجر میں تڑپ کر ہوئی ختم زندگانی
یہ مرے نصیب کب تھے کہ وصالِ یار ہوتا

ہمیں دل ہی اس طرح کا ستم آشنا نہ ملتا
پھر اگر یہی بدا تھا تو کچھ استوار ہوتا

شبِ وعدہ تم سمجھتے مری بیکلی کا باعث
جب اسی طرح کسی کا تمھیں انتظار ہوتا

پسِ مرگ چشمِ حسرت سے کبھی تو دیکھ لیتا
ترے در پر اے ستمگر جو مرا مزار ہوتا

وہ بگڑ بگڑ کے ہرگز ہمیں جھڑکیاں نہ دیتے
جو بیاں دردِ دل کا انھیں اعتبار ہوتا

اُدھر اُن کی تیغ چلتی تو اِدھر بھی یہ تمنّا
کہ میں صدقے زندہ ہو ہو کے ہزار بار ہوتا

جو لیا ہے دل ہمارا تو خموش کیوں ہو بیٹھے
کبھی کچھ زبان دیتے کبھی کچھ قرار ہوتا

مرے حوصلوں نے مجھ کو قفسِ بلا میں ڈالا
نہ کسی سے آنکھیں لڑتیں نہ میں یوں شکار ہوتا

جب ازل ہی میں پڑی تھی تری چشمِ مست مجھ پر
تو پھر اور کیا میں ہوتا جو نہ بادہ خوار ہوتا

بس ہجوم یاس و حرماں میں گھرا رہوں کہاں تک
کہیں مہرباں مجھ پر وہ ستم شعار ہوتا

تو نہ دشمنوں سے ملتا تو روا تھیں سب جفائیں
تری گالیاں بھی کھانا مجھے خوشگوار ہوتا

سرِ مقتل آزماتے اگر اپنے عاشقوں کو
تہ تیغ دیکھ لیتے بھی جاں نثار ہوتا

جو بہارِ حُسن تو تھا جو تری نظر تھی ناوک
تو وہ میرے دل میں رہتی یہ جگر کے پار ہوتا

ہے جفا بھی آپ ہی سے ہے وفا بھی آپ ہی سے
میں کچھ اس میں لب ہلاتا تو گناہگار ہوتا

دمِ حشر میری فریاد اُنھیں کچھ اثر دکھاتی
جو گلے میں ہار بنکر دلِ داغدار ہوتا

شبِ وصل جب مزہ تھا کہ لپٹ کے خوب باہم
کچھ اُدھر سے پیار ہوتا کچھ اِدھر سے پیار ہوتا

تری چشمِ لالہ گوں نے مجھے مست کیف رکھا
یہ ترنگ اگر اترتی تو بڑا خمار ہوتا

مرے شکوۂ غلط سے جو عدو نہ کان بھرتے
میں تمھیں سے پوچھتا ہوں تمھیں کیوں غبار ہوتا

پسِ فاتحہ جو آتا کبھی قیس کی لحد پر
تری شان کم نہ ہوتی مجھے افتخار ہوتا

آنکھوں میں جا گزیں جو کسی کا ظہور تھا
ہر ذرّہ جلوہ گاہ تجلّی طور تھا

صدموں سے آہ نکلی مرا کیا قصور تھا
برپا کیا ہوا یہ ترا ہی فتور تھا

کی خوب تیرے جذبِ محبّت نے یاوری
مشکل نہیں تو بحرِ وفا سے عبور تھا

ہم کیونکر اپنی آئی طبیعت کو روکتے
قابو میں تھا جگر نہ دلِ ناصبور تھا

وہ جوششِ شباب وہ شوخی کہاں گئی
وہ حسن کیا ہوا تمہیں جس پر غرور تھا

سامان جشن بادہ کشی کچھ نہ پوچھیے
مے تھی پری تو ساقی میخانہ حور تھا

اے نالہائے گرم ہوا فاش رازِ عشق
تم نے یہ کیا کیا میں اگر بے شعور تھا

ممنون چارہ سازیِ عیسےٰ نہ ہو سکا
تیرا مریض عشق کچھ ایسا غیور تھا

کل بے سبب نہ تھی مری مستانہ گفتگو
تم سے نظر لڑی تھی اسی کا سرور تھا

واعظ کی بزم وعظ بھی صحبت تھی لطف کی
جو تھا وہ مست ذکرِ شرابِ طہور تھا

آتے ہی خفتگانِ لحد کو جگا دیا
پازیب کی صدا تھی کہ شورِ نشور تھا

اظہار دردِ عشق کسی سے نہ کر سکا
دل ناصحوں کے سنگِ ملامت سے چور تھا

دیکھا جدھر جدھر نظرِ حق شناس نے
پھیلا ہوا تمام تمہارا ہی نور تھا

کثرت خطا کی ہم کو نہ بے آس کر سکی
ہر دم خیالِ رحمتِ ربِ غفور تھا

اخفائے رازِ بے محل اے قیس کیوں کیا
کچھ اُن سے حالِ دل تمہیں کہنا ضرور تھا

وہ بیخودی شوق کا سارا فتور تھا
موسیٰ کا جو سوال سرِ کوہِ طور تھا

دل میں جو تھا سرور تو آنکھوں میں نور تھا
تیرا ہی جلوہ ہر جگہ اے رشکِ حور تھا

مانا کہ آپ مجھ سے نہ ملتے کھُلے کھُلے
لیکن چھپے چھپائے تو ملنا ضرور تھا

ہم سے نظر چرا کے گئے وہ عدو کے گھر
گو کم سنی کے دن تھے مگر کیا شعور تھا

ان کو نہ دیتے دل تو مروت کے تھا خلاف
دیکر جو پھیر لیتے حمیت سے دور تھا

دل کی کلی نہ کھلتی دمِ صبح کسطرح
موجِ ہوا میں خندۂ گل کا سرور تھا

محشر میں بھی رہا مجھے لپکا شراب کا
بوتل بغل میں ہاتھ میں جامِ طہور تھا

آنکھیں ملا کے کس نے مرا صبر لے لیا
انصاف سے کہو کہ یہ کس کا قصور تھا

گو میرے بال بال تھے مستوجبِ عذاب
لیکن نہ بخشنا تری رحمت سے دور تھا

شایانِ لطف غیر ہی محفل میں کیوں رہے
میں تشنہ کام بھی تو وہیں اے حضور تھا

میری ہی عاجزی نے بڑھادی تھی تمکنت
بے وجہ ورنہ کب یہ تمہارا غرور تھا

میدانِ عشق میں اسے کیونکر سنبھالتے
بگڑا ہوا ازل سے دلِ ناصبور تھا

کیا کچھ کیا نہ جانوں نکیرین نے سوال
دیتا جواب کیا میں تو نشے میں چور تھا

مُنہ سے فغاں نکلتے ہی برپا ہوا جو حشر
کیا شور عندلیب ہم آہنگ صور تھا

اے قیس جسکے حُسن کی پھیلی تھی چاندنی
ظلمتکدے میں تیرے وہ کس کا ظہور تھا

جب میں اسیرِ عشقِ بتِ سیمبر نہ تھا
سچ ہے کہ اپنے حال سے یوں بیخبر نہ تھا

کیونکر کہوں کہ وصل میں میں بے خبر نہ تھا
بدمستیوں سے ہوش مجھے تا سحر نہ تھا

دل دے کے نقدِ جاں بھی نہ رکھا کبھی عزیز
میرے سوا یہ اور کسی کا جگر نہ تھا

لاکھوں پڑے تھے غش میں تجلیِ نور سے
تھی شاخ کوہِ طور ترا بام و در نہ تھا

کھاتا ہے اُس کے کوچے میں ٹھوکر زہے نصیب
ہوتا کنارِ یار میں ایسا یہ سر نہ تھا

سرگوشیاں رقیب سے کرتے تھے کس لئے
مجھ سے بگاڑ تم کو جو مدِ نظر نہ تھا

جب تک رہا میں گرمِ رہِ جادۂ طلب
دل کی کشش بغیر کوئی راہبر نہ تھا

اُٹھنے لگی تھی جب ترے خستہ جگر کی لاش
تھا کون وہ بشر کہ جو باچشمِ تر نہ تھا

ہونے لگا ہے اب تو خفا بات بات میں
ایسا تنک مزاج تو وہ پیشتر نہ تھا

افشائے رازِ عشق کا رکھتا میں کیا خیال
میرے تو کہنے ہی میں دلِ نوحہ گر نہ تھا

میں نے تڑپ تڑپ کے بری طرح صبح کی
اے رشکِ حور رات جو تو میرے گھر نہ تھا

سِسکا کیا میں تیری گلی میں پڑا ہوا
پُرسانِ حال کوئی بھی فردِ بشر نہ تھا

دنیا ہی تک شریکِ غم و رنج سب رہے
میرا رہِ عدم میں کوئی ہمسفر نہ تھا

احسان ہے جو پوچھ لیا مجھ غریب کو
میری طرف سے قرض تو کچھ آپ پر نہ تھا

اُس کو نہ کھینچ لائے کسی طرح میرے پاس
اے آہ و نالہ تم میں ذرا بھی اثر نہ تھا

شب بھر تو بیخودی میں رہا مجھ سے ہمکنار
آنکھیں کھُلیں تو وہ بُتِ رشکِ قمر نہ تھا

لوُٹا نہ لے کے میرے خطِ شوق کا جواب
شاید رقیب تھا وہ کوئی نامہ بر نہ تھا

لطفِ مے وصالِ عدو کا رہا سرور
تجھ کو مرا خیال کچھ اے بے خبر نہ تھا

آکر ہمارے دیدۂ گریاں کے سامنے
ہونا ذلیل یوں تجھے اے ابرِ تر نہ تھا

آنکھوں میں دیکھتے ہی چکاچوند چھا گئی
بجلی چمک رہی تھی کوئی بام پر نہ تھا

مُنہ ڈھانک کر کفن سے نہ لیتا عدم کی راہ
کرتا مگر میں کیا کہ کہیں بھی گزر نہ تھا

سیرِ جہاں سے مجھ کو یہ معلوم ہو گیا
خالی فریبِ عشق سے کوئی بشر نہ تھا

جاتا کہاں میں مجمعِ اہلِ کمال میں
قابل پسند کے کوئی مجھ میں ہنر نہ تھا

دیکھی جو میں نے تربتِ قیسِ پُر آرزو
حسرت برس رہی تھی کوئی قبر پر نہ تھا

قسمت کی ہے خوبی کہ وہ اکثر نہیں ملتا
ملتا ہے کسی روز تو ہنس کر نہیں ملتا

معشوق اگر آپ کا ہمسر نہیں ملتا
جانباز مرا سا بھی مقرر نہیں ملتا

آرام مجھے ہجر میں دم بھر نہیں ملتا
اس پر بھی غضب ہے وہ ستمگر نہیں ملتا

رہ جاتے ہو دانتوں سے جو ہونٹوں کو چبا کر
کیا ذبح کی خاطر تمھیں خنجر نہیں ملتا

برگشتہ نصیب ایسے بہت لوگ پڑے ہیں
مٹی کا بھی رہنے کو جنہیں گھر نہیں ملتا

اے ناصح ابھی جا کے بدل لاتے کہیں سے
افسوس مگر مول مقدر نہیں ملتا

گم گشتگیِ منزلِ مقصود کہوں کیا
چکّر میں ہوں لیکن کوئی رہبر نہیں ملتا

ہے آگ بھڑکتی ہوئی پیغام ہمارا
جس کے نہ جلیں پر وہ کبوتر نہیں ملتا

سُنتے تھے بہت شور یہاں آ کے جو دیکھا
فتنوں سے ترے فتنۂ محشر نہیں ملتا

رہ رہ کے غمِ ہجر میں کیونکر نہ بھروں آہ
پیغامبر اس سے کوئی بہتر نہیں ملتا

داغوں سے بنا ہے پرِ طاؤس دل اپنا
سر سبز چمن اس کے برابر نہیں ملتا

در پر ترے اے پیرِ مغاں ہم بھی کھڑے ہیں
کیوں راہ خدا میں کوئی ساغر نہیں ملتا

جو لطف ہمیں جامِ شہادت نے دیا ہے
شاید دمِ سیرابیِ کوثر نہیں ملتا

اُس بانیِ بیداد سے آنکھیں نہ لڑی ہوں
کیوں چین تجھے اے دلِ مضطر نہیں ملتا

کیونکر وہ سرِ قبر پڑھیں فاتحہ آکر
تعویذ لحد کا کہیں پتھر نہیں ملتا

آوارہ پڑی پھرتی ہی اے موت کہاں تو
کیا تجھ کو ہمارا تن لاغر نہیں ملتا

آنکھوں سے وہ دریائے پُرآشوب رواں ہی
جس سے کوئی طوفان سمندر نہیں ملتا

تڑپاتے ہیں مجھ کو خلش نوکِ مژہ سے
پھر بھی یہ شکایت ہے کہ نشتر نہیں ملتا

ہے دشتِ جنوں مجھ کو وہ صحرائے قیامت
سائے کو جہاں پھوس کا چھپر نہیں ملتا

شوخی کے مزے خوب چکھا دیتے عدو کو
کیا کہیئے تری بزم سے باہر نہیں ملتا

جب قیس کو وحشت نے کبھی گھر سے نکالا
کب سر بسجود آپ کے در پر نہیں ملتا

نہ تیری زلفوں نے یا کچھ تری کمر نے کیا
مجھے اسیر بلا چشم فتنہ گر نے کیا

اِدھر تو دل نے کیا شور اُدھر جگر نے کیا
کہ خستہ حال ہمیں یار کی نظر نے کیا

کٹھن تھی عالمِ ہستی میں جستجو تیری
ہلاک مجھ کو اسی دشت پر خطر نے کیا

عدو کے سامنے سب حالِ دل مرا کہکے
تمام خلق میں رسوا پیامبر نے کیا

نہ وہ بغل سے سرکتے نہ غش میں ہم آتے
ستم یہ آج شبِ وصل کی سحر نے کیا

تمہارے دل میں مرے نالے کارگر نہ ہوئے
تو پھر فسردہ یہ کس آہ با اثر نے کیا

گرا تو عفو جرائم کراہی کے اُٹھا
بڑا سلوک مرے ساتھ میرے سر نے کیا

ہزار نامے لکھے بھیجے سیکڑوں قاصد
مگر نہ یاد مجھے یار بے خبر نے کیا

جو خاک جل کے ہوا دل تو حسرتیں بولیں
چلو خراب ہمیں خود ہمارے گھر نے کیا

رہے وہ آنکھوں میں آکر کبھی کبھی دل میں
پری خصال اُنھیں سیر بحر و بر نے کیا

نہ پوچھ کس نے کیا قیس کو شرف اندوز
مٹا کے نقش جبیں تیرے سنگ در نے کیا

ہمارے دل نے کیا کچھ نہ کچھ جگر نے کیا
جو کچھ کیا وہ تری شوخیِ نظر نے کیا

تمہارے ہجر میں طوفان ہو گیا برپا
وہ سیل اشک رواں میری چشم تر نے کیا

نگاہ بد سے بچائے خدا مرے دل کو
کہ رشک طور کسی غیرتِ قمر نے کیا

عبث خفا ہو کہ ہم نے کیا تمھیں بدنام
یہ سب فساد رقیبوں کے شور و شر نے کیا

ہماری فکر رسا سے نہ ہو سکی معدوم
لچک کے اپنے کو ثابت تری کمر نے کیا

ہمارے دل نے تو جی کھول کر تواضع کی
قصور دعوت مژگاں میں کیوں جگر نے کیا

کسی کے دل میں نہ کیونکر تڑپ ہو بجلی کی
کہ شور رعد مری آہ پُر شرر نے کیا

وہ دل کو تھامے ہوئے آکے بولے حیرت سے
گلی میں نالۂ پُر درد کس بشر نے کیا

فضول تجھ کو میں الزام کیوں دوں اے صیّاد
مجھے اسیر قفس لا کے بال و پر نے کیا

غمِ فراق میں رہنے کی ہم نے خو ڈالی
جو لطف وصل سے نومید اگر مگر نے کیا

وہ اپنے قیس سے ملنے کو آج آتے ہیں
اثر یہ خوب مرے نالۂ سحر نے کیا

پیکِ نظر ہے آج ہم آغوش نقش پا
کیوں بولتے نہیں لب خاموش نقش پا

جب سے ملا ہے ساغرِ سرجوش نقش پا
احباب کہتے ہیں مجھے مدہوش نقش پا

بھولا ہوا ہوں راہ کسی شہسوار کی
پہنچادے بام عرش پہ اے دوش نقش پا

لینے کو بوسے جھکتے ہیں جب ٹوٹ ٹوٹ کر
بن جاتے ہیں ستارے دُرِ گوش نقش پا

غل ہے نہ شور ہے نہ ہیں نغمے نہ چہچہے
سونی پڑی ہے بزم قدح نوش نقش پا

شاید اسی طرح مری قسمت بھی سوگئی
جس طرح چشم راہ فراموش نقش پا

کیونکر جدا ہوا اس سے ہماری نگاہ شوق
آئینۂ جمال ہے آغوش نقش پا

اُس کی طلب میں دیکھ کے افتادگی مری
حیرت سے اُڑ گئے ہیں مگر ہوش نقش پا

ہم سے ہزار طرح کہیں چھُپ کے جائیے
کہدیں گے کچھ نہ کچھ لب خاموش نقش پا

کیا جانوں کتنے آئے گئے رہروان عشق
دیکھے تری گلی میں کوئی جوش نقش پا

ہلکی ہوا کے جھونکے بھی اس سے نہ اُٹھ سکے
ہے دیکھنے ہی کو یہ تن و توش نقش پا

میں بھی ہوں ختم اُن کے نشانِ قدم کی طرح
لے جائے گا عدم کو مجھے دوش نقش پا

آنسو بہا بہا کے میں ہمراہ لخت دل
کرتا ہوں اہتمام خورونوش نقش پا

جس سے کہ چھالے پڑتے تھے پائے نگاہ میں
اب کیا ہوئی وہ گرمی آغوش نقش پا

مشکل ہے قیسؔ منزل مقصود کا سراغ
چھپتے ہیں اب تو شاہد روپوش نقش پا

تجھے تھام دمِ دیدہ سے ہم آغوش ہو جانا
نہ اک جھلکی دکھا کر دور سے روپوش ہو جانا

سرِ محفل مزے کی چال تھی بے ہوش ہو جانا
عدو کی باتیں سُننے کو سراپا گوش ہو جانا

ستم کرتے ہو لیکن خون کے آنسو رُلائیگا
چراغِ بزمِ ہستی کا مرے خاموش ہو جانا

جو کوئی عشق کے نشہ سے بے بہرہ ہو کیا جانے
حسینوں کی محبّت کا مے سرجوش ہو جانا

قیامت یار کا تلوار کو پتھر چٹانا تھا
مرا شوق شہادت میں کفن بردوش ہو جانا

سرورِ جامِ صہبا کا اثر سب کو دکھاتا ہے
تری آنکھوں کی گردش سے مرا مدہوش ہو جانا

ہمارے کُلبۂ احزاں کے ہوتے کب مناسب تھا
تجھے دشمن کے گھر سرمست ناؤ نوش ہو جانا

شعاعِ مہرومہ کو یہ ادا کس نے سکھائی ہے
کرن بنکر تمہاری زینتِ پاپوش ہو جانا

گرفتارِ قفس بلبل ہوئی ہے اپنے نغموں سے
چمن میں آتے ہی لازم نہ تھا پُرجوش ہو جانا

ملے موقع جو عرضِ حال کا میرے تو اے قاصد
سنبھل کر پردے پردے کہکے تو خاموش ہو جانا

تڑپ عکسِ رخِ پُرنور سے پیدا تو ہونے دے
دکھادے گا مزا بجلی کا زیبِ گوش ہو جانا

سبک روحی عطا کی آج تیغِ تیز قاتل نے
غضب تھا عشق میں سر کا وبالِ دوش ہو جانا

اٹھا کر رکھ لیا اُس نے مرا سر اپنے زانو پر
زہے قسمت کہ راس آیا مجھے بے ہوش ہو جانا

عجب کیا ہے کہ وجہِ مغفرت ہو بعد مرنے کے
ندامت سے کفن میں قیسؔ کا روپوش ہو جانا

جن دنوں نا آشنائے جورِ ہفت افلاک تھا
سب طرح میں شاد تھا ہر درد و غم سے پاک تھا

کیا فروغ افزا گلوں کا حسن آتشناک تھا
نور کا بکّا چمن میں ہر خس و خاشاک تھا

غیر ممکن تھا پہنچنا تیری کُنہِ ذات تک
ناتواں بے بال و بے پر طائرِ ادراک تھا

جلتے جی محبوب تر تھی تیرے کوچے کی زمیں
مل کے میں مٹی میں بھی تیرے ہی در کی خاک تھا

تھیں ز سر تا پا کسی کی سب ادائیں شرمگیں ۔ دل چرانے میں مگر دزدِ حنا بیباک تھا

ہو رہی تھی نالۂ پیہم سے جب تعبیرِ عشق ۔ دل ہمارا صورتِ دامانِ محشر چاک تھا

ایک اشارے میں نہ جانوں قتل میں کیونکر ہوا ۔ ابروئے پُرخم بھی شاید خنجرِ سفاک تھا

دل جگر دونوں تھے حاضر صیدگاہِ عشق میں ۔ کیوں کمند و تیر سے خالی ترا فتراک تھا

مل گیا تھا مجھ کو جو اُترا ہوا اُن کا لباس ۔ میرے مرنے پر وہی جوڑا مری پوشاک تھا

کرتے ہم افشائے رازِ عشق کا کس سے گلا ۔ خود ہی جب غمّاز اپنا دیدۂ نمناک تھا

کس کے آگے کرتے شرحِ ماجرائے سوزِ غم ۔ تابِ گویائی نہ تھی قصّا بڑا غمناک تھا

آنکھیں جھپکاتے ہی پہلو سے مرا دل لے اُڑا ۔ کیا سمندِ نازِ تیرا اے پری چالاک تھا

زندہ تھا تو زندگی بھر میں رہا تیرا غلام ۔ مر گیا تو مر کے تیری کفشِ پا کی خاک تھا

حشر میں رسوا نہ کر یارب کہ ہوں اُس کا مدیح ۔ وصف میں جس کے زباں زد جملۂ لولاک تھا

کس سبک روحی سے بحرِ موجِ غم طے کر گیا
قیسؔ بھی اللہ بخشے اک عجب تیراک تھا

حُسن و جمالِ یار پر ایسا پھسل گیا ۔ دل قیدِ اختیار سے باہر نکل گیا

اے شمعِ بزمِ حُسن اِدھر بھی نگاہ لطف ۔ سوزِ غمِ فراق سے پروانہ جل گیا

دیکھی نظر جما کے جو وہ شکلِ دلفریب ۔ زاہد کا پائے زہد نہ سنبھلا پھسل گیا

کیا بے کسی برستی ہے میرے مزار پر ۔ آیا اِدھر کو جو کفِ افسوس مل گیا

تیرا مریضِ عشق چلا تھا سوئے عدم ۔ مژدہ وصال کا جو سُنا تو سنبھل گیا

مجھ بخستہ دل کو دشت نوردی سے کام کیا
مجنوں میں وہ نہیں ہوں کہ دم میں اُبل گیا

روتی ہے شمع گور تک اب میرے حال پر
اس چرخ پیر کا نہ مگر مجھ سے بل گیا

تم نے تو ہاں نہیں میں گزاری تمام رات
اب مجھ سے کہتے ہو کہ ترا وقت ٹل گیا

مژدہ ہو بلبلوں کو ہوئی رخصتِ خزاں
آئی بہار رنگ چمن کا بدل گیا

تیرا ہی ایک دل ہے نہیں جو اثر پذیر
ورنہ ہماری آہوں سے عالم دہل گیا

کب تک جلوں میں شمع کی صورت فراق میں
سوزِ و فورِ غم سے جگر تک پگھل گیا

آیا جو وقت دفن وہ میرے مزار پر
تڑپا میں اس قدر کہ لحد سے نکل گیا

نیک و بدِ زمانہ کی سب سیر کر چکا
لیکن مزاج یار سے اب تک نہ بل گیا

اتنا تو آگیا مری فریاد میں اثر
جب میں نے آہ کی دل عالم دہل گیا

طاقت نہیں کہ دو قدم اُٹھ کر چلوں کہیں
ایسا میں تیرے سوز محبّت سے گل گیا

اے قیس ہے ضرور رفنا اس جہان کو
سچ کہہ کہ کیا سمجھ کے یہاں تو بہل گیا

حوروں میں بھی جو تو ہی رونق محفل ہوتا
حشر میں بھی تری مٹھی میں مرا دل ہوتا

زندگانی کا مزہ خوب ہی حاصل ہوتا
ہم بغل ہم سے جو وہ حور شمایل ہوتا

عشق صادق ہی اگر رہبر کامل ہوتا
یوں میں کس واسطے گم کردۂ منزل ہوتا

غیر کے ہاتھ سے ملتا جو تری محفل میں
جام پُر بادہ مجھے زہر ہلاہل ہوتا

خیر گزری کہ دبے پاؤں کٹی راہ عدم
جاگ پڑ جاتی اگر شور سلاسل ہوتا

لطف کیا ہے جو رہی پائے طلب کی حاجت
عشق تیرا سببِ قطعِ منازل ہوتا

قتل کرنے کے لیئے وعدۂ فردا کیسا
آج ہی خون میں تر خنجرِ قاتل ہوتا

زندگی میں نہ سہی مر کے نکلتی حسرت
کاش میں دفن ترے در کے مقابل ہوتا

کہنے ہی میں نہیں جب دل ہی تو بیکار ہے یہ
اس سے بہتر تو یہی تھا کہ میں بیدل ہوتا

طوقِ منت کا اُترتا کہیں اور اُسکے عوض
تیری گردن میں مرا ہاتھ حمائل ہوتا

اُس کی آنکھیں نہ جھپکنے دیں حیائے افسوس
لاکھ ارمان نکلتے جو وہ غافل ہوتا

دل دیا ہم نے ہمیں تیرے طلبگار ہوئے
غیر کیا مدعیِ دعویِ باطل ہوتا

ضبطِ نالہ سے اگر کام نہیں لیتے ہم
سو جگہ چاک ترا پردۂ محمل ہوتا

شکر ہے مر کے ہم ان سنگدلوں سے چھوٹے
زندہ رہتے کوئی قہر اور ہی نازل ہوتا

اپنے ہاتھوں سے جو تم جامِ شہادت دیتے
آشنا آہوں سے کیوں سینۂ بسمل ہوتا

ہر گلی کوچے میں کس واسطے رسوا ہوتے
تو ہی قابو میں ہمارے اگر اے دل ہوتا

دفعۃً یوں بھی کسی شئے کو گراتا ہے کوئی
سر بسر چور ابھی آئینۂ دل ہوتا

سوزشِ عشق سے گھُلنے میں مجھے خوف نہ تھا
گھٹنے پر بھی ترے رخسار کا میں تل ہوتا

تم جو یہ چاہتے کھُلتی مرے دل کی گتھی
ناخنِ وصل سے حل عقدۂ مشکل ہوتا

معنیِ عشق اگر کچھ بھی سمجھتا مجنوں
سات پردوں سے عیاں صاحبِ محمل ہوتا

پھٹ گیا دل ہی چلو روز کا جھگڑا چھوٹا
فیصلہ یوں تو مرے اُن کے بمشکل ہوتا

داستانِ شبِ فرقت میں اُنہیں کیا لکھتا
یوں ہی کہنے میں وہ اک دفترِ کامل ہوتا

میری تقدیر اگر ہوتی موافق اے قیسؔ
کچھ نہ ہو کر بھی میں کچھ ہونے کے قابل ہوتا

نہ کسی کو جب میسر مزۂ وصال ہوتا
کوئی تم سے دل لگا کر کہو کیا نہال ہوتا

ترے حُسن کا نہ ہر دم جو مجھے خیال ہوتا
فن عاشقی میں کاہیکو میں باکمال ہوتا

نہ ستم سے باز آتا تو عدو کی دھمکیوں سے
ترے ساتھ حشر کے دن بھی وہ ذوالجلال ہوتا

کوئی میکدے میں ہوتا کوئی صوفیوں میں رقصاں
کہیں جام مے چھلکتا کہیں وجد و حال ہوتا

مے آتشیں کے بدلے اسی شوق سے میں پیتا
دم غیظ محتسب کا جو لہو حلال ہوتا

پس مرگ میری تربت سر رہ نہ بنتی کیونکر
مری آرزو یہی تھی کہ میں پائمال ہوتا

مجھے تم نے مار ڈالا غم ہجر میں رُلا کر
میں اگر کچھ اس میں کہتا سببِ ملال ہوتا

مرے دشمنوں نے شاید تمھیں پٹیاں پڑھائیں
کبھی بھول کر بھی میرا جو نہیں خیال ہوتا

شب وصل حاجتِ شمع مجھے ذرا نہ ہوئی
مرے گھر جو نور افشاں وہ پری جمال ہوتا

یہی التجا ہے تجھ سے شب و روز یا الٰہی
کبھی ہم کنار ہم سے بھی وہ نونہال ہوتا

مجھے دم کے دم میں ہوتی مرضِ جگر سے صحت
ترے مُنہ کا ایک دن بھی جو نصیب اُگال ہوتا

تو اگر قبول کرتا تو نکلتیں آرزوئیں
دم ذبح تجھ سے میرا جو کوئی سوال ہوتا

یہ جلیس و یار و ہمدم جو بگڑ گئے تو بہتر
کوئی آ کے وقت مشکل نہ شریک حال ہوتا

میں ہوں مست جام وحدت سنوں کیوں فضول باتیں
مری بزم میں بجز حق نہیں قیل و قال ہوتا

یہی قیسؔ آرزو ہے پس مرگ زیر مدفن
سر قبر جلوہ فرما وہی نونہال ہوتا

صدمۂ فرقت سے جب مضطر کسی دن دل ہوا
باعثِ تسکیں تمہارا وعدۂ باطل ہوا

میں جو اُن سے اک نگاہِ لطف کا سائل ہوا
ہنس کے بولے کیوں نہ ہو اب تو بھی اس قابل ہوا

ایک تو یوں ہی تھی مجھ پر بار اپنی زندگی
تم نے آنکھیں پھیر لیں یہ اور بھی مشکل ہوا

چشم دل رکھتا نہ تھا مجنوں پئے دیدار دوست
وجہ محرومی اسی سے پردۂ محمل ہوا

خنجرِ ابرو سے یا تیرِ نگاہِ ناز سے
مر گیا کوئی تڑپ کر یا کوئی بسمل ہوا

وصل کی صورت بندھی تھی لیکن اے جوشِ حیا
میرے اُن کے درمیاں آکر تو کیوں حائل ہوا

کون تھا جو بے کسی میں ساتھ دیتا بعد مرگ
ہاں مگر نومیدیوں کا قافلا شامل ہوا

آتشِ الفت میں جل کر میں مثالِ دودِ شمع
کاجل آنکھوں کا کبھی لوحِ جبیں کا تل ہوا

ہم ہوں یا دشمن ہو مشتاقِ شہادت کوئی ہو
سُرخ رو نکلا وہی تو جس طرف مائل ہوا

ایک چلو کے لیئے ترسا کے اے پیرِ مغاں
کونسی دولت ملی کیا فائدا حاصل ہوا

مجھ میں اُس میں دونوں میں کوئی کسی سے کم نہیں
حُسن روز افزوں میں وہ میں عشق میں کامل ہوا

دل لگا کر کیا بتائیں آئے دن کی آفتیں
اک نہ اک کوئی نہ کوئی قہر ہی نازل ہوا

میری گردن پوچھتی کچھ ذبح کرنے کا سبب
لیکن اُلٹے گرم شکوہ بازوِ قاتل ہوا

پاؤں رکھنا راہِ الفت میں نہ راس آیا ہمیں
حسرتوں کا خون یارب کیوں سرِ منزل ہوا

قیس کی بزمِ عزا بھی بزمِ عشرت ہو گئی
جب مزارِ رشکِ قمر زینت دہِ محفل ہوا

صحبت ہو کوئی لطف اُسے حاصل نہیں ہوتا
چٹکی میں مسلنے کو جہاں دل نہیں ہوتا

یوں غیر تری راہ میں بسمل نہیں ہوتا
ہوتا بھی تو آ کر سر منزل نہیں ہوتا

دل لے کے مجھے دو لب جاں بخش کا بوسہ
میں مفت کسی چیز کا سائل نہیں ہوتا

کیا داد ملے شکوۂ بیداد کی اُن سے
اچھوں کا ستم عیب میں داخل نہیں ہوتا

کب مجھ کو نہیں دیتے ہو تم جھوٹی تسلی
کس روز نیا وعدۂ باطل نہیں ہوتا

ظالم پر اثر کیا ہو مرے شور و فغاں کا
صیّاد وفا کیش عنادل نہیں ہوتا

نادانی فرہاد تھی سر پھوڑ کے مرنا
اس سے تو کوئی عشق میں کامل نہیں ہوتا

ہر چند بظاہر مجھے اک چپ سی لگی ہے
دل ہے کہ تری یاد سے غافل نہیں ہوتا

اللہ رے حُسنِ رخ دلدار کی گرمی
خورشید قیامت بھی مقابل نہیں ہوتا

حوروں میں نہ تھا سہل مرے جی کا بہلنا
تو ہی جو وہاں رونق محفل نہیں ہوتا

ہر دل میں حسینوں کی شباہت نہیں جمتی
ہر آئینہ تصویر کے قابل نہیں ہوتا

کوچے میں ترے کونسی ہے وجہ خموشی
دیوانوں میں کیوں شور سلاسل نہیں ہوتا

ہنگامہ ہے برپا کہ ستمگار کہا کیوں
میں وجہ بتاتا ہوں تو قائل نہیں ہوتا

دریا ہے رواں آج مرے دیدۂ تر سے
تو جلوہ نما کیوں لب ساحل نہیں ہوتا

مقتل میں وہ ہوتا ہے تو میں ہی نہیں رہتا
رہتا ہوں اگر میں تو وہ قاتل نہیں ہوتا

احباب ہیں سب جمع مری بزم عزا میں
جھوٹوں میں بھی مگر آ کے وہ شامل نہیں ہوتا

گو دونوں ہی سینے میں ہیں دل ہو کہ جگر ہو
کوئی بھی کسی کا دم مشکل نہیں ہوتا

دشمن کا نہ لو نام مرے عشق کے آگے
اِس غم کا وہ ہرگز متحمل نہیں ہوتا

تسکین ہو گیا خاک دلِ قلبِ حزیں کو
پردے سے جدا صاحب محمل نہیں ہوتا

عنوان لوح دیواں کرتا ہے نام تیرا
عالم میں کیوں نہ ہوتا شہرا تمام تیرا
گستاخ ہو گیا ہے کیسا غلام تیرا
اے کاش میں بھی پاؤں خلدِ بریں کی نعمت
نزدیک تر ہے جب تو سب کی رگ گلو سے
ہم کاسۂ ارادت لبریز کر ہی لینگے
راحت فزائے دل ہے ہر لحظہ یاد تیری
ہر شئے میں تیری قدرت اے یار جلوہ گر ہی
ضبطِ صفت میں تجھ تک ممکن نہیں پہنچنا
آنکھوں کی پتلیوں میں رہتا ہے نور بنکر
تیرے ہی تذکرے سے رطب اللساں ہیں واعظ
سمجھے ہیں لوگ جس کو مرغ چمن کا نغما
مجھ سے پھری رہیں گی کب تک تری نگاہیں
سرزد قصور ہونا ہے خاصیت بشر کی
مفلس ہو یا غنی ہو ہرگز کوئی نہ چھیپے

مقبول اہل فن ہو یا رب غلام تیرا
پیاری تری ادا ہے دلکش کلام تیرا
تجھ کو پکارتا ہے لے لے کے نام تیرا
پہنچائیں سب فرشتے ملکر سلام تیرا
مخصوص عرش پر ہے کیونکر قیام تیرا
اے ساقیِ صبوحی چھلکے تو جام تیرا
لذت دہِ زباں ہے ذکرِ مدام تیرا
تیری دلیل وحدت ہے انتظام تیرا
فکرِ رسا سے اتنا اونچا ہے بام تیرا
سینوں میں عاشقوں کے دل ہی مقام تیرا
بھرتے ہیں دم ہمیشا شیخِ انام تیرا
ہے اصل میں وظیفا وہ صبح و شام تیرا
تجھ سے الگ رہے گا کب تک غلام تیرا
لیکن معاف کرنا ہے خاص کام تیرا
جو چاہے تجھ سے مانگے ہے اذن عام تیرا

پیکِ اجل جب آئے اے کار سازِ عالم
ہو قیسؔ کے لبوں پر اُس وقت نام تیرا

مرے جرم عاشقی کا جو ہو انتقام لینا
تو قرین مصلحت ہے کہ جگر کو تھام لینا

میں تمھیں سے پوچھتا ہوں کہ یہ کونسی ادا ہی
نہ کبھی خوشی سے ملنا نہ کبھی سلام لینا

کہیں آ ہی جائے شاید کوئی تذکرا وفا کا
تو سنبھل کے اے ستمگر تو کسی کا نام لینا

ہے یہ طرفہ تر تماشا کہ وہ بھول کر نہ پوچھیں
خبر انکی ذرہ ذرہ ہمیں صبح و شام لینا

تری اک نگاہ الفت ہی متاع دل کی قیمت
نہ ہی اس میں زر لگانا نہ ہی قرض و دام لینا

کوئی منصفی سے کہدے کہ مجھے خوش آئے کیونکر
یہ عدو سے ہنسکے ان کا سر بزم جام لینا

رہ جستجو میں تھک کر مری پاؤں رہ گئے کیوں
در یار پر پہنچکر انھیں تھا مقام لینا

کسی بات پر وہ برہم نہوں دیکھنا ای پیامی
مری عرض مدعا کے لیئے اذن عام لینا

خُم بادۂ کُہن سے ترے اے کریم ساقی
ہو نصیب کاش مجھکو مے لالہ فام لینا

وہ عدو کو ساتھ لیکر بھی جو آئے تھے تو کیا تھا
قدم اُن کے چاہیئے تھا بصد احترام لینا

نہ ہو گرم نالہ اے قیسؔ بتوں کی بیرخی پر
تجھے ضبط کر کے لازم ہی وفا سے کام لینا

پھول کھلتے دیکھ کر تیرا دہن یاد آگیا
یعنی ہنسنا ناز سے وقتِ سخن یاد آگیا

سیر کرتے کرتے گلشن میں جو ہم رونے لگے
کیا بتائیں کون سا گل پیرہن یاد آگیا

جب کبھی ٹھنڈی ہواؤں کی کہیں جھونکی چلے
جی بھر آیا ساقیِ سیمیں بدن یاد آگیا

بلبلیں قیدِ قفس میں پھڑپھڑا کر رہ گئیں
موسمِ گل میں جہاں رنگِ چمن یاد آگیا

قصرِ شاہی میں کسی کے خلعتِ زرتار پر
آنکھیں پڑتے ہی مجھے گور و کفن یاد آگیا

واعظوں نے جب دلائی حورِ جنت کی اُمید
وعدہ تیرا اے بُتِ پیماں شکن یاد آگیا

جسمِ خاکی سے ہے اب آمادۂ پرواز روح
سیرِ غربت میں مسافر کو وطن یاد آگیا

اے فلک تو کیوں گراتا ہے کڑک کر بجلیاں
کیا ہمارا نالۂ آتش فگن یاد آگیا

ذکرِ لیلیٰ سنکے مجنوں کا ہوا پیدا خیال
نام سے شیریں کے مجھکو کوہکن یاد آگیا

خواب سا پیری میں جب آیا خیال اپنا شباب
جوشِ حسرت بن کے سارا بانکپن یاد آگیا

ابتو جنت میں نہ ہوگی قیس کی دلبستگی
مجمعِ احباب و لطفِ انجمن یاد آگیا

کیا بتاؤں جی میں کیا کچھ جوشِ ارماں رہ گیا
مرتے دم تک اشتیاقِ دیدِ جاناں رہ گیا

دیکھ کر آئینہ شکلِ نقش حیراں رہ گیا
ہو کے وہ بُت آپ اسیرِ زلفِ پیچاں رہ گیا

دم بخود جب چارہ سازِ دردِ ہجراں رہ گیا
خانۂ دل میں ہجومِ یاس و حرماں رہ گیا

خوفِ رُسوائی نے اُسکے خوب پردہ رکھ لیا
بڑھتے بڑھتے ہاتھ تا جیب و گریباں رہ گیا

کیوں خلش رہ رہ کے پیدا ہوتی ہے اے چارہ گر
کیا جگر میں کوئی زخمِ تیرِ مژگاں رہ گیا

بھر لیے اوروں نے دامن گوہرِ مقصود سے
میں تہی دستِ ازل بے ساز و ساماں رہ گیا

چوس لینا تھی تجھے تیرِ ستمگر کی زباں
کھول کر مُنہ کس لیئے اے زخمِ خنداں رہ گیا

داغِ دل سے اُڑتی ہیں زیرِ کفن چنگاریاں
کیا پسِ مردن بھی میں آتش بداماں رہ گیا

پھونک ڈالا سوزِ غم نے عاشقِ بیمار کو
گھُل کے بستر پر مثالِ جسم بے جاں رہ گیا

فاتحہ پڑھیے کہ مردہ ہوگئیں سب حسرتیں
دل بغل میں صورتِ گنجِ شہیداں رہ گیا

دل جگر پہلے ہی دونوں خون ہو کر بہ گئے
رہ گیا کچھ تو سرشکِ چشمِ گریاں رہ گیا

ذکرِ اوصافِ دہن میں اُٹھ گیا رخ کا خیال
شرح کوثر کرتے کرتے درسِ قرآں رہ گیا

درد اُٹھ اُٹھ کر ہمیشا خون تھکواتا ہے کیوں
ٹوٹ کر سینے میں کیا کچھ جزوِ پیکاں رہ گیا

زلف کو رُخ کہدیا رُخ کو کہا زلفِ سیاہ
بیخودی میں امتیازِ کفر و ایماں رہ گیا

پیسے دیتا ہے مجھی کو آسیائے دہر میں
میں ہی کیا سہنے کو ظلم اے چرخِ گرداں رہ گیا

دشتِ وحشت میں نہیں کوئی رفیقِ بیکسی
بنکے میں منت کشِ غولِ بیاباں رہ گیا

زلفیں رُخ پر چھوڑ کر بیٹھے ہو کسکے سوگ میں
کس لئے گہنا کے خورشیدِ درخشاں رہ گیا

خوابِ غفلت سے نہ چونکا میں کسی دن بانصیب
زندگی بھر مبتلائے جرمِ عصیاں رہ گیا

یار کے لبہائے رنگیں سے ہو کس کو ہمسری
پانی پانی ہو کے جب لعلِ بدخشاں رہ گیا

جتنے تھے اربابِ فن ایک ایک کرکے چل بسے
خالی ہو کر پھول سے صحنِ گلستاں رہ گیا

کچھ نہ پوچھو قیسؔ کی افسردہ حالی کا سبب
بجھ کے دل ہمصورتِ شمعِ شبستاں رہ گیا

حسینوں میں حسیں ایسا مرا سروِ رواں نکلا
ہوئی خلقت تماشائی جدھر عشوہ کناں نکلا

تری محفل سے جو نکلا وہ سرگرمِ فغاں نکلا
کلیجا تھام کر ہاتھوں سے بیتاب و تواں نکلا

تجلی خیز دل ہو کر جلا بخششِ نظر کیا ہو
جسے سمجھے تھے نور آنکھوں کا ہم رازِ نہاں نکلا

کھٹک بنکر جو دل میں تھا فغاں بنکر لبوں پر ہے
ترا تیرِ محبت بھی کہاں ڈوبا کہاں نکلا

مناسب تھا ترے کوچے میں پیوندِ زمیں ہونا
مگر قسمت کی خوبی میں وہاں سے نیم جاں نکلا

کھڑے ہیں گھات میں بیدردیوں سے لوٹنے والے
متاعِ حُسن لیکر تو کدھر بے کارواں نکلا

مرے سوزِ جگر کا اس قدر سر پر دُھواں چھایا
کہ گویا آسماں ایک اور زیرِ آسماں نکلا

کوئی برقِ جہندہ ہے وہ یا کوئی چھلاوا ہے
اِدھر گرجا اُدھر برسا یہاں کڑکا وہاں نکلا

عدو کا گلشنِ ہستی رہا پھولا پھلا ہر دم
مرا باغِ تمنا ہائے کیوں وقفِ خزاں نکلا

اُمید و یاس کے جھگڑے میں ابتک زندگی کاٹی
کوئی ارمان دل لیکن نہ اے جانِ جہاں نکلا

رہا ہوں عمر بھر پامالِ غم حرماں نصیبی سے
مرے حق میں تو بکا عشق دردِ جانستاں نکلا

ترے سائے میں رہ کر غیر سے ہوگی توقع کیا
تعجب ہے کہ تو ہی اے فلک نامہرباں نکلا

ہٹا کر گھونگھٹ اپنے روئے آتش رنگ سے وہ بُت
ہمارا کاخِ ہستی پھونکنے کو شادماں نکلا

سرِ مقتل تھے لاکھوں بھرنے والے دم محبت کے
وفا میں سب سے میرا ہی مگر پلّا گراں نکلا

بھرے ہیں تیری باتوں میں غضب کے چُلبلے فقرے
نرالا ساری دنیا سے تو اے جادو بیاں نکلا

مری الفت کسی سے میں نے مانا سخت بیجا ہے
بتا اے شیخ تو کیوں مائلِ حورِ جناں نکلا

نہ ہوتا کس طرح مشہور دوراں عشق بازی میں
ازل ہی سے میں جب دلدادۂ حسنِ بتاں نکلا

رہا میں دھوکے ہی دھوکے میں ابتک ہائے ری غفلت
مرا خلوت نشینِ دل مکینِ لامکاں نکلا

کہاں جاؤں کدھر ڈھونڈوں نشاں اُسکا کہاں پاؤں
مجھے جس کی طلب ہے دور از وہم و گماں نکلا

جگر دل پھُنک رہے ہیں دونوں تیری نغمہ سنجی سے
مگر اے قلیس تو بھی شاعرِ آتش زباں نکلا

کیا کہوں فرقت میں کیا ای جان جاں ہوجائے گا
چار دن جینا مجھے بارِ گراں ہوجائے گا

یہ نہ سمجھا تھا کہ یوں نامہرباں ہوجائے گا
عشق میرے حق میں جورِ آسماں ہوجائے گا

تم نے پیدا کی اگر کچھ بھی لگاوٹ غیر سے
دیکھ لینا ایک دن جو نا گماں ہوجائے گا

آئینہ خانے سے جب تک وہ سنور کر آئینگے
ختم اپنا کام ہی شاید یہاں ہوجائے گا

رہ گئے ہم پی کے آنسو رات بزم یار میں
ڈر لگا تھا یہ کہ دشمن رازداں ہوجائے گا

ہر کڑی زنجیر کی دے گی مبارک باد مرگ
حلق پر جب خنجرِ قاتل رواں ہوجائے گا

آپ رو رو کر رُلائے گا انہیں پیغام بر
حال میرا کہتے کہتے نوحہ خواں ہوجائے گا

رات دن کھٹکا لگا رہتا ہے اپنی جان کا
واقعہ کوئی نہ جانوں کب کہاں ہوجائے گا

نالۂ پُرسوز سنکر رحم اگر آیا اُنھیں
سایۂ ابرِ کرم سر پر دُھواں ہوجائے گا

تاروں کی مانند چمکیں گے شرارے آہ کے
داغ دل زینت دہِ کون و مکاں ہوجائے گا

رنگ لائے گی مری عاشق مزاجی حشر میں
فیصلا جب حق و باطل کا وہاں ہوجائے گا

میں نے تم کو دل دیا تھا اور ہی کچھ سوچ کر
یہ کسے معلوم تھا وہ رائگاں ہوجائے گا

ہاتھ میں آئینہ لیکر اپنی صورت دیکھ لو
آپ میرا حال دل تم پر عیاں ہوجائے گا

پیتے ہی جامِ شہادت کوچۂ سفاک میں
طائرِ روحِ رواں خلد آشیاں ہوجائے گا

خط ہمارا لے کے خالی ہاتھ اے قاصد نہ جا
غیر ہو گا تو کوئی قصّا وہاں ہوجائے گا

آئے گی تقدیر میری جب کسی دن راہ پر
وصل کا سامان بے شان و گماں ہوجائے گا

آرزو غیروں کو ہو تو آزما کر دیکھ لیں
جو نہ ہونا ہی وہ ای جانِ جہاں ہوجائے گا

جل مرے اعدا جب اُس نے حال میرا یوں کہا
جان کا سودا نصیبِ دشمناں ہو جائے گا

آتشِ سوزِ درونِ سینہ بھڑکے گی اگر
ہر دہانِ زخمِ دل شعلہ فشاں ہو جائے گا

اس طرح قابو سے باہر اے دلِ مضطر نہ ہو
منکشف بے فائدہ رازِ نہاں ہو جائے گا

شعر اچھے ہوں گے تو کوئی نہ کوئی ایک دن
غیب سے اے قیس پیدا قدرداں ہو جائے گا

ہے گرمِ سازِ تیغِ تیزِ قاتل سے گلو میرا
رگوں سے بہ چلا ہے پانی ہو کر اب لہو میرا

مجھے بے چین کرتا ہے دلِ پُر آرزو میرا
کہیں گھبرا نہ جائیں دیکھ کر وہ رنگ رو میرا

زباں اپنی دیئے دیتا ہوں رکھ لو منہ میں اے قاصد
کہ پیدا ہو تری باتوں میں لطفِ گفتگو میرا

سرِ محفل نہ باز آتے مجھے آنکھیں دکھانے سے
مگر سمجھا گیا کچھ اُن کو پاسِ آبرو میرا

کسی کا حُسن کہتا ہے کہ دل تھامے رہو کوئی
سراپا فتنۂ محشر ہے یہ جوشِ نمو میرا

بمشکل میں نگاہِ محتسب سے بچ کے آیا ہوں
مے گلگوں سے بھر دے جلد اے ساقی سبو میرا

ابھی تم امتحانِ جاں نثاری کر لو مقتل میں
وفا کا دم بھرے گا میرے آگے کیا عدو میرا

ہمیشہ کچھ نہ کچھ باتیں بنا کر ٹال جاتا ہے
مرے مطلب کو سُن کر وہ حسینِ خوبرو میرا

میں اوروں کو کہوں کیا آپ ہی محوِ تحیر ہوں
کہ فرطِ عشق میں کس کے ہے شہرہ چار سو میرا

نہیں معلوم تم کیوں بے سبب شرمائے جاتے ہو
اگر بوسے لبِ خنجر کے لیتا ہے گلو میرا

عبادت ہے خطا کی شرم سے سر کا جھکا رہنا
سرشکِ چشمِ تر سے منہ کو دھونا ہے وضو میرا

کہیں ایسا نہ ہو آمادۂ فریاد ہو جائے
رہے گا سینۂ صد چاک کب تک بے رفو میرا

اٹھاؤں خوب وصلِ عاشق و معشوق کی لذت
کسی کا دستِ نازک ہو اگر طوقِ گلو میرا

لُبھا لیتا ہوں دم بھر میں ستمگارانِ عالم کو
الگ ہے ساری دنیا سے طریقِ گفتگو میرا

چھلک جائے اُبل کر جوشِ مستی میں نہیں ممکن
مئے وحدت سے گو لبریز رہتا ہی سبو میرا

محبّت میں یہ جوشِ اتحاد اے قیس پیدا کر
کہ خود کہنے لگے وہ بُت کہ میں تیرا ہوں تو میرا

جب تک اس میں تو نہ تھا بے نورِ کاشانہ تھا
دل مرا کاہے کو تھا ویرانہ ہی ویرانہ تھا

سچ بتا اے شمعِ محفل کون وہ پروانہ تھا
جس کے جل بجھتے ہی تیرا رنگ محجوبانہ تھا

رات ساقی نے جوابِ آتشیں مجھ کو دیا
شکر کے جملے لبوں پر ہاتھ میں پیمانہ تھا

قصہ خواں سے حال جس کا سُنکے رو دیتے تھے تم
میں ہی وہ رنجور ہوں میرا ہی وہ افسانہ تھا

تربتِ شیریں کی لینا تھی خبر فرہاد کو
مرگیا سر پھوڑ کر کمبخت کیا دیوانہ تھا

وصل کی شب آگیا جب بے وفائی کا گِلا
ہنسکے بولے وہ بھی ایک اندازِ معشوقانہ تھا

عشق کرنے کا حسینوں سے ہوا انجام موت
دل لگانا اُن سے گویا جان کا بیعانہ تھا

سخت حیرت ہے کہ کیونکر بڑھ گئی گھر کی لگی
خانۂ دل ہی میں جب موجود صاحب خانہ تھا

ساری دنیا چھان ماری جستجوئے یار میں
چن لیا جس جس جگہ قسمت کا جو جو دانہ تھا

کس ڈھٹائی سے وہ کہتے ہیں مرا دل چھین کر
تیرے پہلو میں یہ مثلِ شاہدِ بیگانہ تھا

بعد مرنے کے دکھایا بے نیازی نے اثر
میری میت پر ہجومِ شوکتِ شاہانہ تھا

نشۂ حُسنِ شباب اس شوخ کا میں کیا کہوں
آنکھیں تھیں مخمور جو انداز تھا مستانہ تھا

اپنی قسمت ہی مخالف ہو تو اسکا کیا علاج
ورنہ دل دینا حسینوں کو کبھی بیجا نہ تھا

جام مے پی کر جو ہم ساقی کے آگے گر پڑے
بیخودی ہرگز نہ تھی وہ سجدۂ شکرانہ تھا

خوب ہی جوشِ جنوں میں نام اپنا کر گیا
لوگ جس کو قیس کہتے ہیں بڑا فرزانہ تھا

ردیف بائے موحدہ

بے حجابی میں تو ہے اللہ ری اتنا حجاب
یہ نہیں معلوم کیا ہوتا اگر ہوتا حجاب

وصل کی شب مختصر اس میں نہیں اچھا حجاب
مُنہ دکھا گھونگھٹ اُٹھا عاشق ہوں مجھسے کیا حجاب

پردے ہی پردے میں کیسا دل چُرا کر لے لیا
ہیں نئے خوب اے بندہ پرور آپکا دیکھا حجاب

قتل کرنے پر تُلے بیٹھے ہو اتنا سوچ لو
جان جائے گی ہماری تم کو بھی ہوگا حجاب

میری وجہِ مغفرت شرمِ گنہگاری ہوئی
حشر کے دن پیشِ داور جب مجھے آیا حجاب

چیخ اُٹھونگا درد و غم سے کھل پڑینگے رازِ عشق
جس میں ہوں رسوائیاں کس کام کا ایسا حجاب

بات ہی کیا ہے جوانی کی ترنگ آنے تو دو
خود لپٹ جاؤ گے تم مٹ جائیگا سارا حجاب

مجھ سے چھُپ سکتیں نہیں ہرگز تری چالاکیاں
دل لُبھانے کی ہیں گھاتیں شرم کیا کیسا حجاب

ایسی خلوت ایسی تنہائی میں یہ کیسی حیا
ہاں جو مجمع ہو تو بیشک چاہیئے تھوڑا حجاب

ذرّے ذرّے میں تو ہے جلوہ تمہارا آشکار
کیا سمجھ کر طور پر موسیٰ سے آیا تھا حجاب

ہے یہی انداز گھونگھٹ کا تو پیارے ایکدن
مار ڈالے گا مقرر مجھ کو یہ تیرا حجاب

آتے ہی میری بغل میں چٹکیاں لینے لگے
ہو کے ہم پہلو جو تم چاہو تماشا دیکھ لو
کچھ اُدھر بھی آرزو تھی کچھ ادھر بھی آرزو

گدگداتی بھی شرارت کس طرح رہتا حجاب
باندھتا ہوں شرط ہرگز رہ نہیں سکتا حجاب
جب کہیں جاکر بمشکل وصل میں اُٹھا حجاب

کیا کہوں اے قیس اپنا اُن کی جانب دیکھنا
اور اُن کا مُنہ چڑھا کر مجھ سے کرلینا حجاب

تم نے لکھا بھی تو کیا لکھا مرے خط کا جواب
ایک دو ہوتے تو اچھا یا بُرا ہوتا جواب
میں نے جو جو کچھ کہا ہر ایک کا پایا جواب
خاطرِ اغیار سے دم لینے کی فرصت نہ تھی
قند کے کوزوں میں بھردی تم نے تلخی زہر کی
میرے جی کی آرزو۔ حسرت۔ تمنا پوچھ کر
دیکھکر آئینہ وہ اِترا کے یوں کہنے لگے
میکشوں نے خوب کی دعوت جنابِ شیخ کی
سر سے لے کر پاؤں تک اُلجھی ہوئی تحریر ہی
کرتے کرتے انتظار آنکھیں مری پتھرا گئیں
کیا یہی شرطِ مروت ہے یہی اخلاق ہے
ایک حیلا مغفرت کے واسطے درکار ہے

فقرہ فقرا دل شکن ہر بات کا اُلٹا جواب
سیکڑوں الزام ہیں دوں کس کا کس کا کیا جواب
کاش سُنتے اُن جوابوں کا بھی وہ تھوڑا جواب
ایسی محویت میں وہ بُت کسطرح لکھتا جواب
میٹھے جملوں میں ہلاہل ہو گیا تیکھا جواب
کیا توقع ہے کہ تم دو گے مجھے سیدھا جواب
باغ عالم میں نہ ہوگا کوئی بھی میرا جواب
ہو گئے زہدِ ریائی کے مے و مینا جواب
واہ اے قاصد یہی لایا ہے تو اچھا جواب
نامہ بر کیا ہو گیا اب تک نہیں لایا جواب
میری سیدھی بات کا دیتے ہو تم ٹیڑھا جواب
پرسشِ روزِ جزا کا کوئی کیا دیگا جواب

حشر کے دن پیش داور وہ مری فریاد سے
پانی پانی ہو گیا مُنہ سے نہ کچھ نکلا جواب

پڑھ کے میرا خط وہ آپی آپ یہ کہنے لگے
قیسؔ کے الزام کا کچھ ہو نہیں سکتا جواب

مجھکو رفعت کی طلب ہے کچھ نہ حشمت کی طلب
دل میں جو کچھ ہے وہ ہے تیری محبت کی طلب

ہے عبث حد سے فزوں تر مال و دولت کی طلب
چاہیے انسان کو ملکِ قناعت کی طلب

ہوشمندانِ ازل ہرگز روا رکھتے نہیں
چار دن کی زندگی میں عیش و راحت کی طلب

ہو گیا لبریز میرا کاسۂ عمرِ رواں
اب کروں کس دن کی خاطر شان و شوکت کی طلب

باریابی کی تمنا کیوں نہیں ہوتی مجھے
جا گزیں ہے گوشۂ دل میں زیارت کی طلب

جلوۂ صبر آزما ثابت قدم رہنے بھی دے
بیخودی میں کیا کروں میں استقامت کی طلب

منفعل ہیں زندگی بھر کی سیہ کاری سے ہوں
پردہ پوشِ جرم عصیاں سے ہے رحمت کی طلب

جادۂ اُلفت میں مٹ جائیں گی سب دشواریاں
اے دلِ دردآشنا کر تھوڑی ہمت کی طلب

لا کے مقتل میں نہ چھوڑو تشنۂ آبِ حیات
مدتوں سے ہے مجھے جامِ شہادت کی طلب

پندِ واعظ کی حقیقت صاف ہم پر کھُل گئی
ہے نہاں تقریر کے پردے میں شہرت کی طلب

نقش بھی کیا نام فانی کا نہ رہنے دینگے وہ
ہو رہی ہے کیوں ہمارے سنگ تربت کی طلب

کون ہے تیرے سوا یارب مرا فریاد رس
جا کے میں کس سے کروں اپنی حمایت کی طلب

طاعتِ احمد میں مضمر عشق ہے اللہ کا
جس طرح راہِ شریعت میں حقیقت کی طلب

لطف مضموں کچھ نہ پیدا ہو سکا اشعار میں
چلتے چلتے تھک گئی زورِ طبیعت کی طلب

حشر پر موقوف کس کا وعدۂ دیدار ہی
کس کی اُمیدِ وفا پر ہے قیامت کی طلب

محوِ سرِّ لم یزل ہوں ماسوا سے کیا غرض
ہو مبارک غیر کو حوران جنت کی طلب

قیس کا آنا تری کوچے میں بی علت نہیں
کھینچ لائی ہی علاجِ دردِ فرقت کی طلب

ہو چکی ہونا تھی جو جو کچھ مجھے راحت نصیب
ہے فقط رونا ہی رونا اب تو یا قسمت نصیب

ایسی تنہائی میں کیا جینے کی ہو لذت نصیب
جب نہ وہ یاروں کی جلسے ہیں نہ وہ صحبت نصیب

کون تھا میری طرح جو کھیل جاتا جان پر
کس کو یہ توفیق تھی کس کو تھی یہ ہمت نصیب

سر اُٹھا کر چلنے والے مُنہ کے بھل گرتے رہے
خاکساری سے ہوئی جسکو ہوئی رفعت نصیب

جو نہ ہوتے تھے مرے پہلو سے دم بھر بھی جدا
اب اُنھیں کو بولنے تک کی نہیں فرصت نصیب

آتے جاتے بھی تو مڑ کر اے ستمگر دیکھ لے
تیرے کوچے میں تڑپتا ہی کوئی آفت نصیب

نامرادی نے مجھے لا کر ملایا خاک میں
کیا توقع ہے کہ ہو شمعِ سرِ تربت نصیب

جان دے کر عاشقوں میں ہم نے پائی آبرو
قبر تک اُس گل کے آنے کی ہوئی عزت نصیب

اِس قدر اے حضرتِ ناصح نہ مجھکو چھیڑیئے
آپ سے کج بحثیوں کی ہی کسے مہلت نصیب

شور سُن سُن کر مری آشفتہ حالی کا وہ شوخ
ہنسکے کہتا ہی کہ یوں بھی ہوتی ہی شہرت نصیب

باغ جنت کی تو سب راہیں مجھے معلوم ہیں
تم سے ملنے کی بھی ہی کوئی وہاں صورت نصیب

دل لگا کر ہم تو سمجھے تھے کہ ہو گا وصل یار
سر منڈاتے ہی پڑے اولے ہوئی فرقت نصیب

خوب ہی آ کر اجل نے کر دیا غم کا علاج
مجھ مریضِ ناتواں کو ہو گئی صحت نصیب

عیش دنیا کے مزے ہیں منعموں کے واسطے
ہم فقیروں کو کہاں آرام یا دولت نصیب

قیسؔ جس کو لوگ کہتے ہیں کہ شاید مر گیا
ہائے کیا ہی بامروت شخص تھا جنت نصیب

اقرار کا ہے پاس نہ انکار کا جواب
ہے ایک خامشی بت عیار کا جواب

بجلی جو چمکی ڈر کے وہ مجھ سے لپٹ گئی
تھا رعد میری آہ شرر بار کا جواب

رونق پذیر ہے رخ گلگوں سے باغ حسن
ہیں تیری آنکھیں نرگس بیمار کا جواب

قطروں میں آنسوؤں کے ہو دُرِّ عدن کی آب
چشمان تر ہیں ابر گہر بار کا جواب

دونوں نے مل ملا کے ہمیں خاک کر دیا
فرشِ زمیں ہے چرخ ستمگار کا جواب

وہ روز مانگتے ہیں نیا دل نیا جگر
کیا دوں میں اُن کے بے محل اصرار کا جواب

اے نامہ بر نوشتۂ تقدیر جانتا
لا جلد جا کے طالب دیدار کا جواب

پیدا ہوا بھی ہو کہیں ایسا کوئی حسیں
لائیں کہاں سے ڈھونڈ کے ہم یار کا جواب

سرمست جام عشق ہوں اے پیر میکدہ
ہے کون مجھ سے رند قدح خوار کا جواب

جنبش میں آتے ہی بھے چور نگ کر دیا
تیری بھویں ہیں خنجر خونخوار کا جواب

ثابت ہو کوئی جرم تو دو شوق سے سزا
پہلے سنو بھی قیسؔ گنہگار کا جواب

کیا کرونگا میں تری تلچھٹ بھری لیکر شراب
دے مجھے اے پیر میخانہ کوئی بہتر شراب

ہجر میں خوش آئے کیا شیشا سبو ساغر شراب
قہر سامانِ طرب ہے زہر بے دلبر شراب

بادہ نوشی میری تو اے شیخ ظاہر ہیں نہ پوچھ
ذات حق پیرِ مغاں ہے عشق پیغمبر شراب

فیض ساقی کی بدولت خوب ہی چسکا پڑا
ڈھونڈتا ہے رات دن میرا دلِ مضطر شراب

ہر رگِ گردن سے یہ پانوں کی سُرخی ہے نمود
یا جھلکتی ہے برنگِ لالۂ احمر شراب

سب نظر آتے ہیں مجھ کو ہولیاں گاتے ہوئے
آج کل مثلِ پری ہے رقص میں گھر گھر شراب

وقت پیری بھی نہ بامعنی مری توبا ہوئی
عمر بھر کی مُنہ لگی تھی چھوٹتی کیونکر شراب

حور بن کر جلوہ فرما ہو گی یہ قاضی کے گھر
رکھ لے تو اے محتسب اک ظرف میں سرپر شراب

آؤ چل کر باغ میں فرشِ زمرد رنگ پر
لُطف اُٹھاتے جائیں پی کر اے پری پیکر شراب

قتل ہو کر لذتِ پُرکیف کیوں حاصل نہ ہو
ہے شہیدوں کے لیئے آبِ دمِ خنجر شراب

وہ نگاہِ لطف ہو یارب کہ وقتِ بازپُرس
مستیاں دکھلائیں ہم پی کر سرِ محشر شراب

اور کچھ خواہاں نہیں اے ساقیِ جامِ الست
اپنے خمخانے کی دیدے مجھ کو چلو بھر شراب

خوب چمکے گی ہماری مے پرستی حشر میں
دینگے اپنے ہاتھ سے جب ساقیِ کوثر شراب

دل میں ہے یادِ خدا لب آشنائے ذوقِ مے
کعبے میں ہے اور ہی کچھ کعبے کے باہر شراب

مغبچوں کے ساتھ دیکھا ہے جنابِ قیس کو
بھٹیوں میں بیٹھ کر پیتے ہوئے اکثر شراب

گوش دل سے سُننے کو رازِ نہانِ عندلیب
نغمہ سنجانِ چمن ہیں میہمانِ عندلیب

شعلہ زن ہے نالۂ آتش فشانِ عندلیب
پُھنک نہ جائے خارخارِ آشیانِ عندلیب

کیوں نہ دردانگیز ہوتی داستانِ عندلیب
فصلِ گل میں جورِ گلچیں پھر بیانِ عندلیب

ہو گئے خاموش نالے سنتے ہی سارے طیور
تا کجا اے چرخِ پیر اب امتحانِ عندلیب

دیکھئے فریادِ عاشق رائگاں جاتی نہیں
گل گریباں چاک ہی سُنکر فغانِ عندلیب

زمزمہ پیرائے گلشن گو ہیں لاکھوں جانور
عشقِ صادق سے ہی لیکن خاص شانِ عندلیب

گلرخوں کو ماجرائے غم سُنانے کے لیئے
میں کہاں سے لاؤں تاثیرِ زبانِ عندلیب

خوفِ گلچیں ہے کبھی۔ ڈر ہے کبھی صیّاد کا
موسمِ گل بھی ہے کوئی قہر جانِ عندلیب

کیا ہیں سرگرمِ ترانہ یہ شجر کی پتیاں
یا کفِ افسوس مل کر نوحہ خوانِ عندلیب

مُشتِ خارِ آشیاں ہو یا ہوں چند افتادہ پر
رہنے دے اے باغباں کچھ تو نشانِ عندلیب

ناحق اے صیّاد اسیرِ کنجِ تنہائی نہ کر
آگ برسائے گی چشمِ خوں فشانِ عندلیب

اُس کے نغموں سے جو محوِ خندہ کلیاں ہو گئیں
کیا رگِ گل میں بھی ہی خونِ روانِ عندلیب

بس کر اے صیّاد اب قیدِ قفس کی سختیاں
اُڑ نہ جائے پھڑپھڑا کر مرغِ جانِ عندلیب

آتے ہی فصلِ خزاں کے لٹ گئی ساری بہار
خاک اُڑاتا پھر رہا ہے کاروانِ عندلیب

با اثر کیونکر ہوئی اے قیسؔ تیری شاعری
ہاں اُڑا لی ہے مگر طرزِ بیانِ عندلیب

مرا گھر ہو رشکِ چمن آجکی شب
اگر آئے وہ گل بدن آج کی شب

مجھے دو لُعابِ دہن آج کی شب
کہ دکھلادوں لطفِ سخن آج کی شب

نہ کچھ ہنستے ہو تم نہ کچھ بولتے ہو
بنے بیٹھے ہو بے دہن آج کی شب

نکلتے نہ تھے جو کبھی گھر سے باہر
ہیں رونق دہِ انجمن آج کی شب

یہ رہ رہ کے ذکرِ عدو چھیڑ کر کیوں
بڑھاتے ہو دل کی جلن آج کی شب

سبق لے کے تم غیر کی پٹیوں کا
نہ باتیں کرو دل شکن آج کی شب

ملے لب سے لب اور سینے سے سینا
ہو یوں وصل اے جانِ من آج کی شب

اِدھر اور اُدھر شوق تھا دونوں جانب
ہوئی شرم کیوں راہزن آج کی شب

نہ اُٹھنا اب مجھے نیم بسمل. بنا کر
تو اے میرے ناوک فگن آج کی شب

تری زلفِ مشکیں کی خوشبو کا سودا
دلاتا ہے یادِ ختن آج کی شب

خدا رکھے پھولوں کے گہنے پہن کر
بنے ہیں وہ گل پیرہن آج کی شب

چلے ہو کہاں مجھ کو بیجان کر کے
کرو فکرِ گور و کفن آج کی شب

بہت وعدے کر کے دغا دے چکے ہو
نہیں چلنے کا مکر و فن آج کی شب

وہ بُت ہے تو اے قیسؔ تم اُسکے آگے
رہو صورتِ برہمن آج کی شب

ردیف باے فارسی

منتوں پر آج آئے ہیں بڑی مشکل سے آپ
کیوں گلے ملکر نہیں لیتے دعائیں دل سے آپ

ذبح کرنے کی اُنھیں تکلیف دینا ہی عبث
ہم گلا کاٹیں گے اپنا خنجرِ قاتل سے آپ

کیا بتائیں گے احبا میرے مرنے کا سبب
یہ معمّا کیجئے حل وعدۂ باطل سے آپ

جز متاعِ داغ دل ہم اور کچھ رکھتے نہیں
ہے وہ کیا جو چاہتے ہیں عاشقِ کامل سے آپ

سیدھے سیدھے دل میں آنا سہل تھا آنکھوں کی راہ
پھیر کھا کر ناحق آئے دور کی منزل سے آپ

میرے ہوتے اوروں میں کرتے ہیں الفت کی تلاش
ہوں گے رسوا ایک دن اس سعیٔ بے حاصل سے آپ

اپنی آنکھوں سے سرِ مقتل تڑپتا دیکھ کر
غیر ممکن ہے نہ لپٹیں سینۂ بسمل سے آپ

چلیے دیکھا ختم جب سب لن ترانی ہو چکی
بند کرنے آئے ہیں تقریرِ لاطائل سے آپ

عاشقوں میں شورِ محشر خیز برپا ہو گیا
اُٹھ گئے آزردہ ہو کر جب بھری محفل سے آپ

میرے رونے سے رواں ہے آجکل سیلابِ اشک
جوشِ طوفاں آ کے دیکھیں دامنِ ساحل سے آپ

لیجیے اے شیخ اگر ہم سے رندوں کے قدم
فیض کیا حاصل کرینگے غیر ناقابل سے آپ

اس طرح برباد کی جائے یہ وہ مٹی نہ تھی
خشتِ میخانہ بناتے میری آب و گل سے آپ

نالہ سن کر قیس کا وہ لیلیِ پردہ نشیں
کیا عجب باہر نکل آئے اگر محمل سے آپ

ہر ایک وصف میں آئینۂ کمال ہیں آپ
ادا میں ناز میں شوخی میں بے مثال ہیں آپ

پری شعار پری وش پری جمال ہیں آپ
ریاضِ حسن کے سر سبز نونہال ہیں آپ

کسی کو چین سے رہنے دیں یہ نہیں ممکن
جفا پسند ستمگر فلک خصال ہیں آپ

کہاں تک اے خلشِ دل ستائے گی
کہ ہم زمانے کی چالوں سے پائمال ہیں آپ

نہیں ہے فیض سے اوروں کو آب و رنگِ چمن
بہارِ گلشنِ ہستی کے خط و خال ہیں آپ

عدو کے حق میں ز سر تا بپا محبت ہیں
ہمارے واسطے سرچشمۂ جلال ہیں آپ

سوائے آپ کے اللہ سے میں کیا مانگوں
کہ دل ہیں آپ جگر آپ جان و مال ہیں آپ

بڑے بڑوں کے لبوں پر ہے مہر خاموشی — وہ نکتہ سنج سخن فہم و خوش مقال ہیں آپ
تمام ماہوشانِ جہاں جو انجم ہیں — تو نیّرِ فلکِ حُسن لازوال ہیں آپ
مزید شور و فغاں کا سبب نہ بن ناصح — غمِ فراق کے صدموں سے ہم نڈھال ہیں آپ
کھنچے تو کھنچ کے بنے تیغ عاشقوں کیلئے — جُھکے تو جُھکتے ہی اب خنجرِ ہلال ہیں آپ
ہزار جور و ستم پر بھی دم نہیں لیتے — فریب خوردۂ یاران بدخصال ہیں آپ

سکھائی کس نے یہ اے قیسؔ ترکِ مے نوشی
خمارِ نشہ کے ہاتھوں جو خستہ حال ہیں آپ

ردیف تاے فوقانی

بے یار ایک ساعت جینا ہوا قیامت — کمبخت دل نے مجھ پر ڈھائی ہی کیا قیامت
ہجرِ بتاں کے صدمے جھیلے کوئی کہاں تک — یا وصل ہو میسّر آجائے یا قیامت
ناصح کی گفتگو پر کس طرح کان دھرتے — بربادیاں لکھی تھیں قسمت میں تا قیامت
آئے مقابلے میں اُس شوخ فتنہ گر کے — بیٹھی ہی مُنہ چھپائے کیوں اے خدا قیامت
معشوق کہکے تجھ کو میں آپ منفعل ہوں — بیفائدہ نہ اتنی سر پر اُٹھا قیامت
پہلے تو اُس نے خود ہی پوچھی مری تمنّا — سُنکر جو شرم آئی ڈھانے لگا قیامت
اک عشق کی بدولت کیا دولتیں ملی ہیں — فتنا۔ غضب۔ مصیبت۔ آفت۔ بلا قیامت
کل باغ میں جو اُس کو سرگرم سیر دیکھا — رفتار تھی غضب کی انداز تھا قیامت

اس کا تو مدتوں سے اک شور سن رہی ہیں
لاتی ہے رنگ کیا کیا دیکھیں فرا قیامت

کاہیکو میں کسی سے شکوا کروں کسی کا
کردے گی فیصلا خود اچھا۔ بُرا قیامت

الفت میں اور اتنی اے قیسؔ ناشکیبی
نالوں سے تونے برپا کردی ہی کیا قیامت

ہم کہاں اور کہاں شکوۂ شکایات کی بات
جالگتا ہے کوئی یار سے بے بات کی بات

آپ ہی کرتے ہو تم ترک ملاقات کی بات
یا سکھاتے ہیں عدو فتنہ فسادات کی بات

شیخ میخانہ بھی ہے مست مے جام الست
جس سے ہر دم ہی عیاں کشف و کرامات کی بات

کچھ نہ پوچھو کہ ہوئی کیا مرے دل کی حالت
یاد آئی جو گئی گزری ہوئی رات کی بات

دیکھتے ہی مجھے کیوں تم نے بنالی چتون
کیا نہ تھی اِسکے سوا اور مواسات کی بات

شرط انصاف نہ تھا حشر میں رسوا کرنا
کس طرح چھیڑتے ہم عذرِ مافات کی بات

ہم سمجھتے ہیں تری طرز و ادا کی شوخی
پھانسنے کو دل عاشق کی ہی یہ گھات کی بات

بادۂ عشق سے کرتا ہے مداوا دل کا
ہے پُر از کیف مرے پیر خرابات کی بات

اے غمِ یار نہیں دل میں سمائی تیری
موت پر ٹھہری ہی اب حل مہمات کی بات

جاں نثاروں کو تو مڑ کر بھی نہ دیکھا تم نے
مدعیوں سے رہی لطف و مدارات کی بات

میری آنکھوں نے لگا دی ہی جو ساون کی جھڑی
جوششِ اشک میں یاد آئی ہی برسات کی بات

اوروں کی آمد و شد پر تو کوئی قید نہیں
ہم مرے ہی لئے کیوں بندش اوقات کی بات

فرقتِ یار میں ہے زہر ہلاہل مجھکو
دور ساغر ہو کہ ہو مطرب و لذات کی بات

وجہ بیتابیٔ دل مجھ سے نہ پوچھیں احباب ... ہے یہ اک راز نہ انکار نہ اثبات کی بات
خالی از رمز کوئی فقرۂ تحریر نہیں ... پاسخِ خط ہے کہ ہے شرح اشارات کی بات

ختم بھی کیجئے اے شیخ کہانی اپنی
سُن چکے قیس بس اب قبلۂ حاجات کی بات

جل جل کے سوزِ ہجر میں اکثر تمام رات ... کاٹی ہے میں نے صورتِ اخگر تمام رات
تم کو نہ دیکھ کر سرِ بستر تمام رات ... تڑپا کیا ہوں درد سے مضطر تمام رات
موسیٰ کی طرح غش میں پڑا تھا میں صبح تک ... کیا کہئے تابشِ رخِ انور تمام رات
اللہ اُن کا ہنسکے تجاہل سے پوچھنا ... کل کس تلاش میں رہے دن بھر تمام رات
بوسوں سے ابروؤں کے نہ ہم باز رہ سکے ... کھینچے رہے ہزار وہ خنجر تمام رات
افسوس تم نے یہ بھی نہ پوچھا کہ ہجر میں ... سو کر بسر کی یا کہ تڑپ کر تمام رات
شاید ہمارے داغِ جگر کا وہ عکس تھا ... چمکا جو مہر بن کے فلک پر تمام رات
رندوں میں فیضِ صحبتِ ساقی سے آجکل ... چلتے ہیں دورِ شیشہ و ساغر تمام رات
کیا پوچھتے ہو مجھ سے شبِ غم کی بیکلی ... ہر تار فرش تھا مجھے نشتر تمام رات
دن بھر رہیں نصیب جو صحرا نوردیاں ... وحشت لیئے پھری مجھے گھر گھر تمام رات
اُس رشکِ ماہ کو مرے پہلو میں دیکھ کر ... جلتا رہا ہے چرخِ ستمگر تمام رات
یہ بخت یہ نصیب یہ قسمت خدا کی شان ... اُن کے قدم تھے اور مرا سر تمام رات
میں دل میں آتشِ غمِ فرقت لیئے رہا ... سر میں خیالِ شاہدِ دلبر تمام رات

صدقے تمھارے پھولوں کی گھنونکی باس کی
خوشبو سے تھا دماغ معطر تمام رات

تربت بھی قیس کی ہدفِ کودکان رہی
دن بھر پڑے جو ڈھیلے تو پتھر تمام رات

نظر آتے ہی اس قاتل کی صورت
جگر ٹکڑے ہوا بسمل کی صورت

بتاؤں کیا میں اپنے دل کی صورت
ہے اک لیلیٰ کا گھر محمل کی صورت

میں اکثر تا درِ میخانہ پہنچا
لباسِ فقر میں سائل کی صورت

تلاشِ خضر سے مجھ کو غرض کیا
ہے دل ہی رہبرِ کامل کی صورت

میں پہنچا بارہا اُس کی گلی میں
بنا کر مردِ لایعقل کی صورت

خراشِ گوش ہیں ناصح کی باتیں
کلامِ طول لاطائل کی صورت

فسانا سوز و غم کا کہہ گیا میں
وہ چپ بیٹھا رہا غافل کی صورت

وفا کی تم سے کیا رکھوں توقع
ہے وعدا وعدۂ باطل کی صورت

بڑی مشکل سے آیا ہوں یہانتک
بھٹکتا پوچھتا منزل کی صورت

وہ کیونکر سمجھیں میری بیقراری
ہوں دیوانا مگر عاقل کی صورت

مری کشتِ تمنّا مدتوں سے
پڑی ہے مُردہ بے حاصل کی صورت

نہ آیا کچھ نظر جز سیل گریہ
رہیں آنکھیں لبِ ساحل کی صورت

وہ برہم ہیں کہ نالوں سے چمن میں
بدل دی قیس نے محفل کی صورت

لے چلا[ا] ہے کھینچکر جذبِ محبت سوئے دوست — دے گی جنت کا مزا مجھ کو بہارِ کوئے دوست

کیا تجلی بخش ہے نورِ رخِ نیکوئے دوست — دیکھتا ہوں دل کی آئینے میں عکسِ روئے دوست

رشک گلہائے چمن ہے عارضِ گلگوں یار — غیرتِ سرو و صنوبر ہے قدِ دلجوئے دوست

ہے مشامِ جاں معطر زلف عنبر بیز سے — ہر طرف پھیلی ہوئی ہی نکہتِ گیسوئے دوست

اپنی قسمت سے جو شکوا ہی تو ہی اس بات کا — میرے ہوتے غیر سی کیوں گرم ہو پہلوئے دوست

چلتی ہے بادِ صبا کیا عطر میں ڈوبی ہوئی — بھینی بھینی آرہی ہی کسقدر خوشبوئے دوست

کیوں نہ ہر نقشِ قدم پر جان و دل سے ہوں نثار — چٹکیاں لیتی ہی رہ رہ کر جگر میں خوئے دوست

واہ ری شوقِ زیارت اُف رے جوشِ اشتیاق — رخ تو ہی قبلے کی جانب دل ہی لیکن سوئے دوست

آرزوئے ماسوا کو میرے دل سے دور کر — ای شمیمِ روح پرور ای ہوائے کوئے دوست

آپڑا ہے موجِ بحرِ عشق کے گرداب میں — پار کر بیڑا مرا اے قوتِ بازوئے دوست

گو ہجومِ حسرت و ارماں سے جی بچین ہے — وجہ تسکیں ٹھہری گی اک جنبشِ ابروئے دوست

مرجعِ جن و ملک ہے آستانا یار کا — سجدہ گاہِ خلق محرابِ خمِ ابروئے دوست

قتل ہوتے وقت نکلے جان بھی لذت کی ساتھ — ہو اگر سینا ہمارا تکیۂ زانوئے دوست

قدسیوں کو بھی عجب کیا ہی کہ رشک آنے لگے — ل کے مٹی میں جو ہو جاؤں غبارِ کوئے دوست

دیکھ اے شوقِ جنوں زا کوئی گستاخی نہ ہو — سب سے نازک تر ہی دل ہی سے نازک خوئے دوست

ا؎ سنہ ۱۳۲۵ ہجری میں زیارت حرمین شریفین کے ارادے سی روسفر ہونے کے وقت سے وہاں پہنچنے تک مختلف حالات میں مختلف مقامات پر مختلف جذبات کے تحت یہ اشعار کہے گئے تھے جو غزل کی صورت میں ایک جگہ جمع کر دیئے گئے ۱۲ منہ

ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہیں آج میرے دل جگر
دیکھکر جوہر ترا اے خنجرِ ابروے دوست

مجھ کو بھی تھوڑی جگہ ملتی صفِ عشاق میں
کاش ہوتا میں بھی پیوندِ زمیں کوے دوست

ہے صدا تکبیر کی یا شور ہے لبیک کا
مے گسارانِ وفا ہیں مست ہاو ہوے دوست

خلعتِ شاہی سی بڑھ کر جامۂ احرام ہے
قیسؔ اسی پوشاک میں جانا ہے تم کو سوے دوست

ردیف تاے ہندی

نظر نظر سے لڑاتے ہی سخت آئی چوٹ
مری شکستہ دلی کا پیام لائی چوٹ

بنی ہے سینے میں اک پنجۂ حنائی چوٹ
وہ تو نے منہدی لگے پاؤں سی لگائی چوٹ

مرا ہی دل وہ ہے جو درد و غم سے ہے لبریز
ہمیشہ اس کی نہ کیونکر کرے گدائی چوٹ

بتوں کے سنگ جفا کا اثر دکھانے کو
کرے گی عرصۂ محشر میں خودنمائی چوٹ

علاج درد میں ہیں سارے چارہ گر مجبور
نگاہ یار سے گر کر وہ ہم نے کھائی چوٹ

خجل ہوئے وہ دمِ حشر عین مجمع میں
دکھا کے بند جگر ہم نے جب گنائی چوٹ

حوادثات زمانہ سے دل ہے چکنا چور
یہ حادثے نہیں ہیں اصل میں خدائی چوٹ

کسی کا شیشہ محل سنتے ہیں خراب ہوا
کہاں سے آئینۂ دل میں آسمائی چوٹ

زمانے بھر میں جو پھیلا فروغ بے اثری
ہمارے درد کی دینے لگی دہائی چوٹ

نہ تا قیام قیامت تھے داغ مٹنے کے
یہ خیر گزری کہ دل پر نہ آنے پائی چوٹ

جو بے نصیب ہو نا آشنائے لذت درد
کسی کے کہنے سے کیا سمجھے وہ پرائی چوٹ

بنا ہے جب یہ مرا دل ہی کعبۂ مقصود
تو اس میں کیوں نہ کرے آ کے جبہ سائی چوٹ

لگانے بھی نہیں پایا وہ آنکھ کے ڈھیلے
کہ میری سمت بڑھی کرنے پیشوائی چوٹ

چمک چمک کے دکھائے گی نور کا عالم
تہِ مزار مرے دل کی مصطفائی چوٹ

وہ سُن کے قیس کے داغِ جگر کو کہتے ہیں
فریب دینے کو شاید کوئی بنائی چوٹ

ردیف ثائے مثلثہ

سوچے نہ سمجھے ہم ذرا ہو گئی کیا خطا عبث
آنکھیں اگر ملیں ملیں دل اُسے دیدیا عبث

سیکھ لی ان بتوں نے جب یہ روشِ جفا عبث
کہیے کسی سے کس لئے کوئی کرے وفا عبث

باب اثر تک اے فغاں تو نہیں پہنچیگی کبھی
آرزوِ محال میں پھرتی ہے جا بجا عبث

عشق کا نشہ وہ نہیں جس سے کہ توبہ کیجئے
ترک وفا کی گفتگو کرتے ہیں آشنا عبث

ہمنے ہجوم شوق میں بوسۂ لب لیا تو کیا
یہ بھی کوئی قصور ہے ہوتے ہو تم خفا عبث

دل ہو جگر ہو کوئی ہو جب نہ ہوا اختیار میں
بات کسی کی کیا سُنے سن بھی لی کچھ تو کیا عبث

وصل کی شب ہنسی ہنسی بات میں بات بڑھ گئی
چھوڑ کے اصل مدعا کرنے لگے گلا عبث

کوچۂ یار نام ہے ملک عدم کی راہ کا
جوشِ جنوں کدھر مجھے کھینچ کے لیچلا عبث

سُن کے مرا بیان شوق آپ خموش کیوں ہوئے
کچھ تو جواب دیجئے ہو وہ درست یا عبث

جسکے قدم زمین پر پڑتے نہ ہوں غرور سے
ایسوں سے کوئی کیا کرے وصل کی التجا عبث

روکے ہوا ہوں آہ کو رنج بہت نہ دیجیے
ورنہ یہ اک نہ ایک دن لائیگی کچھ بلا عبث

لاکھوں ہیں اس جہاں میں محو نشاط اے فلک
ایک مجھی کو دیکھکر رشک سے جل گیا عبث

سانس اُکھڑ چکی ہی تھی نبض بھی چھٹ گئی ہی تھی
ہائے وہ عین وقت پر ہوگئے کیوں جدا عبث

جی میں کسی کے حسرتیں کیسی ہی ہوں کسی کو کیا
روٹھے ہو کس گناہ پر پوچھ کے مدعا عبث

قتل کی دیکھکر خوشی کھینچ کے تیغ رہ گئے
قیس کے سر سے ٹل گئی آئی ہوئی قضا عبث

درد و غم سے ہیں بھرے قلب و جگر کیا باعث
پھر بھی نالوں میں نہیں کوئی اثر کیا باعث

آنکھوں میں نور ہی اُن کا تو دلوں میں تیرا
تجھ سے شرمندہ نہ ہوں شمس و قمر کیا باعث

ٹپکی پڑتی ہیں جو پلکوں سے لہو کی بوندیں
خون برساتے ہو اے دیدۂ تر کیا باعث

کل ہی مقتل میں چمکتی تھی یہ بجلی کی طرح
آج ہے کند تری تیغ دو سر کیا باعث

ہم سے ملنے میں تو ڈر تھا تمھیں رسوائی کا
غیروں میں بیٹھے ہو بے خوف و خطر کیا باعث

پھول پھل اِن میں کبھی آتے نہ دیکھا ہم نے
شجرِ عشق ہیں بے برگ و ثمر کیا باعث

کیا انھیں حوصلۂ جور و ستم ہی اب تک
گھر سے باندھے ہوئے نکلے ہیں کمر کیا باعث

دل تو پہلو میں ہوا تھا ہدفِ ناوک ناز
خون ہو ہو کے بہے لخت جگر کیا باعث

تیرہ بختی نے مری آس کہاں توڑی ہے
رہ گئے کھینچ کے وہ تیر نظر کیا باعث

نہ طلب تھی نہ تقاضا نہ کوئی وعدہ وعید
یوں چلے آئے عدو آپ کے گھر کیا باعث

کیا ترے دامن پُر خوں نہ گواہی دینگے
ذبح کرتا ہے جو تو ہو کے نڈر کیا باعث

گرم فریاد میں ہوں سوز جگر سے اپنے
نالے کرتے ہو تم اے مرغ سحر کیا باعث

کچھ سبب بھی تو سنوں میں کہ بھری محفل میں
اُٹھ کے پہلو سے چلے آپ کدھر کیا باعث

رات دن آتے ہیں احباب عیادت کو مری
تم نہیں لیتے کسی وقت خبر کیا باعث

کوئی صدمہ وہ اگر مجھ کو نہیں دیتے ہیں
زندگی سے ہے طبیعت کو حذر کیا باعث

سچ کہو دم بخود اس طرح جو تم بیٹھے ہو
ٹکٹکی باندھے ہوئے جانب در کیا باعث

سینے چھیدیں جو کبھی دل کو کریں جو ٹکڑے
اب نہیں چلتے ہیں وہ تیر و تبر کیا باعث

بے حجابانہ ہوا اغیار میں سرگرم سخن
رُخ نہیں کرتے ہو تم آج اِدھر کیا باعث

چٹکیاں لیں نہ ہوں اے قیس کسی کی دل میں
کرتے ہو آہ و فغاں آٹھ پہر کیا باعث

ردیف جیم تازی

کوششوں سے راہ پر مشکل سے آیا تھا مزاج
یا الٰہی خیر کرنا پھر مرا بہکا مزاج

جس کو چاہا دل دیا اس کی نہیں تفتیش کیا
چیز اپنی ہے خوشی اپنی ہے اور اپنا مزاج

اک ذراسی دل لگی پر اور اتنی برہمی
کھُل گئی ساری حقیقت جایئے دیکھا مزاج

فصل گل ہی میں تجھے بھی اے جنوں آنیکو تھا
چھوڑ کر سیر چمن کون آکے پوچھے گا مزاج

کیوں نظر آتا نہیں اگلا خلوص و اتحاد
کیا خطا مجھ سے ہوئی کس جرم پر بدلا مزاج

ہم سمجھتے ہیں یہ سب زانو بدلنا بار بار
گدگدی دل میں اُٹھی کچھ رنگ پر آیا مزاج

جس نے باتیں کیں خوشامد کی اُسی کے ہو رہے
چشم بد دور آپ نے پایا ہی کیا اچھا مزاج

ہنستے ہی ہنستے وہ غصّے سے بھبھوکا بن گئے
بولتے ہی بولتے ایسا بھڑک اُٹھا مزاج

آدمی کو آدمی کی خصلتیں درکار ہیں
چاہیئے انسان کو انسان کا رکھنا مزاج

کچھ نہیں تو مرتے دم اتنا ہی آکر پوچھتے
بیکلی کس بات کی ہے آج ہی کیسا مزاج

چلتے پھرتے اپنے سائے سے جھجھک جاتے ہیں وہ
کیا ادا - کیا ناز - کیا غمزا ہی کیا بھولا مزاج

پہلے تو یوں باتوں باتوں میں اُلجھ پڑتے نہ تھے
سخت حیرت ہے کہ اب کیوں ہو گیا ایسا مزاج

آئینے میں دیکھ کر ایک اور اپنا سا حسیں
کھا رہے ہیں پیچ کیا کیا ہی عجب سیدھا مزاج

اس جفا و جور پر اُن کا تجاہل دیکھئے
کہتے ہیں اے قیس کیوں افسردہ ہی تیرا مزاج

تیکھی چتون نے کیا ہی کس قیامت کا علاج
ہو گئی تیغ ادا شوقِ شہادت کا علاج

ڈھونڈنے جاؤں کہاں رنج و مصیبت کا علاج
دے کے جاں اپنی کرونگا درد فرقت کا علاج

اپنی چشمِ سحر آگیں سے لُٹا کے خاک پر
کر دیا اُس نے ہماری بگڑی حالت کا علاج

کم نہ ہوگی نشترِ فصّاد سے دیوانگی
خار صحرا ہے جنوں ہی میری وحشت کا علاج

پند ناصح نے بڑھا دی اور بھی دل کی لگی
گرم چھینٹے کرتے کیا سوزِ محبّت کا علاج

اُٹھ گئے سب چارہ گر بالیں سے یہ کہتے ہوئے
ہے خدا کے ہاتھ اس بیمار الفت کا علاج

واعظِ خود بیں اُٹھا دیں ہم سے رندوں کا خیال
کر لیں پہلے آپ اپنے کبر و نخوت کا علاج

جام ساقی نے دیا زہر ہلاہل گھول کے
خوب سوچا عاشقِ برگشتہ قسمت کا علاج

بے سر و پا بات سُنکر ٹال جانا چاہیئے
ورنہ کیا بیہودہ گویوں کی شرارت کا علاج

قتل پر تلوار اُٹھاتے ہی کلائی رہ گئی
آپ نے اچھا کیا اپنی نزاکت کا علاج

ہے تجھی کو اے خدا ہر نیک و بد کا اختیار
غیر کوئی کیا کرے گا میری نکبت کا علاج

دیکھ کر میری طرف تم نے نگاہِ مہر سے
کر دیا خوش ہو گیا سب یاس و حسرت کا علاج

آرزوے وصل پر جھنجھلا کے ظالم نے کہا
جا کے تو اے قیس کر اپنی حماقت کا علاج

کچھ تو اعجازِ مسیحائی دکھا اے یار آج
بسترِ غم پر تڑپتا ہے ترا بیمار آج

ہو کسی صورت میسّر دولتِ دیدار آج
آنکھوں کے حلقے بنے ہیں روزنِ دیوار آج

دل جگر صبر و سکوں ہم کس کا کس کا غم کریں
عشق ظالم کی بدولت لٹ گیا گھر بار آج

بن کے فریادی چلی ہے میری آہِ آتشیں
حاملانِ عرش ہو جائیں ذرا ہشیار آج

کیا سنائی ہے کسی نے مرگِ دشمن کی خبر
کیوں ہے مرجھایا ہوا تیرا گلِ رخسار آج

شکر ہے یارب کہ بے حاصل نہ ٹھہری زندگی
ہو گیا تیرِ نگاہِ یار دل کے پار آج

وادیِ غربت میں ہو گا ٹھوکریں کھانا نصیب
لے چلا ہے جوشِ وحشت جانبِ کہسار آج

وار کرتے کرتے تیرے دست و بازو رہ گئے
زنگ آلودہ اُٹھا لایا ہے کیا تلوار آج

غیر کی چشمک زنی پر چھیڑ نازیبا نہ تھا
ہم میں تم میں ہو گئی پیدا عبث تکرار آج

سوئے مقتل سر بکف ہے گامزن تیرا شہید
خلعتِ شاہانہ ہونا چاہیئے طیار آج

بس گئی خوشبو مشامِ جان میں باسی پھول کی / مل گیا اُترا ہوا اُن کے گلے کا ہار آج

کل ہی سارے چارہ گر تھے گرم دعوائے بلند / کیوں علاجِ دردِ دل سے کرتے ہیں انکار آج

جھوٹوں بھی ہاں کہنے میں ہم سے تکلف ہی رہا / ہو رہے ہیں غیر سے اقرار پر اقرار آج

دل جلوں کا دل جلانا کھیل سمجھے ہیں رقیب / رنگ لائے گی ہماری آہ آتشبار آج

کرنے کو سودا متاعِ دل کے بدلے عشق کا / ہم نے بھی دُکّان کھولی ہے سرِ بازار آج

گلشنِ فکرِ رسا پر ہے خزاں چھائی ہوئی / پھول پھل کس طرح لائیں قیس کے اشعار آج

شرمائی ہوئی اُس بت کافر کی نظر آج / دیتی ہے مجھے غیر سے لڑنے کی خبر آج

کرنے کے لئے فیصلۂ گردن و سر آج / قاتل نے بڑی دھوم سے باندھی ہے کمر آج

ہے جانچ اُنہیں منظور مرے ضبطِ فغاں کی / ڈرتا ہوں کہ رسوا نہ کرے دردِ جگر آج

ہو جائے گی رہتے ہی شبِ وصل قیامت / بے وقت نہ بول اُٹھے کہیں مرغِ سحر آج

کس طرح نکل جاؤ گے تم آنکھ چرا کر / بیٹھا ہوں ڈھئی دے کے سرِ راہ گزر آج

ممکن نہیں بے حکم کوئی جھانک کے دیکھے / کیوں بند ہے اے جانِ جہاں روزنِ در آج

رہ رہ کے مسلتے تو ہو چٹکی سے کلیجا / طوفاں اٹھائیں گے مگر دیدۂ تر آج

اے جذبۂ دل میں تری تاثیر کے صدقے / تھا قصد کدھر کا وہ کھنچ آئے ہیں کدھر آج

تا مرگ درِ پیرِ خرابات نہ چھوڑوں / ملجائے وہ شئے تھوڑی سی مجھکو بھی اگر آج

محرومیِ قسمت سے ہوں ناکام تمنّا / ہوں خاک دعائیں مری ممنون اثر آج

سنکر مری فریاد وہ یوں دیتے ہیں طعنے
ہر نقش کفِ پا کو میں آنکھوں سے لگا لوں
مانا کہ حسینوں میں حسیں ایک وہی ہیں
کہدے کوئی اُس بت سے کہ دل تھام کے بیٹھے
آجاؤ گلے سے تمھیں اے جان لگا لوں

افلاک نہ ہو جائیں کہیں زیر و زبر آج
تم بھول کے رستا اگر آجاؤ اِدھر آج
ڈھونڈیں گے تو ہمسا بھی نہ پائینگے بشر آج
کرتے ہیں فرشتے مرے نالوں سے حذر آج
درپیش مجھے ملک عدم کا ہی سفر آج

یارب نظرِ بد سے حریفوں کی بچانا
بن ٹھن کے چلے آتے ہیں وہ قیسؔ کے گھر آج

منتخب میں ہو گیا اُن کے وفادار وںمیں آج
فیصلا ہونے کو ہے دو چار ہی وار وںمیں آج
اُس کے ہاتھوں قتل ہونا دولتِ جاوید ہی
فصل گل آئی ہوئی ہے دے رہی ہیں کیا مزے
مژدہ اے رندان بادہ خوار وہ اٹھی گھٹا
عاشقِ بیتاب کا سینا مگر بیدھا گیا
نقد جاں تک دے کے میں سودا کرونگا عشق کا
خالی خولی تم بھی اوروں کی طرح آئے تو کیا
ہو نہ ہو بیشک تمھیں کچھ آگیا میرا خیال
کیا کرے گی جنبشِ ابرو یہاں ڈرتا ہی کون

دیکھئے چلتی ہیں کیا کیا چشمکیں یار وںمیں آج
اک عجب ادھم مچا ہے نو گرفتار وںمیں آج
مفت کیوں رونا پڑا ہی میرے غمخوار وںمیں آج
بلبلوں کے چہچہے ہر سمت گلزار وںمیں آج
موج زن ہے رحمتِ ساقی گنہگار وںمیں آج
خون کی سرخی نہیں بے وجہ سوفار وںمیں آج
مجھ سے بڑھ کر کون ہی اُس کے خریدار وںمیں آج
کچھ مسیحائی دکھاؤ اپنے بیمار وںمیں آج
لذتیں اقرار کی ملتی ہیں انکار وںمیں آج
حکم ہو تو گھس پڑوں دو لاکھ تلوار وںمیں آج

مشکلوں سے لاغری نے یہ ترقی پائی ہے
اُن سے لپٹوں گا میں چھپ کر ہوں ہاروں میں آج

تم جفاے ناروا سے باز کیوں آتے نہیں
حشر برپا ہو رہا ہے ظلم کے ماروں میں آج

وہ خفا اور آئیں میرے گھر خدا کی شان ہے
قسمتوں سے مل گیا میں بخت بیداروں میں آج

اے دلِ ناعاقبت اندیش کیا اندھیر ہے
تو لیے جاتا ہے کیوں مجھکو جفاکاروں میں آج

ہے عیاں چاروں طرف جلوا نیاز و ناز کا
میری اُن کی کھنچ گئی تصویر دیواروں میں آج

یادِ جاناں میں ہوئی ہے دشت پیمائی نصیب
نوکِ مژگاں کی خلش پاتا ہوں میں خاروں میں آج

خلق تم کو کیا کہے گی کیا یہی ہے پاسِ وضع
سیر کرتے پھرتے ہو تنہا جو بازاروں میں آج

واقفِ رازِ نہاں ہے بخش دے تو اے خدا
شرم آتی ہے مجھے جرموں کے اقراروں میں آج

پھر جنابِ قیس کو کچھ دل لگی سوجھی نہ ہو
پارسا بن کر وہ بیٹھے ہیں نکوکاروں میں آج

ردیف جیم فارسی

اے مصور تو مری تصویر یوں اک بار کھینچ
بیخود و بیتاب و مضطر جان سے بیزار کھینچ

کاٹ ابرو کا نہ ہوگا میرے حق میں کارگر
رہنے دے یہ کُند خنجر تیغ جوہردار کھینچ

اس سے بڑھکر چاہیئے کیا رہن مے کے واسطے
محتسب کے سر سے اے متوالے تو دستار کھینچ

ذبح کرنا ہی مرا تجھکو جو ہے مدِ نظر
باندھ لے پٹکا کمر سے ہاتھ میں تلوار کھینچ

جب نصیبِ دشمناں یہ سخت جانی ساتھ ہی
اور کچھ دن انتظارِ مرگ اے بیمار کھینچ

ننگ اگر ملنے میں ہے تو کر چھُری سے فیصلا
میرے اپنے درمیاں ایک آہنی دیوار کھینچ

بخش دے آنکھوں میں آ کر نور کا عالم مجھے
قلب درد آگیں سے خارِ حسرتِ دیدار کھینچ

زندہ رہنے کے لئے تھوڑا سہارا چاہیئے
جھٹکے دے دے کر نہ دامن اے بتِ عیار کھینچ

عاشقوں سے اس قدر اچھا نہیں شرم و حجاب
اس میں کوئی رمز ہے تو پردۂ اسرار کھینچ

کر خوشی سے قتل اگر میں خون کا دعویٰ کروں
حشر میں گدّی سے تو میری زباں اے یار کھینچ

مہوشوں سے دل لگا کر شکوۂ بیداد کیا
بار درد و رنج و غم ہو سہل یا دشوار کھینچ

ہو نہیں سکتا علاجِ سوزِ دل اے چارہ ساز
زحمتیں اتنی نہ میرے واسطے بیکار کھینچ

دے پسینے کی مجھے خوشبو کہ آؤں ہوش میں
لخلخے کے واسطے عطرِ گلِ رخسار کھینچ

زہد کے پردے میں اے زاہد ریا کاری نہ کر
دانۂ تسبیح سے یہ رشتۂ زنّار کھینچ

دل نہ اُس بیدرد ظالم کا پسیجے گا کبھی
نالے کر اے قیسؔ تو یا آہ آتشبار کھینچ

ردیف حائے حطی

مجبور یہ ہوں بس نہیں چلتا کسی طرح
اُن کو دکھا دوں داغ دل اپنا کسی طرح

رات اُس پری کو ہمنے منایا کسی طرح
شیشے میں منتوں سے اُتارا کسی طرح

جب جانوں میں تمھیں کہ ہو تم غیرتِ مسیح
کر دو مریض، ہجر کو اچھا کسی طرح

یارب بڑا مزا ہے محبّت کے پیچ میں
سر سے مرے نہ جائے یہ سودا کسی طرح

تیور بگڑ چلے تھے مگر خیر یہ ہوئی
کہ سُن کے ہمنے دل کو سنبھالا کسی طرح

جاتی ہے کسکی لاش ذرا تم بھی دیکھ لو
غرفے سے جھانک کر یہ تماشا کسی طرح

اے عشق خوب دیکھ لیں تیری عنایتیں
اب مجھ سے بارِ غم نہ اُٹھے گا کسی طرح

ہے دل میں شوق وصل میں اس دل کو کیا کروں
دل رکھ کے صبر ہو نہیں سکتا کسی طرح

ناحق یہ بول اُٹھائیں کہ چھلنی ہوا جگر
ضد ہے کہ بس دکھا دو کلیجا کسی طرح

اے چرخ مجھ پر اب تو نہ کر شعلہ باریاں
اچھا نہیں جلے کو جلانا کسی طرح

چلمن گرا کے بیٹھے ہیں وہ سیر کے لئے
اُٹھ جائے درمیان سے پردا کسی طرح

تیری وفا یہی ہے اگر یا ادا یہی
نکلے گی خاک میری تمنّا کسی طرح

کنجِ لحد میں بھی ہے وہی دل کی بیکلی
مر کر بھی ہائے چین نہ پایا کسی طرح

ہم کو ہماری آرزوؤں نے کیا ہے قتل
تم پر نہیں ہے خون کا دعوا کسی طرح

برسوں رہے کسی کے خیالِ کمر میں گم
لیکن نہ حل ہوا یہ معمّا کسی طرح

جھلکی دکھا کے مفت میں رسوا کروگے یوں
افسوس ہم نہ سمجھے تھے ایسا کسی طرح

اظہار بیخودی کے لیے خط میں بھیجئے
کھنچتا اگر جنوں کا نقشا کسی طرح

کیونکر شبِ فراق کٹی کچھ نہ پوچھئے
مر کر ہوا ہوں زندہ دوبارا کسی طرح

کاہیکو ہو کسی سے کسی کو گلا کبھی
سمجھے کوئی جو درد کسی کا کسی طرح

چاہے وفا بھی ہو کہ نہ ہو اختیار ہی
تم کر تو دو وصال کا وعدا کسی طرح

اللہ سے یہی ہو اب اے قیس التجا
ہو خاتما بخیر ہمارا کسی طرح

تیور ہیں بل ہے ابروے خمدار کی طرح
خنجر کو باڑھ دیجئے تلوار کی طرح

در پر ترے پڑا ہوں میں بیمار کی طرح
اب زندگی ہے سایۂ دیوار کی طرح

خوشبوے زلف سے ہی معطر مشام روح
روشن ہی تجھ سے دل ترے رخسار کی طرح

کھنچنا کسی سے شیوۂ اہلِ کرم نہیں
جُھکیئے کبھی تو شاخ ثمردار کی طرح

نکلے ہیں تیغ کھینچ کے وہ آج قتل کو
ہم کیوں نہ سر جھکالیں گنہگار کی طرح

نشہ چڑھا ہے یار کو حُسنِ شباب کا
مستانہ سب ادائیں ہیں میخوار کی طرح

دل تو دیا ہی مفت جو ہر عیب سی ہی پاک
کیا اس کو بھانپتے ہو خریدار کی طرح

روکے ہوئے ہیں آج بڑی مشکلوں سی ہم
پہلو میں دل کو آہ شرربار کی طرح

ٹپکا رہی ہیں آنکھیں نچھاور کے واسطے
قطرے سرشک کے دُرِ شہوار کی طرح

جاگیں گے خواب مرگ سی ہم شوق دید میں
آنکھیں کھلیں گی طالع بیدار کی طرح

اللہ کی ہے شان کہ تم دیکھتے نہیں
مضطر ہے دل بھی طالب دیدار کی طرح

تیرِ نگاہ ناز نے چھلنی کیا جگر
اُترا جو سینہ توڑ کے سوفار کی طرح

مانگی دعاے وصل تو فرقت ہوئی نصیب
قسمت بدل گئی نگہِ یار کی طرح

ایسا نہو کہ توڑ کے برباد کیجیے
لیتے ہیں دل تو لیجیے دلدار کی طرح

دیکھو تم آکے داغ دلِ قیس کی بہار
ہیں پھول رنگ رنگ کے گلزار کی طرح

ردیف خای معجمہ

زمانے بھر سے ہے وہ مہ لقا شوخ
اور اُس سے بڑھکے اُس کی ہر ادا شوخ

مجھے اتنا کبھی ہونا نہ تھا شوخ
مگر تیرے کرم سے نے کر دیا شوخ

اُٹھاؤں داغ ناکامی کہاں تک
ادھر بھی اک نظر او بے وفا شوخ

ادا خود لوٹ ہے جس کی ادا پر
نہ دیکھا آج تک اس طرح کا شوخ

حسینوں میں کوئی تجھ سا نہیں ہے
ستم پیشہ وفا نا آشنا شوخ

کسی کا دل کیا پامال تم نے
بہت ہی پاؤں میں رنگِ حنا شوخ

میں صدمے سہتے سہتے آگیا تنگ
جفائیں کرتے کرتے وہ ہوا شوخ

قیامت میں بھی برپا کی قیامت
دکھا کر اپنی چشمِ فتنہ زا شوخ

کلیجا چھید کر اُس پار نکلا
ترا تیرِ نظر ہے بد بلا شوخ

محبت دیکھیے بنتی ہے کیوں کر
میں نازک طبع ہوں وہ پُر دغا شوخ

نہ نکلا کام کچھ جب منتوں سے
اُنھیں شعلہ بیانی سے کیا شوخ

میں تیرے ناز اُٹھانے کو ہوا خلق
تو میرا دل جلانے کو بنا شوخ

سراپا تیری آنکھیں شرمگیں ہیں
نگاہیں ہیں مگر اے دلربا شوخ

مرا خط پڑھکے برہم کیوں نہ ہوتے
بیانِ مدعا تھا جا بجا شوخ

ذرا تم قیس کا دیوان دیکھو
غضب کا ہے یہ شاعر منچلا شوخ

سرسبز ہے تیری نگہِ فیض سے ہر شاخ
دے گی شجرِ عشق میں اب کوئی ثمر شاخ

بڑھتی ہی رہی نخل محبت کی اگر شاخ
پہنچے گی سرِ بام یہ اے رشکِ قمر شاخ

کیا فصل گل آتے ہی دم رقص چمن میں
پتوں کو بنا لیتی ہے طاؤس کے پر شاخ

رکھنا قدم اے دل رہ الفت میں سنبھل کر
پھیلی ہے مصیبت کی پُر از فتنہ و شر شاخ

کرنے کو عیاں شان کرم اہل کرم کی
لاتی ہے ثمر جب تو جھکا دیتی ہے سر شاخ

کچھ تیشہ کا ڈر ہے نہ تبر کی کوئی پروا
ہے سر بفلک عشق کی بے خوف و خطر شاخ

دیکھے کوئی اشجار گلستاں کی ادائیں
دیتی ہے بہار آنے کی مستانہ خبر شاخ

تیرے رخ روشن میں ہیں دو ابروِ پُرخم
یا حُسن کی ہے ایک اِدھر ایک اُدھر شاخ

مرجھا کے ہوا سبز مرا نخل تمنّا
پھل پھول مگر لانے کو ہے بار دگر شاخ

دو دل ہوں اگر نرم تو کیوں وصل ہو مشکل
مل جاتی ہے پیوند میں تر شاخ سے تر شاخ

شبنم کے ہیں قطرے کہ عرق کی ہیں یہ بوندیں
برساتی ہے پھولوں سے عجب سلک گہر شاخ

تیرا قد بالا بھی ہے قدرت کا کرشما
ہے زلف کی دو شاخوں میں ایک اور کمر شاخ

عاشق کو پہنچنے دو ذرا خلد بریں تک
حوروں میں نکالے گی بہت اسکی نظر شاخ

ہیں متحد الاصل سب انسان کی شاخیں
کرتی ہے عبث ایک سے کیوں ایک حذر شاخ

گو خشک زمیں ہے یہ غزل قیس کی لیکن
گلدستۂ شاداب ہے مضموں کی ہر شاخ

ردیف دال مہملہ

عاشق ہوں اگر آئے تجھے مہر و وفا یاد
للہ تو کرنا کبھی مجھکو بھی ذرا یاد

کچھ عیش رہا یاد نہ نالا نہ بکا یاد
سب بھول گیا صرف ترا نام رہا یاد

مشہور زمانے ہو تم رشک مسیحا
دو جلد اگر ہو مرضِ غم کی دوا یاد

اچھا نہ ہوا انجام تو تکلیف ستم کیا
وہ ظلم کرا ایجاد کہ آجائے خدا یاد

اوروں سے تو باتیں بھی بنانا نہیں آتیں
ہاں میرے ستانے کو ہیں سو جور و جفا یاد

گالی ہی لکھی خط میں تو کیا غم نہیں اسکا
صد شکر کسی طرح تو خیر اُس نے کیا یاد

ای ضبط فغاں دل کو میں سمجھاؤں کہانتک
اب وعدہ وفا کرنے کی تو اُن کو دلا یاد

میں مر کے یہ خوش ہوں کہ نبھی خوب محبت
وہ دل میں پشیماں ہیں کر کر کے دغا یاد

کیوں دم نہ تری ناز کی رفتار سو اُلجھے
آتی ہے مجھے بوئے گل اے باد صبا یاد

وا کر کے لب شکوہ خجل اُلٹے ہوئے وہ
گذری ہوئی باتیں جو دلانے میں لگا یاد

دیوانے ترے ڈھائینگے اک تازہ قیامت
آئے گی قیامت میں اگر تیری ادا یاد

پڑھ کر وہ خطِ شوق ہوئے کس لیے برہم
کیا سلسلۂ نامہ و پیغام نہ تھا یاد

درخواست مرے وصل کی اللہ سے کرنا
آجاؤں کسی روز اگر وقت دعا یاد

سرکاٹ کے ناحق کفِ افسوس ملو گے
دیکھو گے مرا خون تو آئے گی حنا یاد

زیبا نہیں پیری میں جوانی کی ترنگیں
اے قیس سنبھل دل سے حسینوں کی اُٹھا یاد

میں کیا کہوں کہ یہاں کیا وہاں ہی کیا موجود
یہاں ہے درد وہاں درد کی دوا موجود

نظر جو ہم سے ملی تو ہوئی حیا موجود
مگر ہے غیر سے لڑنے کو بر ملا موجود

وہ جرم قتل عمد کس طرح چھپائیں گے
ہمارے خون کے دھبے ہیں جابجا موجود

غلط ہوا آپ کا سب ادعائے یکتائی
ابھی جو سامنے آکر ہو آئینا موجود

ہزار کوئی عدو ہو مجھے نہیں پروا
کہ ہر کسی کا نگہبان ہے خدا موجود

فضول اوروں کی مٹی کو تو خراب نہ کر
یہ میری خاک کے ذرّے ہیں ای صبا موجود

تلاش خضر کی زحمت نہ ہم سے اُٹھّے گی
طریق عشق میں ہے دل ہی رہنما موجود

خدا کی شان جہاں تم نے مجھ کو یاد کیا
میں دست بستہ وہیں آکے ہو گیا موجود

ہمیں نصیب کہاں فرش قاقم و سندس
کرم کیا ہے تو بیٹھو ہے بوریا موجود

کوئی بھی کام نہیں آسکا مصیبت میں
تھے لاکھوں لاکھ مرے دوست آشنا موجود

حصول دولت دیدار کی جب آس بندھی
خوشی کے پردے میں آکر ہوئی قضا موجود

تمام مشکلیں دم بھر میں ہو گئیں آساں
خلوص دل سے کہا جب کسی نے یا موجود

چمن میں بادہ کشوں پر نزول رحمت سے
فروغ جشن بڑھانے کو ہے گھٹا موجود

کٹے گی چین سے کس طرح زندگی اے قیسؔ
ہمیشہ ایک نہ اک رہتی ہے بلا موجود

نالے بیتاب ہیں سینے میں تو مضطر فریاد
ہے تجھی سے مری اے داور محشر فریاد

نہ ہوئی پر نہ ہوئی نخل ثمر ور فریاد
گو لہو رو رو کے کرتے رہے گھر بھر فریاد

چاہتا ہوں کہ رہے سینے میں چھپ کر فریاد
سوز غم سے مگر آجاتی ہے باہر فریاد

رات دن مشغلۂ آہ و فغاں رہتا ہے
درد اُٹھّے تو نہ کیوں آئے لبوں پر فریاد

دور ہو جائے مری تشنہ لبی کا شکوا
حشر میں سُن لیں اگر ساقی کوثر فریاد

کوچۂ یار کو میدان قیامت کہیئے
کرتے رہتے ہیں جہاں لوگ برابر فریاد

دیکھوں کیونکر اثر انداز نہیں ہوتی ہے
دل کو تھامے رہو کرتا ہوں مکرر فریاد

سُن کے رہ جاتے ہیں خاموش عدو کی ڈر سے
ورنہ کر دیتی ہے بے چین اُنھیں اکثر فریاد

مشق کرتی ہے مری طرزِ فغاں اے بُلبُل
یا چبھوتی ہے ترے دل میں بھی نشتر فریاد

بے اثر یوں ہی شب و روز رہی گی کبتک
کاش سنتا کبھی یارب وہ ستمگر فریاد

شکر ہے اُس نے مرا حال مجھی سے پوچھا
ہو گئی صدق طلب میں مری رہبر فریاد

ہجر ساقی میں جو توڑے گئے سامان طرب
ہم تو ہم کرنے لگے شیشہ و ساغر فریاد

میرے ہی طرح کسی پر جو کہیں دل آتا
دیکھتا میں کہ نہیں کرتے ہو کیونکر فریاد

ضبط نالہ سے کبھی ہوتی تھی حیرت سب کو
اب ہی اے قیس ترے شور سے گھر گھر فریاد

زاہد کو زہد رند کو جام و سبو پسند
ہے مجھکو وہ پسند کرے جس کو تو پسند

جب ہے مجھے وظیفۂ لَاتَقْنَطُوا پسند
تیری تلاش کیوں نہ کروں چار سو پسند

ہاتھوں کو لال کرتے ہو مہندی سے کس لیئے
کیا تم کو عاشقوں کا نہیں ہے لہو پسند

تو جا لڑی کہاں سے کہاں اے نگاہ شوق
مجھکو ہے جان و دل سے تری جستجو پسند.

ہاں کچھ قصور ہو تو مجھے قتل کیجئے
بے وجہ روٹھنے کی مگر کیا ہو خو پسند

رنگوں میں رنگ عارض گلگوں ہے دلفریب
خوشبوؤں میں تمہارے ہی گیسو کی بو پسند

اس رنج میں کہ تیری طلب سے پڑا ہے دور
مچلا ہوا ہے آج دلِ آرزو پسند

اے چارہ ساز کاوش بیجا سے درگزر
چاکِ جگر میں ہو نہیں سکتا رفو پسند

ہے میرے جسم و جاں میں لڑائی چھڑی ہوئی
آیا ہے جب سے ایک بُتِ جنگجو پسند

حور و پری کے قصوں فسانوں سے کیا غرض
مجھکو تو تیری باتیں ہیں اے ماہرو پسند

وہ آپ ہی دیکھ لیں گے مرے دل کا حوصلا
کھینچیں بھی تو میان سے تیغِ گلو پسند

بڑھتی ہے رونے ہی سے عبادت کی منزلت
آبِ سرشک سے نہ ہو کیونکر وضو پسند

باتیں کیں دشمنوں سے بھی ہم نے تو لطف کی
اُکھڑی ہوئی کسی سے نہیں گفتگو پسند

صوفی کے حال قال کو میرا سلام ہے
میں محوِ سرِّ حق ہوں نہیں ہاو ہو پسند

اے قیس لفظ لفظ میں ہے رمزِ عاشقی
کیونکر ہمارے شعر کریں گے عدو پسند

ردیف دال ہندی

اے بتو کرتے ہو کیا اُٹھتی جوانی پر گھمنڈ
توڑتا ہے بلبلوں کو بہتے پانی پر گھمنڈ

قمری و بلبل سے قدرِ سرو و گل گلشن میں ہے
باغبانوں کو ہے بیجا باغبانی پر گھمنڈ

چار دن رہ سہکے مل جانا ہے سبکو خاک میں
کس لیے کوئی کرے اس زندگانی پر گھمنڈ

آئی رہتی ہے ہمیشا کوس رحلت کی صدا
ہے عبث لوگوں کو ایسے جسم فانی پر گھمنڈ

حشر تک جینے کی ہم تو آرزو رکھتے نہیں
خضر کو زیبا ہے عمرِ جاودانی پر گھمنڈ

بے کمالی بھی مری وجہِ تعلی ہی رہی
بے زبانی میں ہے مجھکو بدزبانی پر گھمنڈ

کرلیا ہے موم گرما گرم فقروں سے اُنھیں
بے محل کب ہے مرا آتش بیانی پر گھمنڈ

آمد آمد ہے خزاں کی فصل گل کے ساتھ ساتھ
بلبلیں کرلیں بہارِ بوستانی پر گھمنڈ

آئے موسیٰ غش میں جب برقِ تجلی دیکھکر
حق بجانب ہے تمھارا لن ترانی پر گھمنڈ

اُٹھ گئے دنیا سے میرے ہمصفیرانِ سخن
کس کے آگے اب کروں میں نکتہ دانی پر گھمنڈ

پھونکنے پر ہستی موہوم کے ہیں مستعد
اس قدر نالوں کو ہے اخگر فشانی پر گھمنڈ

دوستوں کو دوستی پر کیوں نہیں ہوتا غرور
دشمنوں کو جب ہے تیری مہربانی پر گھمنڈ

اہل فن سمجھے نہ سمجھے کوئی اس کا غم نہیں
قیسؔ رکھتا ہے طبیعت کی روانی پر گھمنڈ

ردیف ذال معجمہ

جوششِ گریہ میں اُس کو جو لکھا تھا کاغذ
بہ گیا آنسوؤں سے گھُل کے وہ سارا کاغذ

شکل اُمید کوئی مجھ کو دکھاتا کاغذ
تو نے بھولے سے بھی ایسا نہیں بھیجا کاغذ

عرض حالِ دلِ بیتاب کی صورت نہ بندھی
بیخودی میں کبھی لکھا کبھی پھاڑا کاغذ

کیوں نہ ہو سبزۂ خط کو رخ گلگوں کی تلاش
اچھی تحریر کو درکار ہے اچھا کاغذ

اے خدا رنج و غمِ ہجر اٹھاؤں کب تک
تو بدل دے مری قسمت کا پُرانا کاغذ

وعدۂ وصل کسی روز بھی ایفا نہ ہوا
بارہا گو مری تسکین کو آیا کاغذ

سیل ہے طبع رواں سطریں ہیں موجیں اُسکی
ہو گیا میرے مضامین سے دریا کاغذ

ظلم کرتے ہو کرو خیر قیامت کے دن
خوش تو ہو جاؤ گے تم دیکھ کے اپنا کاغذ

نامۂ یار نہیں مرہم کافور سے کم
ہے مرے داغ جگر کے لیئے پھاہا کاغذ

مٹ گیا صفحۂ دل سے ترے کیا نقش وفا
لا کے قاصد نے دیا مجھ کو جو سادا کاغذ

شرم آتی ہے مجھے داغ سیہ کاری سے
آنسو دھو دیتے کسی طرح عمل کا کاغذ

راز کیوں فاش کیا دے کے زبانی پیغام
کیا میسّر نہ ہوا آپ کو تھوڑا کاغذ

کردی کیوں تم نے قلم زدِ رقمِ شوق عبث
لڑکوں کا کھیل ہے لکھ لکھ کے مٹانا کاغذ

دیکھی بیچارگیِ محض تو شاعر بن کر
سرگزشت اپنی سُنانے کو نکالا کاغذ

کوئی سنتا نہیں اے قیسؔ فنا میرا
درد دُکھ کس کو لکھوں کون پڑھے گا کاغذ

ردیف رای مہملہ

پوچھتے کیا ہو کہ ہے کس طرح کا تیرا جگر
چیر کر پہلو تمھیں خود دیکھ لینا تھا جگر

جس کو چاہا دل دیا میں نے جسے چاہا جگر
ہے طبیعت اپنی اپنا دل ہے اور اپنا جگر

عشق کرنے کو بڑا بھاری کلیجا چاہیئے
ہو کسی کو حوصلا تو لائے میرا سا جگر

روتے روتے کیوں ہماری نبض ساقط ہو گئی
پانی ہو ہو کر بہا اشکوں کے شامل کیا جگر

جس بشر کا جی نہ ہوگا سوزِ غم سے آشنا
اُس کے پہلو میں بھلا کس کام کا ہوگا جگر

اس طرح فریاد میری بے اثر پھرتی نہیں
کیا کروں تو نے مگر پایا ہے پتھر کا جگر

دیکھ لی شرطِ وفا الفت اسی کا نام ہے
اک ذرا سی دل لگی میں توڑ کر پھینکا جگر

داغ حسرت لے کے جب تیری گلی سے میں اٹھا
جان لب پر آگئی وہ درد سے تڑپا جگر

گو کسی لائق نہیں سچ ہے مگر یہ تو کہو
تم نے دیکھا ہے کسی کا اور بھی ایسا جگر

رنج فرقت میں شریکِ حال کوئی کب ہوا
سو طرح کی دقتیں سہتا رہا تنہا جگر

تیر مژگاں قہر ہے تو جنبشِ ابرو ستم
اِس نے دل ٹکڑے کیا اُس نے مرا چھیدا جگر

کس خوشی سے مر مٹا میں عین جانبازی ہی یہ
ذبح کر کے خوب تو نے آزما دیکھا جگر

سر چڑھا کر یوں نگاہوں سے گرا دینا نہ تھا
ہو گیا ٹکڑے ہمارا ناز کا پالا جگر

آرزوئے وصل سُنکر مجھسے وہ کہتے ہیں کیا
مُنہ تو اپنا دیکھ اس قابل ہوا تیرا جگر

صدموں پر صدمے سہے اے قیسؔ لیکن اُف نہ کی
تم کو بھی اللہ نے بخشا ہے کیا اچھا جگر

بجلی گرے گی دامن ابرِ بہار پر
آنسو بہا رہے ہیں وہ میرے مزار پر

صدقے ہزار جان رخِ گلعذار پر
قربان لاکھ دل نگہِ شرمسار پر

فیضِ بہار ہے چمنِ روزگار پر
بلبل چہک رہی ہے گلوں کے سنگار پر

قایم کبھی رہے بھی ہو قول و قرار پر
دیتا میں نقد دل تمھیں کس اعتبار پر

دل کب ہے لوٹ نرگس شہلائے یار پر
بپھرا ہوا ہے شیر ہرن کے شکار پر

ٹوٹی جہاں لڑی مرے تارِ سرشک کی
موتی بکھر گئے مژۂ اشکبار پر

زلفوں نے بڑھ کے نرگس جادو کی سامنے
ڈالی نقاب لیلی محمل سوار پر

سمجھیں گے لوگ دیکھ کے تربت شہید کی
چھینٹے لہو کے دو مری مشتِ غبار پر

تقصیر ہو معاف کہ قابو میں دل نہ تھا
آزردہ کیوں ہو نالۂ بے اختیار پر

طے ہو رہی ہے منزل دشوار زندگی
گرمِ سفر ہوں ابلق لیل ونہار پر

تاثیر سوز عشق نے بخشا ہے کیا فروغ
ہنستے ہیں داغ دل چمنِ لالہ زار پر

مجھ ناتوان وزار کو ہلکا نہ جاننا
گو مرمٹا ہوں پھر بھی ہوں بھاری ہزار پر

دل کی طلب ہے اور طلب بھی ادا کی ساتھ
کیونکر نہ آئے پیار مجھے اُن کے پیار پر

لو قسمتوں سے یار سویرے ہی آگیا
ٹوٹا ہے آسمان شبِ انتظار پر

کہتے ہیں عشق عشق وہ کیا جانیں دردِ عشق
جو مر رہے ہیں لذت بوس وکنار پر

کیسی جلن ہے کیسی تڑپ۔ کیا ہے اضطراب
دیکھو تو ہاتھ رکھ کے دلِ بیقرار پر

تارِ گلو میں خون شہادت ہے موجزن
ہونے کو ہوں نثار دمِ تیغ یار پر

دم بھر کی مستی ہے حسنِ شباب کیا
دھوکھا نہ کھاؤ دولت ناپائدار پر

تیری گلی میں آکے پڑا ہے وطن سے دور
چشمِ کرم ہو قیس غریب الدیار پر

آوارہ میں ہوں کوچۂ دلبر سے نکل کر
نکہت کی طرح برگ گلِ تر سے نکل کر

پچھتاؤگے اے جان تم اس گھر سے نکل کر
کہتا ہوں نہ جاؤ دل مضطر سے نکل کر

چکر ہی میں رکھتی ہے مجھے گردش افلاک
جاؤں میں کہاں گنبد اخضر سے نکل کر

ملتا ہے مجھے آتش اُلفت ہی میں آرام
آئی ہے مری روح سمندر سے نکل کر

عالم میں جگر سوز مری شعلہ بیانی
آگے ہی رہا کرتی ہے صرصر سے نکل کر

عشقِ مژۂ یار سے چکر میں پڑا دل
گردش ہے کہاں چرخ کو محور سی نکل کر

آنسو یہ بہائے ہیں مرے غم میں بتوں نے
یا چشمے رواں ہو گئے پتھر سے نکل کر

قاصد نہ پھرا لے کے جوابِ خط عاشق
اب روح چلی ہے تن لاغر سے نکل کر

آئی ہے ترے ہونٹوں میں ای غیرت شیریں
شیریں دہنی قند مکرر سے نکل کر

سرگرم رہِ وادیِ الفت جو ہوا میں
غربت بھی مرے ساتھ ہوئی گھر سی نکل کر

اے دل یہ رہے یاد کہ ہو جائے گی ذلت
پھیلیں گے ترے پاؤں جو چادر سی نکل کر

رندوں میں جو لیتے ہیں بہت ڈینگ کی واعظ
مُنہ چوم نہ لے مے کہیں ساغر سے نکل کر

ہیبت سے جگر تھام کے چیخ اُٹھے فرشتے
جب آہ بڑھی گنبد اخضر سے نکل کر

جاتی رہی دل سے مرے تسکین کی صورت
سودائے محبت نہ گیا سر سے نکل کر

عالم میں نہیں ہے یہ چمک شمس و قمر کی
پھیلی ہیں شعاعیں رُخ انور سے نکل کر

میں زیر لحد ہوں وہ سرِ قبر کھڑے ہیں
کیونکر ملوں اس خانۂ بے در سے نکل کر

تاثیر تک اِن کی جو نہیں ہوتی رسائی
حیران ہیں نالے دل مضطر سے نکل کر

رنگین قبا پر بھی ہو اک نور کا عالم
عکس آئے اگر جسم منور سے نکل کر

بول اُٹھے لپٹ کر مرے دامن سے یہ آنسو
برباد ہوئے ہم مژۂ تر سے نکل کر

بے چین مرے نالوں نے کچھ اُن کو کیا ہی
کیا ہے جو چلے آتے ہیں وہ گھر سے نکل کر

تقدیر جو چمکی تو مری دولت وصلت
مفلس کو ملی دست توانگر سے نکل کر

میں جوش جنوں میں جو چلا جانب صحرا
مجنوں نے لئے میرے قدم گھر سی نکل کر

قاتل نے جو مُنہ پھیر لیا تھا دم بسمل
سو کوس گیا دور میں خنجر سے نکل کر

کہتے ہیں یہ اشعار گُہر بار ہمارے
مشہور ہیں ہم طبع سخنور سے نکل کر

جب لطف ہوا قیس کہ الفت کی کہانی
خالق بھی سنے عرصۂ محشر سے نکل کر

ہو نگے وہ شرمندہ نامحرم کو محرم دیکھ کر
اشک برسانا مگر اے چشم پر نم دیکھ کر

مرگ دشمن پر اُنھیں سرگرم ماتم دیکھ کر
گر پڑی بجلی ہمارے دل کا عالم دیکھ کر

راز کی باتیں کرے آدم سے آدم دیکھ کر
دوست و دشمن دیکھ کر اغیار و ہمدم دیکھ کر

ہم یہ سمجھے تھے کہ اُن کی دید سی ہوگی شفا
اور اُلجھن بڑھ گئی گیسوئے برہم دیکھ کر

رنج ہوتا ہے مجھے تو دشمنوں کے رنج سے
اُن کے گھر نقارے بجتے ہیں مرا غم دیکھ کر

جب دکھایا دل تو وہ ظالم تُنک کر بول اُٹھا
کیا کرینگے ایسی ٹوٹی پھوٹی شئے ہم دیکھ کر

یار کی تصویر بھی تصویر حیرت بن گئی
شیشۂ دل میں ہجوم داغ پیہم دیکھ کر

کیا ستم ہے غیر سے لیسین پڑھواتے ہیں وہ
میرے لب پر نزع میں آیا ہوا دم دیکھ کر

گوہر پر آب سمجھے ہم عرق کی بوند کو
چہرۂ گلرنگ پر مانند شبنم دیکھ کر

چند روزہ شادی و غم کی حقیقت کھل گیٔ
ہستیِ موہوم میں دونوں کو توام دیکھ کر

دے چکے ہم دل تو پھر آرام یا تکلیف کیا
لائے ہیں ایمان کیا جنت جہنم دیکھ کر

پہنچے ہم عشقِ زنخداں میں لبِ جاں بخش پر
تشنہ رکو تڑپ چلے تھے چاہ زمزم دیکھ کر

کوہ غم سر پر اٹھا لیتے ہیں وقتِ امتحاں
ہیں وہ خاموش اپنے جانبازونکا دم خم دیکھ کر

رشک بھی بیہودہ شئے ہے کبر و نخوت بھی حرام
اپنے رتبے سے کسی کو بیش یا کم دیکھ کر

ایک اشارے پر ہزاروں مرنے والے جی اُٹھے
دنگ ہیں اعجاز تیرا ابن مریم دیکھ کر

حشر کے دن خوب شہرت ہوگی میری نام کی
دفترِ عشاق میں سب سے مقدم دیکھ کر

تیری محفل میں عدو سوزِ حسد سے جل بجھے
مجھکو تجھ سے ہم بغل ای جان جانم دیکھ کر

موت ہے محوِ تبسّم گھات میں بیٹھی ہوئی
عاشقِ بیمار پر ہوتے ہوئے دم دیکھ کر

چپکے چپکے کر رہے ہو کس سی تم کج بحثیاں
آئینہ خانے میں اپنی زلف پُر خم دیکھ کر

پڑھ کے خط اے نامہ بر تو خود ہی سمجھانا انھیں
ہوں اگر چیں بر جبیں مضمون مبہم دیکھ کر

قیسؔ کی تدبیر صحت چارہ گر سے ہو چکی
ہنستے ہیں زخمِ جگر سامان مرہم دیکھ کر

چھلنی چھلنی ہی کلیجا موے مژگاں دیکھ کر
ٹکڑے ٹکڑے دل ہوا ابروی جاناں دیکھ کر

رات سوئے تھے ہم اُنکی زلف پیچاں دیکھ کر
نیند میں چونکا کیے خوابِ پریشاں دیکھ کر

حسرتیں کیوں کر نہ بالاے لحد سر پیٹتیں
خاک پر ہم کو پڑا بے ساز و ساماں دیکھ کر

رحم کا طالب میں اپنی سخت جانی سے رہا
اُس کے دستِ نازنیں میں تیغ براں دیکھ کر

جوشِ وحشت میں بڑھی جب نوکِ مژگاں کی خلش
گدگدی پیدا ہوئی خارِ بیاباں دیکھ کر

عاشقوں کو قتل کرتے ہی وہ غش کھانے لگے
ہو گیا ہلکا لہو خونِ شہیداں دیکھ کر

مر کے بھی سر سے نہ نکلا کوے جاناں کا خیال
آنکھ میں آنسو بھر آئے باغِ رضواں دیکھ کر

دیکھتے ہی دونوں گال اُسکے میں سجدے میں گرا
دولتِ ایماں ملی اوراقِ قرآں دیکھ کر

کہتے ہیں شبنم جسے پیرِ فلک ہے اشکبار
بُلبلوں کی بے بسی پر گل کو خنداں دیکھ کر

خانۂ دل میں امیدِ وصلِ یار آنے کو تھی
پھر گئی لیکن ہجومِ شوق و ارماں دیکھ کر

بُلبلے بنتے بگڑتے ہی رہا کرتے ہیں جب
کیا کریں ہم منعموں کے قصر و ایواں دیکھ کر

جو نہ اپنا سر جھکاتے تھے کسی کے سامنے
مُنہ کے بھل گرنے لگے چاہِ زنخداں دیکھ کر

دردِ شانہ کا بہانا کر کے قاتل رہ گیا
جب مری گردن جھکی شمشیرِ عریاں دیکھ کر

گل گریباں چاک ہیں گلشن میں اُس کی دید سے
بُلبلیں حیرت زدہ ہیں مجھ کو نالاں دیکھ کر

عالمِ پیری میں کہتے شرم آتی ہے ہمیں
کیا طبیعت ڈھونڈتی ہے ابرِ باراں دیکھ کر

جھلملا کر رہ گئے تارے شبِ تاریک میں
تا کمر پہنچی ہوئی زلفوں کی افشاں دیکھ کر

میرے لاشے پر حسینوں کا نہیں اتنا ہجوم
اُڑ رہی ہیں پریاں مگر تختِ سلیماں دیکھ کر

خون ہو ہو کر نہ بہتے کیوں ہمارے دل جگر
لعلِ لب یاد آتے ہیں لعلِ بدخشاں دیکھ کر

آفتابِ حشر پانی پانی غیرت سے ہوا
آتشِ فرقت سے دل میں داغِ سوزاں دیکھ کر

آتے آتے راستے ہی سے پلٹ جاتی ہیں وہ
اپنی قسمت پر مجھے یاروں میں نازاں دیکھ کر

برقِ تاباں نالہاے پُر شرر سے دنگ ہے
ابر شرمندہ ہے میری چشمِ گریاں دیکھ کر

کون ہے معشوق جس کو حسن کا دعویٰ نہیں
سب خجل لیکن ترا روئے درخشاں دیکھ کر

ایک دن ہر شخص کو ملنا ہی یونہیں خاک میں
پاؤں رکھنا چاہیے گورِ غریباں دیکھ کر

حشر میں تو قیس کو رسوا نہ کرنا اے خدا
خوف سے لرزاں ہی طولِ فردِ عصیاں دیکھ کر

گرا خاک پر جب میں بے جان ہو کر
تو رونے سے حاصل پشیمان ہو کر

یہ سمجھے نہ تھے ہم تجھے اے محبت
کہ ہو جائے گی مشکل آسان ہو کر

اُتر کر کلیجے میں تیرِ نظر نے
کیا گھر ہی برباد مہمان ہو کر

بڑھائی ہے کیا کیا مرے دل کی اُلجھن
تری زلف شبگوں پریشان ہو کر

پلا دیتے وہ کاش جامِ شہادت
تو ہم سرخرو ہوتے قربان ہو کر

عجب کیا مرا گھر تمھارے قدم سے
ابھی رشکِ جنت ہو ویران ہو کر

غضب ڈھانے والی یہ تیری نگاہیں
مری جان لیتی ہیں پیکان ہو کر

اُنھیں دیکھ کر میں جو سکتے میں آیا
بنے وہ بھی تصویرِ حیران ہو کر

دکھا کر مجھے اک جھلک چھپ گئے تم
چلے چال پریوں کی انسان ہو کر

غرض کیا ہمیں غیروں کی ڈیوڑھیوں سے
رہیں گے ترے در کے دربان ہو کر

عدو کی خوشامد سے کیا کام ہم کو
بنیں مور کیوں کر سلیمان ہو کر

بھرے تھے مرے دل میں لاکھوں ارادے
پڑے رہ گئے سارے سامان ہو کر

مرے دستِ شوق اُس طرف بڑھ چلا تھا
ہوئی شرم حائل نگہبان ہو کر

یہ کاشانۂ دل جو اُجڑا پڑا ہے | رہے گا کسی روز ایوان ہوکر

یہ کیا قیس کچھ خیر ہے توبہ توبا
بتوں کی پرستش مسلمان ہوکر

ردیف رای ہندی

زخم خوردہ نیم جاں مجھ کو تو اے قاتل نہ چھوڑ | زیست کا جھگڑا مٹا دے صورتِ بسمل نہ چھوڑ
ابتدائے عشق میں گھبرا کے اپنا دل نہ چھوڑ | اے شناور کشتیِ ہمت لبِ ساحل نہ چھوڑ
کیا عجب ہے جوش میں اُٹھ جائے لیلی کا حجاب | دیکھ اے مجنوں زمامِ ناقۂ محمل نہ چھوڑ
توتیائے چشم بن جائے گی گردِ کارواں | قافلے والوں کا ساتھ اے دل سرِ منزل نہ چھوڑ
بھر دے یارب میرے دل کو اپنے جوشِ عشق سی | اس میں تل بھر بھی جگہ اغیار کے قابل نہ چھوڑ
کھول اے بادِ سحر سربستۂ دل کی گرہ | آج لاینحل ہمارا عقدۂ مشکل نہ چھوڑ
جا کے گلشن میں گلوں پر کس طرح ہونگا نثار | نوچ کر بال و پر اے صیاد بے حاصل نہ چھوڑ
راستا روکے ہوئی ہے وصل کا تیغِ ستم | ڈھا دے اب اس آہنی دیوار کو حائل نہ چھوڑ
مجھ کو پروانا بنا لے اپنی شمعِ حسن کا | دید سے محروم اے رشکِ مہِ کامل نہ چھوڑ
سُن کے فیضِ عام تیرا بن کے آیا ہوں فقیر | خشک اے ساقی خدارا کاسۂ سائل نہ چھوڑ
شکوۂ بیجا سے اس کا دل نہ کوئی پھیر دے | یار کو تنہا کسی غماز کے شامل نہ چھوڑ
شرط ہے سچی طلب ہر مدعا کے واسطے | ہاتھ سے اخلاص کا دامن تو اے غافل نہ چھوڑ

دلبری کے ساتھ کچھ دل دہی بھی چاہیئے
یونہیں دل لیکر مجھے ای جان جاں بیدل نہ چھوڑ

انتظارِ وصل کا کردے چھری سے فیصلا
طائرِ جاں کو اسیرِ وعدۂ باطل نہ چھوڑ

لطف صحبت دیکھوں تو کیونکر اُٹھائیں ہیں رقیب
تو بھی اے قیس آج کی شب یار کی محفل نہ چھوڑ

ردیف زای معجمہ

اللہ رے ستمگر کا فرادا کے ناز
کرتا ہے وہ مجھی سے مرادل چُرا کے ناز

اچھا نہیں نقاب میں یوں منہ چھپا کی ناز
ہاں شوق ہے تو کیجیئے آنکھیں ملا کے ناز

تلوار کھینچتے ہی کلائی اُتر گئی
لو اب اُٹھاؤ آپ ہی اپنی جفا کے ناز

دیکھے ہوئے ہیں سارے کرشمے جناب کے
بے سود کر رہے ہیں یہ باتیں بنا کے ناز

تکلیف انتظار مجھے اے اجل نہ دے
میں تنگ آگیا ہوں بہت کچھ اُٹھا کی ناز

کیا خاک آئے وعدۂ فردا پر اعتبار
محشر میں بھی دکھاؤ گے آگی خدا کے ناز

تیغ نگاہ یار کی شوخی بھی قہر تھی
کیا کیا اُٹھائے اُس کو گلے سے لگا کے ناز

تیرِ نظر میں کھاؤں کہ پاؤں کی ٹھوکریں
تجھ میں بھرے ہیں سر سے قدم تک بلا کے ناز

بے تاب ہو کے تم سے میں لپٹا تو کیا ہوا
آخر کوئی اُٹھائے کہاں تک حیا کے ناز

طولِ شبِ فراق کی یا انتہا نہیں
یا اس نے بھی اُڑائے ہیں زلفِ رسا کی ناز

ای قیس راہ عشق میں رکھنا سنبھل کی پاؤں
تم سے نہ اُٹھ سکینگے کسی بیوفا کے ناز

ڈھونڈتے پھرتے ہیں ناحق لوگ میری دل کا راز
کھل نہیں سکتا کسی پر عاشقِ کامل کا راز

چارہ گر کیا سمجھیں گے فریادِ بے حاصل کا راز
ہے نگاہِ یار میں مضمر دلِ بسمل کا راز

حُسنِ لیلیٰ میں اگر ہوتا حقیقت کا وجود
چشمِ مجنوں سے نہ چھپتا پردۂ محمل کا راز

اتحادِ جسم و جاں میں کس طرح مخفی رہے
راز میری دل کا اُن سی مجھ سی اُن کی دل کا راز

بلبلیں ہیں کیوں چمن میں اس قدر گرمِ فغاں
کھل گیا شاید گلوں کے خندۂ باطل کا راز

شکوۂ جور و جفا کے ٹالنے کا ہے خیال
میں سمجھتا ہوں تری تقریرِ لاطائل کا راز

صحبتِ اغیار میں تم تھے کہیں محوِ نشاط
سُرخ آنکھوں سے ہی ظاہر رات کی محفل کا راز

ایک اشارے میں تمھارے نیم جاں ہو کر گرا
جنبشِ ابرو نے افشا کر دیا بسمل کا راز

صاف چتون کہہ رہی ہے جاؤ گے دشمن کے گھر
مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے وعدۂ باطل کا راز

حال میرا پوچھ کر اُن کو پشیمانی ہوئی
اور ہوں شرمندہ میں بھی کہہ کے اپنے دل کا راز

کھینچکر لے چل مجھے اے جذبۂ جوشِ جنوں
خارزارِ دشت وحشت ہے مری منزل کا راز

نالۂ مجنوں سے گو بیتاب تھی لیلیٰ اگر
ضبط نے پردے میں رکھا صاحبِ محمل کا راز

ہم سے شرحِ وجہِ غم اے جانِ جاں ممکن نہیں
آئینے سے پوچھ لو اس عقدۂ مشکل کا راز

دوسروں کے پردوں میں کہنے کو میں سب کچھ کہوں
خاک پتھر کوئی سمجھے گا بھی میرے دل کا راز

خونِ قیسِ بیگنہ اُس نے چھپا رکھا تو کیا
حشر میں سب پر عیاں ہو جائے گا قاتل کا راز

ردیف سین مہملہ

سُن جو لیتا وہ غمگسار افسوس
یوں نہ کرتا میں بار بار افسوس

تیری فرقت میں حال ابتر ہے
ہو گیا میں بہت نزار افسوس

بیٹھ کر میرے خانۂ دل میں
دل مسلتا ہے کوئی یار افسوس

پھنسکے کنجِ قفس میں بلبل زار
بولی حسرت سے اے بہار افسوس

بیکسوں کا بحالتِ غربت
نہ ہوا کوئی غمگسار افسوس

تیرے تیرِ نگاہ نے اے بُت
کر لیا مرغ دل شکار افسوس

جامۂ صبر دست وحشت سے
ہو گیا آج تار تار افسوس

نقد دل کون کھو کے آیا ہے
کر رہا ہے جو بے شمار افسوس

ہجر جاناں میں اے مرے ناصح
دل کو ہوتا نہیں قرار افسوس

تو جو آغوش کر گیا خالی
غم سے رہتا ہوں ہمکنار افسوس

تنگ آیا ہوں بیدلی سے میں
تم نہیں دیتے مستعار افسوس

اُس جفا جو کے جھوٹے وعدوں پر
کب تک آخر یہ انتظار افسوس

دل جو خلوت سرائے جاناں تھا
حسرتوں کا بنا مزار افسوس

اُس کو ہم جانے دیتے ہاتھوں سی
نہ رہا دل پر اختیار افسوس

بچ گیا تھا جو ایک دل غم سی
ہو گیا وہ بھی داغدار افسوس

وصل میں کر کے شکوۂ بیداد
ہوں میں کس درجہ شرمسار افسوس

ہجر جاناں میں صورتِ شبنم
میری آنکھیں ہوں اشکبار افسوس

قتل مجھ کو جو بے گناہ کیا
ہو گیا خود ہی سوگوار افسوس

دام الفت میں پھنس کے تیرا قیس
ہو گیا رنج و غم سے زار افسوس

خوں چکاں شمشیرِ بُرّاں دیکھ کر قاتل کے پاس
برق وش آئی قضا دوڑی ہوئی بسمل کے پاس

تو ہو سر گرمِ طرب جب غیر نا قابل کے پاس
کیوں نہ آتش داں بنے سینا مرا محفل کے پاس

جز ہجومِ یاس و حسرت اور کچھ رکھتا نہیں
ڈھونڈتی ہو کیا تم اب مجھ عاشقِ بیدل کے پاس

مر گیا میں جب بندھی کچھ وصل کی اُنسے اُمید
ہائے ڈوبی کشتیِ عمرِ رواں ساحل کے پاس

شکر ہے یہ لاغری بھی وقت پر کام آگئی
ہم طنابِ خیمہ میں پہنچے ترے محمل کے پاس

یار نے افشاں چنی ہے گیسوِ شب رنگ پر
یا یہ ہیں چھٹکے ہوئے تارے مہِ کامل کے پاس

رایگاں جائے گی کیا افسوس میری جستجو
بیخودی سی چھا گئی کیوں آتے ہی منزل کے پاس

اور تو کچھ بھی نہیں اے خارِ صحرائے جنوں
ہیں مگر چند آبلے پھوٹے ہوئے اس دل کے پاس

اے ستمگر کچھ تو اپنے جی میں کر اس کا خیال
کس طرح سر پیٹتی ہیں حسرتیں بسمل کے پاس

تیری دزدیدہ نگہ نے جب سے گھورا ہے مجھے
درد بھی آتا ہے تو چھپ چھپ کے میری دل کے پاس

رقص بسمل کا تماشا ہم دکھانے کے لئے
رات بھر تڑپا کئے محفل میں اُس غافل کے پاس

اور بھی اک وار اے قاتل کہ تھوڑی سی ابھی
رہ گئی ہے جان تیرے کشتۂ بیدل کے پاس

دیکھے دل پھر پھیر لینا کیا کبھی ممکن بھی ہے
ہم سے دیوانوں کے آگے ناز کی حاجت نہیں

پوچھ اے ناصح اسے جا کر کسی کامل کے پاس
چال معشوقوں کی چلنا چاہیئے عاقل کے پاس

قیس کا دل چھید کر کیوں رہ گیا ای تیر یار
سینے ہی میں تو پُر ارماں تھا جگر بھی دل کے پاس

تحریر خط نہیں رخ روشن کے آس پاس
مرنے کے بعد بھی ہے اثر انتظار کا
ہم دل ہی دل میں راہ نکالیں گے طور کی
بسمل کیا ہے مجھ کو تو کپڑے سمیٹئے
کانوں تک آپ کے مرے نالے نہ جا سکے
مِسّی لبوں کی اور یہ رخسارے لال لال
کھڑکی پر آ کے بیٹھے ہیں وہ آج اوٹ میں
رو کے رہے ہزار طرح کوئی راستا
نکلا جو بھر سیر مرا شہسوار حُسن
ہم سے وہ جلتے ہیں تو جلائینگے اور بھی
زلفیں نہیں ہیں آتش رُخ کے اِدھر اُدھر
اے دم لبوں پر آ مگر اپنے ادب کے ساتھ
گلشن میں آ کے سُن لو ذرا نغمہ سنجیاں

سبزے کی ہے روش گل گلشن کے آس پاس
نرگس کے پھول پھولے ہیں مدفن کے آس پاس
سرگشتہ کیوں ہوں وادی ایمن کے آس پاس
چھینٹیں لہو کی اُڑتی ہیں دامن کے آس پاس
پھیرے لگا کے رہ گئے روزن کے آس پاس
گل کے ورق ہیں غنچۂ سوسن کے آس پاس
آنکھیں نہ کیوں بچھائیے چلمن کے آس پاس
چھُپ کر جگہ بنائینگے رہزن کے آس پاس
بجلی سی کوند اُٹھی سُم توسن کے آس پاس
پہلو میں تیرے بیٹھیں گے دشمن کے آس پاس
لہرا رہے ہیں مار سیہ من کے آس پاس
ہی جا گزیں کوئی رگ گردن کے آس پاس
بلبل کے چہچہے ہیں نشیمن کے آس پاس

ہیں دل کے ارد گرد پھپھولے پڑے ہوئے
روشن ہیں قمقمے ترے مسکن کے آس پاس

اُس بُت کی جستجو میں ہم اے قیس بارہا
پہنچے پوجیری بن کے برہمن کے آس پاس

ردیف شین معجمہ

نہ وطن کی مجھے پروا ہے نہ گھر کی خواہش
ہے نہاں دل میں کسی رشکِ قمر کی خواہش

جاہ و حشمت کی تمنا ہو کہ زر کی خواہش
ہے دو آبے میں نہاں موج خطر کی خواہش

ترچھی نظروں سے اگر دیکھ لو مڑ کر مجھ کو
ناوکِ ناز سے پوری ہو جگر کی خواہش

گرمیِ آتش غم دل سے بجھانے کے لئے
سیل گریہ ہے مرے دیدۂ تر کی خواہش

گلشنِ عشق کبھی پھولتے پھلتے نہ سنا
کیا کریں نخل محبت میں ثمر کی خواہش

چاہیئے دولت جاوید بہم کر لینا
چار دن کو ہے عبث لعل و گہر کی خواہش

خیر ہو کوچۂ قاتل میں لیئے جاتی ہے
دل کو تیروں کی ہوس سر کو تبر کی خواہش

شام ہی سے ہے شبِ وصل یہ کیوں گرم فغاں
کوئی پوچھے تو ذرا مرغ سحر کی خواہش

دیکھی جاتی نہیں اب بار گرانی اپنی
ہوں جدا جسم سے ہی گردن و سر کی خواہش

تم کو اغیار سے فرصت نہ ملی آنے کی
میری آنکھوں کو رہی جنبش در کی خواہش

نارسائی کے سوا نالوں کو حاصل کیا ہو
کیوں اُڑائے لیئے پھرتی ہی اثر کی خواہش

اب تو چھنوائے گی شاید عدم آباد کی خاک
اے ستمگر ترے مضمون کمر کی خواہش

میں نہیں اور کسی چیز کا طالب تم سے
ہے فقط اک کرم آمیز نظر کی خواہش

صاحبِ فن ہی رہا کرتے ہیں پامالِ جفا
کس لیئے کوئی کرے کسبِ ہنر کی خواہش

مفت دنیا میں رہے محوِ تغافل ای قیسؔ
ہاے پیدا نہ ہوئی زادِ سفر کی خواہش

ردیف صاد مہملہ

بڑھتے بڑھتے بڑھ گئی جب عاشقِ مضطر کی حرص
لے چلی سوے عدم پابوس گردوں فر کی حرص

تشنہ لب رہنے کی تکلیفیں لکھیں قسمت میں ہیں
دل سے جا سکتی نہیں آبِ دمِ خنجر کی حرص

اس طرف بھی ہو کرم ای ساقیِ صہبا پرست
کھینچ کر لائی ہے مجھ کو شیشہ و ساغر کی حرص

آنکھوں سے آتا ہی دل میں دل سے آنکھوں میں کبھی
رکھتی ہے چکر میں اُس کو سیرِ بحر و بر کی حرص

کیوں نہ ہو وجہِ تعجب لعل و گوہر کی طلب
آدمی کا دل کہاں اُسمیں کہاں پتھر کی حرص

غم سے گھل کر رہ گیا ہوں ایک مشتِ استخواں
ہو لحد کو کس طرح میرے تنِ لاغر کی حرص

حشر تک پامالِ جور و ظلم رکھے گی مجھے
کم نہیں ہوگی کبھی اُس فتنۂ محشر کی حرص

سب کی نظروں میں سبک کر دیتی ہی انسان کو
دشمنِ شرم و حیا ہوتی ہی مال و زر کی حرص

قصر و ایواں قاقم و سنجاب کی حاجت نہیں
ہے بہت گز بھر زمیں اور ایک دو چادر کی حرص

کیا کرینگے خضر دل ہی میں نہ ہوگی جب تلاش
سست ہیں پاے طلب تو ہی عبث رہبر کی حرص

ایک کی ہو کر کبھی دو چار دن رہتی نہیں
زالِ دنیا کو ہمیشہ ہی نیئے شوہر کی حرص

نوکِ مژگاں کی خلش خود ہی نکل جانے کو تھی
کیوں بڑھالی تو نے اے زخمِ جگر نشتر کی حرص

مفت سرگرداں نہ ہو کاخِ مجازی کے لیے
چاہیئے انسان رکھے دل میں اچھے گھر کی حرص

اک نہ اک صورت کوئی میری تڑپنے کی رہی
رات بھر کی بیقراری ہے کبھی دن بھر کی حرص

خاک سے پیدا ہوا ہے جا ملے گا خاک میں
ہے تجھے اے قیس ناحق بالش و بستر کی حرص

ردیف ضاد معجمہ

دینگے زبان وصل کیا آپ کو ہم سے کیا غرض
خوب جفائیں کیجیئے لطف و کرم سے کیا غرض

عشقِ بتاں میں شکوۂ جور و ستم سے کیا غرض
چشم وفا ہے جب نہیں قول و قسم سے کیا غرض

لکھوں میں خاک حالِ دل پڑھ کے وہ ہونگے مشتعل
جس میں ہو خوف برہمی ایسی رقم سے کیا غرض

چھوڑ کر آپ کی گلی اور کہاں میں جاؤں گا
خلد سے کام کیا مجھے باغِ ارم سے کیا غرض

کعبہ و بتکدہ میں کیوں جاتے ہیں لوگ ڈھونڈنے
خانۂ دل ہے گھر ترا دیر و حرم سے کیا غرض

غیر کی داستان کچھ ہو تو بگوشِ دل سنیں
ان کو مرے فسانۂ رنج و الم سے کیا غرض

حور و قصور کی طلب شیوۂ عاشقی نہیں
مستِ مئے الست کو بیتِ صنم سے کیا غرض

نقشِ خودی مٹے تو خود کون و مکاں کی سیر ہو
جام جہاں نما ہے دل ساغرِ جم سے کیا غرض

پا بفلک جو رات دن نشۂ حسن میں رہے
اُس کی تلاش کے لیئے نقشِ قدم سے کیا غرض

چاہے جفا ہو یا وفا بندۂ حکم ہوں ترا
خم ہے یہاں سرِ رضا لا و نعم سے کیا غرض

جو ہے لکھا نصیب کا ہو نہ ہو وہ ملے ہی گا
پھر ہمیں اُس کی فکر کیا زاید و کم سے کیا غرض

اپنے خیال پاک ہیں اپنی روش درست ہے
کوئی ہزار کچھ کہے غیر کو ہم سے کیا غرض

دینے کو تھے جواب خط سوچ کے دل میں رہ گئے
لکھتے بھلا ہمیں وہ کچھ اپنے قلم سے کیا غرض

صبح کی زار نالیاں وصل کی رات لائی ہیں
لطف کی باتیں چاہییں قصۂ غم سے کیا غرض

قیسؔ اگر ہو دل سے تم عاشق زار مصطفےٰ
اٹھو عرب کی راہ لو ہند و عجم سے کیا غرض

ردیف طائے مہملہ

عدو نے کی ہے جو تصنیف داستان غلط
یہ سب فساد کی باتیں ہیں کل بیان غلط

ہے تم کو اس قدر اے جان جاں گماں غلط
کہ میرے عشق کو سمجھو خدا کی شان غلط

چلے ہیں فاتحہ پڑھنے رقیب کو لیکر
وہ دے رہا ہے مری قبر کا نشان غلط

خلاف وعدگی مجھ سے ہوئی یا تم سے
ذرا کہو تو سہی کس کی ہے زبان غلط

مجھی کو اس نے جو تاکا ہے پیسنے کے لئے
چلا ہے چال بہت ہی یہ آسمان غلط

صدائے نالہ و فریاد پر چلے آنا
کہیں بتا نہ دے کوئی مرا مکان غلط

خیال تھا کہ نہ ہو گھر میں دوسرا کوئی
وہ آئے دیکھنے کو بن کے میہمان غلط

ملی ہے میرے ہی باعث وہاں کی دربانی
مگر کچھ اور ہی سمجھا ہے پاسبان غلط

مری نگاہوں نے لاکھوں حسین دیکھے ہیں
ترے مقابلے میں سب کی آن بان غلط

کیا ہے صدمۂ پیہم نے چور چور جگر
مجھے ہے دشت نوردی سے یہ نکان غلط

ہمیشہ ہوتی ہیں مکر و فریب کی باتیں
کہے صحیح بھی دشمن تو اُس کو جان غلط

نگاہ ناز نے پہلے ہی مجھ کو گھور اتھا
ازل ہی سے ہو مرے عشق کی اُٹھان غلط

نظر ملاتے ہی آیا ہے ابروں میں یہ بل
کھنچی ہے میرے لیے آج کیوں کمان غلط

کہاں سے ہونگے نصیب اُن کو دل جگر ایسے
ہیں میرے سامنے غیروں کے امتحان غلط

شکیب و صبر و تحمل سے کام لو اے قیسؔ
فراق یار میں رونے کا اب ہے دھیان غلط

ردیف ظای معجمہ

دوستوں کی دوستی یاروں کی الفت کا لحاظ
فرض ہے ہر آدمی پر آدمیت کا لحاظ

ہو تمھیں غیروں کی تو دو روزہ صحبت کا لحاظ
کچھ نہ ہو میری ہی دیرینہ محبت کا لحاظ

آنکھ سے ہوتے ہی اوجھل محو سب باتیں ہوئیں
تھی جو برسوں کی مروت ایک مدت کا لحاظ

دشمنوں سے کیوں کوئی ناحق کرے کج بحثیاں
چاہیئے ہر حال میں اپنی شرافت کا لحاظ

منتوں پر بھی نہ اٹھا رخ سے گھونگٹ وصل میں
مل گئے باہم تو آیا کس قیامت کا لحاظ

غیر کے پھندے میں بھولے سے نہ جا پھنسنا کہیں
خوب رکھنا جان و دل سے اس نصیحت کا لحاظ

ظلم کی فریاد میں کیونکر کروں گا حشر میں
روک دیگا یار کی شرمائی صورت کا لحاظ

چھانتا پھرتا ہوں اب تو رات دن گلیوں کی خاک
کچھ نہیں تیری طلب میں عیش و راحت کا لحاظ

دست قاتل سخت جانی سے مری رہ رہ گئے
ذبح میں اُس کو مناسب تھا نزاکت کا لحاظ

بیخودیِ شوق میں رسوائیاں ہونے کو تھیں
رکھ لیا شرم و حیا نے میری شہرت کا لحاظ

اُن سے کہدینا تو اے قاصد مرے دل کی لگی
ڈھونڈ کر موقع محل پا کر کے فرصت کا لحاظ

داستانِ رنج و غم پر کھلکھلا کر ہنس پڑے
کچھ نہ آیا اُن کو مجھ آشفتہ حالت کا لحاظ

شانِ معشوقی وہ کیا جس میں وفاداری نہ ہو
حسن صورت میں ہے لازم حسن سیرت کا لحاظ

دخت رز کی کون سنتا اس قدر بے حرمتی
کر گیا میں حضرتِ واعظ کی عزت کا لحاظ

ہے سوالِ وصل پر بے فائدہ آزردگی
کام کیسا ہی نہ ہو لازم ہے نیت کا لحاظ

آپ اپنی وجہ بربادی کوئی ہوتا نہیں
ناصحوں کو چاہیئے برگشتہ قسمت کا لحاظ

کون کھائے گا ترس مجھ کو تڑپتا دیکھ کر
کس کو ہوگا میرے دل کو داغ حسرت کا لحاظ

شاعری میں کم سے کم اے قیسؔ اتنا ہی ضرور
شستگی ترکیب کی لفظوں کی صحت کا لحاظ

ردیف عین مہملہ

یوں تو مشکل ہے اُسے ہر خیر و شر کی اطلاع
دید والے نالو تمھیں دردِ جگر کی اطلاع

باعثِ حیرت ہے کیا شام و سحر کی اطلاع
دیتے ہیں وہم و گماں آٹھوں پہر کی اطلاع

دیکھ کر تو نے کنکھیوں سے مجھے بسمل کیا
ہو گئی دل کو تری ترچھی نظر کی اطلاع

سینۂ پُرغم سے آہیں چشم تر سے سیل اشک
دینگے یہ دونوں نکل کر بحر و بر کی اطلاع

میرے نالے بے اثر ہیں نارسا فریاد ہے
کون دے گا اُس جفا جو کو اِدھر کی اطلاع

کوئی کاہے کو بجھائے گا مرے دل کی لگی
گھر ہی والے کو نہیں جب اپنے گھر کی اطلاع

عرش تک رستا کھلا ہے دادخواہی کیلئے
جا کے نالے دینگے ظلمِ فتنہ گر کی اطلاع

شش جہت میں ڈھونڈنے پر بھی پتا ملتا نہیں
مجھ کو ہو گی کس طرح اُس بے خبر کی اطلاع

رکھدیئے کیوں گیسوؤں نے اسقدر بل ڈال کر
کیا نہ تھی اب تک تری پتلی کمر کی اطلاع

گو مری نظروں سے چھپکر وہ گئے دشمن کے گھر
دی مگر نقشِ قدم نے رہگزر کی اطلاع

دور ہی سے دیکھ کر قاصد کو فرمانے لگے
خیر تو ہے لے کے آیا ہے کدھر کی اطلاع

باغ میں ہر غنچۂ گل کھلکھلا کر ہنس پڑا
جب صبا نے آکے دی برگ و ثمر کی اطلاع

شام سے تا صبح جز آہ و بکا کچھ بھی نہ تھا
ہیں یہی دو لفظ گویا رات بھر کی اطلاع

رہروانِ جادۂ ملک عدم کو کیا کہوں
کوئی کچھ دیتا نہیں آکر اُدھر کی اطلاع

تیرے ہوتے دل لگاتا قیس کیونکر اور سے
تو نے پائی ہے غلط بے پاؤں سر کی اطلاع

ردیف غین معجمہ

سو داغ دل میں ہیں تو جگر میں ہزار داغ
کیا کیا دکھا رہے ہیں چمن کی بہار داغ

مر کر بھی سوزِ غم سے میں رہتا ہوں مضطرب
جائے چراغ قبر میں ہیں شعلہ بار داغ

تجھ کو نہ بعد مرگ بھی بھولیں گے ہم کبھی
دل میں لیئے ہوئے ہیں تری یادگار داغ

خورشید روزِ حشر سے ہوگا مقابلا — سینے میں ہم چھپائے ہیں اک پر شرار داغ
غیرت سے آفتاب قیامت بھی ڈوب جای — دل چیر کر دکھادوں جو اے گلعذار داغ
اے جان تیرے عشق میں ہم زندہ رہ چکے — کھایا کرینگے یونہیں اگر بار بار داغ
ہے کون چارہ ساز کرے جو علاج درد — کس کو دکھائے جا کے ترا جاں نثار داغ
آنکھوں کی راہ دل میں چلے آؤ سیر کو — مانند گل کھلے ہیں یہاں بے شمار داغ

تاریکیِ لحد سے ہوں اے قیس مطمئن
روشن بجائے شمع ہیں زیرِ مزار داغ

آتشِ غم سے بنے ہیں میرے داغِ تن چراغ — یا کہ ہر شاخِ صنوبر پر ہوئے روشن چراغ
ہجر کی شب میرے گھر میں جب ہوا روشن چراغ — بنگیا یادِ رخِ پُر نور میں رہزن چراغ
شعلۂ داغِ جگر کی روشنی سے بعد مرگ — جل رہے ہیں رات دن گویا تہِ مدفن چراغ
بر نہ آئی ایک بھی میری تمنائے دلی — مدتوں دیر و حرم میں کر چکے روشن چراغ
آج بہرِ فاتحہ آتا ہے میرا شعلہ رو — خود بخود ہو جائیگا روشن سرِ مدفن چراغ
زندگی میں جب نہیں آتے عیادت کیلیئے — کب جلاؤ گے لحد پر تم پسِ مردن چراغ
چہرۂ پُر نور دیکھا رات میں نے خواب میں — میری آغوشِ تمنا میں ہوا روشن چراغ
مجھ سے فرطِ شوق میں لپٹا جو شب وہ ماہرو — بنگیا کیوں شعلۂ غم سے دلِ دشمن چراغ
ہے دلِ پُر داغ میرا شعلۂ آتش فشاں — یا چھپا کر لے چلے ہو تم تہِ دامن چراغ
ہجر جاناں میں نہیں ممکن ہماری زندگی — کب بھلا جلتا ہے جب ہوتا ہی ز روغن چراغ

ہے تہِ مدفن ہمارے داغِ دل کی روشنی
گر سرِ تُربت رُخِ پُر نور سے روشن چراغ

وصل کی شب کٹ گئی آئی قیامت کی سحر
گُل کیا بادِ اجل نے ای بُتِ پُرفن چراغ

مرنے پر بھی تھا جو کچھ تقدیر میں جلنا لکھا
میری مٹی سے بناتی ہیں پسِ مُردن چراغ

آج کی شب گرم وصفِ زلف ہوں ای شعلہ رو
میرے گھر اپنے رُخِ انور سے کر روشن چراغ

ہیں شعاعیں شعلۂ داغِ تنِ مجروح کی
تم جنھیں سمجھے ہو پیارے زیرِ پیراہن چراغ

مسّی ملکر آج وہ جاتے ہیں سیرِ باغ کو
ہو نجائے فرطِ سوزِ رشک سے سوسن چراغ

عاشقِ غمگیں چلا شہرِ خموشاں کی طرف
طاقِ مسجد میں جلائیں جا کے اب دشمن چراغ

دیکھ کر تیرا رُخِ رنگیں دمِ سیرِ چمن
بنگیا سوزِ حسد سے ہر گلِ گلشن چراغ

یاد میں اُس آتشیں رخسار کی فرقت کی شب
برقِ خاطف کی طرح ہی مجھ پر آتش زن چراغ

چن کے افشاں بام پر آیا جو وہ رشکِ قمر
رشک سے شمس و قمر جل کر ہوئے روشن چراغ

صحبتِ ناجنس سے ہوتا ہی سب کو اضطراب
دیکھو پانی پڑتے ہی کرنے لگا شیون چراغ

جب بدن کے داغ سے میں بنگیا رشکِ چمن
لوگ سمجھے جل رہے ہیں زیرِ پیراہن چراغ

کیا شعاعِ فیض ہے تیرے رُخِ پر نور میں
روشنی سے بنگیے - دیوار و در روزن چراغ

دیکھ تو ضایع نہ کر میرے دلِ پُر داغ کو
ہے شبِ دیجور میں یہ ای بُتِ پُرفن چراغ

سوزِ داغِ عشق سے جلتا ہوں میں ای چارہ گر
ہو گیا ہے میرے قصرِ تن میں آتش زن چراغ

آج کی شب دیکھ کر حُسنِ رُخِ پُر نورِ یار
فرطِ غم سے جل بجھا کیوں صورتِ دشمن چراغ

شمع کافوری مبارک ہو تمھیں اے منعمو
ہم غریبوں کے لیے ہے زینتِ مسکن چراغ

کیوں نہ حاسد جل مریں اے قیسؔ ہر ہر شعر پر
کاخِ دیواں میں ہوئے بے انتہا روشن چراغ

ردیف فا

زمانہ رہے تو رہے برخلاف
نہ ہونا تم اے بندہ پرور خلاف

جو تم چاہتے ہو کروں گا وہی
چڑھانے کو کہتا ہوں مُنہ پر خلاف

ہوئی مجھ سے کون ایسی سرزد خطا
کہ رہنے لگا وہ ستمگر خلاف

ہے تقدیر سیدھی تو کچھ غم نہیں
لگائے فلک لاکھ چکّر خلاف

جلی میرے رونے سے کشتِ اُمید
ہوئی بارشِ دیدۂ تر خلاف

لگاوٹ کی باتیں جو غیروں سے ہیں
تو کیا اس سے ہو خاک پتھر خلاف

میں تھا مستحق پہلے ہی جام کا
چلا کس لیے دورِ ساغر خلاف

مجھے عرض مطلب کی جرأت نہیں
نظر آتے ہیں اُن کے تیور خلاف

ملنے کو وہ مانگتے ہیں جگر
کروں کس طرح میں چھپا کر خلاف

نہ کام آئی یاروں کی افسوں گری
کچھ ایسا پڑھا میں نے منتر خلاف

کروں اپنی بگڑی کی تدبیر کیا
ازل ہی سے ہے جب مقدر خلاف

عدو سے ہوئی تھی یہاں بات کچھ
وہاں جا لگائی سراسر خلاف

جدھر دیکھو برپا ہیں فتنے فساد
ہے رنجش تمام اور گھر گھر خلاف

میں کس طرح اظہار الفت کروں — کہیں ہو نہ جانے وہ دلبر خلاف

سنبھل کر تم اے قیس رکھنا قدم
محبت میں ہوتا ہے اکثر خلاف

جب چلا مر دا مرا گورِ غریباں کی طرف — لے اُڑے اسکو فرشتے باغ رضواں کی طرف

نارسائی دیکھ کر زلفِ پریشاں کی طرف — بڑھ گئے دستِ جنوں جیبِ و گریباں کی طرف

شورِ محشر یادِ گیسو میں کہیں برپا نہ ہو — تیرے دیوانے چلے ہیں سنبلستاں کی طرف

مار ڈالے گی مجھے برہم مزاجی یار کی — بیکسی لے جائے گی بزمِ خموشاں کی طرف

دیکھ کر آنکھوں میں تیری سرمۂ دنبالہ دار — ہو گئی پیدا کشش گنجِ شہیداں کی طرف

عاشقوں میں ہوتے ہی وصفِ لبِ گلگون یار — چشمکیں چلنے لگیں لعلِ بدخشاں کی طرف

دل ہی قابو میں نہیں ہے میں سنبھالوں کس طرح — پھسلی پڑتی ہیں نگاہیں روئے تاباں کی طرف

تھی نہاں یوسف کے پیراہن میں جب یوسف کی بو — کیوں نہ اُڑ کر جا پہنچتی پیرِ کنعاں کی طرف

بس کر اب اے گریہ طوفاں خیزیِ موجِ فنا — بہ چلے آنسو مرے کوہ و بیاباں کی طرف

کیا بتاؤں میں کہ میرا دل لہو کیوں کر ہوا — دیکھ لو آئینہ لے کر اپنی مژگاں کی طرف

جوش پر آئی ہوئی ہے اِن دنوں فصلِ بہار — میکشوں کی آنکھیں ہیں صحنِ گلستاں کی طرف

تیرے کوچے میں اگر مل جائے تھوڑی سی جگہ — مڑ کے بھی ہرگز نہ دیکھوں قصر و ایواں کی طرف

حلقۂ کاکل بنا حلقا مری زنجیر کا — نالے کرتے ہیں اشارے کنجِ زنداں کی طرف

ذبح کر کے اس قدر کیوں ہو رہے ہو منفعل — آنکھ اٹھا کر دیکھو میرے جسم بیجاں کی طرف

درد فرقت سے ہوا میں جب کبھی گرم فغاں
اُٹھ گئیں سب کی نگاہیں چرخ گرداں کی طرف

دوستوں نے قیس کو جس دم اُتارا قبر میں
لیٹتے ہی پھر گیا مُنہ کوے جاناں کی طرف

ردیف قاف

دیکھنا چاہو اگر تم گرمیِ بازار عشق
آؤ میرے دل میں بن کر محرم اسرار عشق

قتل اے ظالم تری تیغِ تغافل نے کیا
توڑتا ہے ہچکیاں لے لے کے دم بیمار عشق

حسن کا مرجع جو تو ہے سر سے لیکر پاؤں تک
سینۂ روشن مرا ہے مطلعِ انوار عشق

نالۂ پُرغم سے میرے اک زمانا پُھنک گیا
برق عالم سوز نکلی آہ آتشبار عشق

آنکھ لڑتے ہی غضب کی بیخودی طاری ہوئی
تھی تڑپ بجلی کی یا تھی تیزیِ رفتار عشق

دیکھیے جس دل کو اُس میں ہے اُسی کی آرزو
کیا حلاوت بخش ہے شیرینیِ گفتار عشق

پاے ہمت میں ہیں چھالے میں نحیف و ناتواں
قطع ہوگا مجھ سے کیوں کر جادۂ دشوار عشق

عقل کے جلتے ہیں پر اس کے قریب آتے ہوئے
رعب کا پہلو لیئے ہے اس طرح دربار عشق

پھوٹ کر روتے ہیں جب پاے طلب کے آبلے
ہوتے ہیں غرقاب گریہ وادیِ پُرخار عشق

جس میں غیروں پر نہ کھلنے پائے رازِ دوستی
مست و لایعقل رہا ہر دم ترا ہشیار عشق

وامق و فرہاد و مجنوں سب کے سب جب چل بسے
میرے سر باندھی خدائے پاک نے دستار عشق

کچھ بھی پہلے سے اگر ہوتی خبر انجام کی
ہم تو ہرگز اپنی گردن پر نہ لیتے بار عشق

رزمگاہِ عاشقی کی جیت میرے ہاتھ ہے
لشکرِ دلدادگاں میں ہوں علم بردارِ عشق

خلعتِ دیوانگی مجھ کو ہوا ہے مرحمت
یا الٰہی حشر تک قائم رہے سرکارِ عشق

کوئی نادانی سے چاہے دق کہے یا سل کہے
درحقیقت ہو گیا ہے قیسؔ کو آزارِ عشق

ردیف کاف تازی

نہ نکلا وصل میں کچھ مدعا اول سے آخر تک
رہا دل ہی میں دل کا حوصلا اول سے آخر تک

کتابِ عشق کو مضمونِ حسرت ہی سے پُر پایا
اُلٹ کر بارہا دیکھا پڑھا اول سے آخر تک

شبِ غم کی مصیبت، وہ اگر پوچھیں تو اے قاصد
سُنا دینا یہاں کا ماجرا اول سے آخر تک

کچھ ایسی کاتبِ اعمال کی مجھ پر عنایت تھی
کہ لکھ کر رکھ دیا اچھا برا اول سے آخر تک

وہ ہم کو بے وفا کہتے رہے ہم بے وفا اُنکو
محبت میں یہی جھگڑا رہا اول سے آخر تک

ستم ہو۔ قہر ہو۔ کچھ ہو۔ کبھی میں مُنہ نہ موڑونگا
رکھوں گا دل کو پابندِ وفا اول سے آخر تک

ترے کوچے میں کوئی حد بھی ہو حرماں نصیبونکی
پڑے ہیں کشتۂ تیغِ ادا اول سے آخر تک

مجھے مرکوز خاطر زندگی بھر اُن کی دلجوئی
رہے وہ مست ظلمِ ناروا اول سے آخر تک

ترس کھا کر ذرا سا اُس نے میرا حال پوچھا تھا
میں صدقے بیخودی کے کہگیا اول سے آخر تک

نہ راس آئی مرے دل کو محبت مہ جبینونکی
ہمیشا داغ ہی کھایا کیا اول سے آخر تک

مرا خط پڑھتے ہی اس نے یہ کہکر چاک کر ڈالا
ہے اس میں حرف شکوا ہی گلا اول سے آخر تک

بنے معجز بیاں کہلائے تم عیسیٰ نفس پھر بھی	علاجِ غم نہ ہرگز ہو سکا اول سے آخر تک
بنائی صانعِ قدرت نے جب لوحِ جبیں میری	فقط رونا ہی رونا لکھدیا اول سے آخر تک
وہاں جاکر ہوئی پیغام بر کو سخت حیرانی	فسانا عشق کا کہنا پڑا اول سے آخر تک

وہ سُنکر قیس کے دیوان کی تعریف کہتے ہیں
کہ ہے کیا اس میں جز آہ و بکا اول سے آخر تک

بہتے ہیں مری آنکھوں سے لختِ جگر اب تک	روتی ہے ترے غم میں لہو چشم تر اب تک
باقی ہے اُسی شان سے سودائے سر اب تک	زلفوں میں ہیں اُلجھے ہوئے تارِ نظر اب تک
دیکھو نہ رُکے ناوک مژگاں کا نشانا	میں عاشق جانباز ہوں سینہ سپر اب تک
ہے پاس ادب ورنہ مری آہ رسا سے	ہو جاتے نہ افلاک بھی زیر و زبر اب تک
سب حال ہمارا ہے وہی پوچھتے کیا ہو	غش ہی میں رہا کرتے ہیں دو دو پہر اب تک
مدت ہوئی وہ لے کے خطِ شوق گیا ہے	کیا جانیں کہ آیا نہیں کیوں نامہ بر اب تک
یارب شب فرقت میں ہے کیسی یہ درازی	بولا ہے مؤذّن ہی نہ مرغِ سحر اب تک
اُس نے تو مرے دل میں جگہ اپنی بنالی	میرا نہ ہوا یار کے دل میں گزر اب تک
کیا کیا نہ ہمیں درد محبت نے ستایا	تو نے مگر اے جان نہ لی کچھ خبر اب تک
کس طرح مری منزل دشوار کٹے گی	بنتی نہیں کچھ صورت زادِ سفر اب تک
تیرِ نگہِ یار نے گھایل جو کیا ہے	رہ رہ کے ٹپکتے ہیں یہ زخمِ جگر اب تک
دل دے کے میں ترسا ہی کیا وصل کی خاطر	اس نخل تمنا میں نہ آیا ثمر اب تک

کیوں تم نے دیئے گیسوئے پُرپیچ کو جھونکے
نازک ہے لچک جاتی تمھاری کمر اب تک

اس میری وفا پر بھی ترس کچھ نہیں آتا
ہے درپئ آزار وہ بیدادگر اب تک

چیخا کیئے لیکن نہ کھُلا باب اجابت
نالے رہے سرگرم تلاشِ اثر اب تک

سانس اُکھڑی غمِ ہجر میں پتھرا گئیں آنکھیں
افسوس تم آئے نہیں میرے گھر اب تک

اشکوں کی جھڑی میں یہ چمک جاتی ہے بجلی
یا اُڑتے ہیں آنکھوں سے ہماری شرر اب تک

نظروں میں مری حور و پری خاک سمائیں
دل میں تو ہے ایک اور ہی رشکِ قمر اب تک

تھی جس کی طلب تھا وہ قریبِ رگِ گردن
مارے پھرے اے قیسؔ کدھر سے کدھر اب تک

ردیف کاف فارسی

لوٹتا ہوں میں یہاں غم سے سرِ بستر الگ
اور وہ نالوں سے میرے ہیں وہاں مضطر الگ

ایک تو خود ہی مری صحرا نوردی کم نہ تھی
دوسرے دورِ زماں دینے لگا چکّر الگ

وصل میں بھی گردشِ قسمت نے رکھا دور دور
وہ جدا ہم سے رہا اور اُن سے ہم شب بھر الگ

سوزِ غم سے ہو گیا تنّور سب میرا بدن
گرم آنسو دامنوں میں صورتِ اخگر الگ

ایک سی قسمت نہیں ہوتی تمام انسان کی
خضر کی تقدیر الگ تھی بختِ اسکندر الگ

دشمنوں پر خوف سے چھائی ہوئی تھی مردنی
میری آہوں سے فلک کانپا کیا تھر تھر الگ

ہو رہا ہے طعنۂ احباب سے چھلنی جگر
حلق پر چلتا ہے اُس بے رحم کا خنجر الگ

میکدے میں آج اے ساقی بتا کچھ خیر ہے
کیوں ہے سب ٹوٹا پڑا شیشہ الگ ساغر الگ

رنگِ محفل میرے آتے ہی عجب پھیکا پڑا
جب ہوئے وہ غیر کے پہلو سے کچھ کھسکر الگ

شکوۂ جور و جفا کی داد کیا ملتی مجھے — آگیا الزام بے صبری مرے سر پر الگ
اُس طرف اُن کو شکایت یہ کہ جینا ہی محال — اِس طرف مجھ پر ہے اپنی زندگی دوبھر الگ
پیش داور لے کے جاتا ہوں ہجومِ آرزو — چاہیے میرے لیے وسعتگہِ محشر الگ
مر کے چکھنا ہے خدا کی مہربانی کا مزا — دیکھنا ہے سیر لطفِ ساقیِ کوثر الگ
اُڑتے ہیں افلاک پر جا کر شرارے آہ کے — ہو رہے ہیں موم نالوں سے مرے پتھر الگ

قیس کا مرنا بھی اک ہنگامۂ محشر ہوا
میرے گھر ماتم الگ ہے دشمنوں کے گھر الگ

کب کی دبی ہوئی تھی دلِ پُر محن میں آگ — جس نے سُلگ کے آج لگا دی بدن میں آگ
بزمِ عدو میں یوں نہ کھلے بند بیٹھیے — پنہاں ہے میرے نالۂ آتش فگن میں آگ
لیٹا ہوں آتے ہی جو میں آغوشِ قبر میں — داغِ فراق سے بھڑک اٹھی کفن میں آگ
آیا ہے بہرِ سیر یہاں ایک شعلہ رو — اے عندلیب دوڑ لگی ہے چمن میں آگ
کیونکر میں تنگ آکے نہ غربت کی راہ لوں — پھیلی ہوئی ہے بغض و حسد کی وطن میں آگ
بجلی کی طرح کوند کے آنکھوں کے سامنے — دہکا دی کس پری نے مرے قصرِ تن میں آگ
ہوتی نصیب کیا تپشِ غم سے جاں بری — اٹھی جو دل سے آکے لگی پیرہن میں آگ
ہر دم حریف یار سے کھاتا ہے چغلیاں — قابو نہیں کہ بھر دوں میں اُس کے دہن میں آگ

اے قیس میری آہوں سے برہم ہیں صحبتیں
پہنچی ہے سوزِ غم کی ہر ایک انجمن میں آگ

ردیف لام

پہلو میں لے کے جائیں کہاں سوگوار دل
افسردہ دل ستم زدہ دل بے قرار دل

دینا ہی تھا جو بھر غم اے کردگار دل
تو نے نہ کیوں دیا مجھے خوب استوار دل

کھائی ہے اس نے ہائے یہ کیسی غضب کی چوٹ
جس جس جگہ سے دیکھیئے ہے داغدار دل

کشتِ اُمید برق تغافل سے پھنک گئی
ہے غم سے پاش پاش مرا غمگسار دل

ارمان لے کے جاؤں ہیں ایسی گلی میں کیا
ٹوٹے ہوئے پڑے ہوں جہاں بے شمار دل

اک دل تو پاس تھا ہی جسے تم نے لے لیا
اب پھر کہاں سے ڈھونڈتے ہو بار بار دل

بہتے نہیں ہیں آنکھوں سے میری سرشک غم
گریاں کسی کی یاد میں ہے زار زار دل

جیسا ہوا ہے مجھ کو سخن ناشنو نصیب
ایسا نہ دے کسی کو بھی پروردگار دل

یوں ہی جو تاک تاک کے تیرِ نظر چلے
برچھی کے ساتھ کیوں نہ ہو سینے کے پار دل

مانا کہ ہے خراب تو اس کا ملال کیا
تم پھیر دو خوشی سے جو ہو ناگوار دل

پھینکوں تمھارے سر سے میں صدقے اُتار کر
اک دل تو کیا ہے پاؤں اگر سو ہزار دل

جب لطف زیست ہے کہ ہو یوں ربط دوستی
ہم اُن پر اور وہ کریں ہم پر نثار دل

میں روز روز لا کے نیا دل کہاں سے دوں
کیا راہ چلتے ملتے ہیں کچھ مستعار دل

پوچھا جو اُس نے لائے ہو کیا نذر کیلیئے
نکلا مری زبان سے بے اختیار دل

اے قیس کیا بتاؤں تمھیں وجہ بیخودی
بیچین کر رہا ہے مصیبت شعار دل

ردیف میم

رکھیں گے جب تک اُس بتوں کی وفا سے ہم — کرتے رہیں گے لاکھ بہانے قضا سے ہم

لینی کمند پھینک کے آہِ رسا سے ہم — لے لیں گے مدعائے دل اپنا خدا سے ہم

پاسِ ادب ہے مانع اظہار بیخودی — ہیں ورنہ مضطرب ستمِ ناروا سے ہم

بیتابیوں سے دل کی ہوا فاش رازِ عشق — رسوائے خلق ہو گئے شور و بکا سے ہم

ایذا دہی پر اُن کو اُدھر وصل میں حجاب — نادم اِدھر ہیں شکوۂ جور و جفا سے ہم

اُن کا قصور ہے نہ گِلا ہے رقیب کا — صدمے اُٹھا رہے ہیں دلِ مبتلا سے ہم

جی کی یہ آرزو کہ گلے سے لگائیے — مجبور ان کی شرم سے اُن کی حیا سے ہم

تیری طلب میں تجھ کو بنائیں گے رہنما — تیرا نشان لیں گے ترے نقش پا سے ہم

دل اُن سے پھیر کر ہمیں صحت ہوئی تو کیا — درگزرے اس علاج سے ایسی دوا سے ہم

قسمت نے عاشقوں میں سرافراز کر دیا — ممنون قتل ہو گئے تیغِ ادا سے ہم

کیوں ہے ہمارے مرنے کی غیروں کو آرزو — پائیں گے عمرِ خضر اُنھیں کی دعا سے ہم

ظاہر نہ کر سکے کبھی حسرت وصال کی — شرمندۂ طلب نہ ہوئے مدعا سے ہم

افسوس تم نے پھر اسے وحشی بنا دیا — قابو میں دل کو لائے تھے کس التجا سے ہم

آنکھیں ستمگروں سے لڑانا ہی قہر تھا — پامال جور ہو گئے اپنی خطا سے ہم

سیمیں تنوں کی لینے کو خوشبوے پیرہن — آگے ہی دس قدم رہے بادِ صبا سے ہم

دشمن کے ظلم سے نہ ہوئے باریاب جب
دل تھام کر پھرے در دولتسرا سے ہم

ہاتھوں کو لال کرکے ہمارے لہو میں وہ
کہتے ہیں بے نیاز ہیں رنگِ حنا سے ہم

آہوں میں گرمیوں کے دکھانے سے کیا حصول
دنیا کو سرد کرتے ہیں ٹھنڈی ہوا سے ہم

لختِ جگر کھلا کے پلاتے ہیں خونِ دل
کرتے ہیں غم کی داشت اس آب و غذا سے ہم

ہوگی اگر نصیب شفاعت رسول کی
چھوٹیں گے صاف پرسشِ روزِ جزا سے ہم

اے قیسؔ زیب و زینتِ دنیا سے کیا غرض
بیٹھے ہیں سیر زندگیٔ پُر دغا سے ہم

ہے کشمکش میں طبیعت سبب نہیں معلوم
ہمارے دل کو ہے کس کی طلب نہیں معلوم

کھنچی ہے تیغ بھبھوکا بنے وہ بیٹھے ہیں
کدھر گرے گی یہ برقِ غضب نہیں معلوم

کمندِ عشق جو پھینکوں تو کس طرح پھینکوں
بتوں کے دل میں اُترنے کا ڈھب نہیں معلوم

وہ سُن کے نالے ہمارے عدو سے کہتے ہیں
گلی میں کیا ہے یہ شور و شغب نہیں معلوم

تلاش و فکر میں حیراں ہوں کہاں جاؤں
کسی کے ملنے کی صورت ہی جب نہیں معلوم

ہے کون بختور ایسا کہ جس کی خاطر سے
قرار پائی ہے بزمِ طرب نہیں معلوم

تری گلی میں بھی کیا طور کی تجلی ہے
پڑے ہیں غش میں یہ کیوں سب کے سب نہیں معلوم

کھڑا ہوں دیر سے اُمیدوارِ ڈیوڑھی پر
نصیب ہوگی تری دید کب نہیں معلوم

اجل کی راہ دکھائی کسی کی فرقت نے
وہ کیا کرے گی مرا حال اب نہیں معلوم

یہ آرزو ہے کہ جا کر مروں مدینے میں
ہے کیا سوادِ زمینِ عرب نہیں معلوم

وہ بولے دیکھ کے مقتل میں قلیسؔ بسمل کو
سسک رہا ہے یہ کیوں جاں بلب نہیں معلوم

صبح کرتے ہیں شبِ فرقت کی کس مشکل سے ہم
رات بھر جلتے ہیں مثلِ شمع سوزِ دل سے ہم

دردِ دل۔ زخمِ جگر۔ سوزِ الم۔ داغِ فراق
جاتے ہیں یہ آفتیں لے کر تری محفل سے ہم

سخت جانی کے سبب پہروں اُنھیں ایذا رہی
کیوں نہ ہوں شرمندہ دستِ و بازوِ قاتل سے ہم

مانعِ نظارہ اے لیلیٰ نہیں تیرا حجاب
دیکھ لیں گے تیری صورت پردۂ محمل سے ہم

عشق زلفِ یار میں حد سے سوا ہے اضطراب
ہیں بہت حیران اپنے پیچ و تابِ دل سے ہم

کب رہِ الفت میں پہنچا تا بمقصد راہ رو
ڈرتے رہتے ہیں ہمیشا دوریِ منزل سے ہم

حسرتیں نکلیں گی سب اپنے دلِ پُرداغ کی
ہوں گے ہم پہلو جب اُس رشکِ مہِ کامل سے ہم

پہلوِ اغیار میں اُس شمع رو کو دیکھ کر
صورتِ پروانہ جل کر اُٹھ گئے محفل سے ہم

ذبح بھی کرتا ہمیں تو کچھ نکلتیں حسرتیں
جا لپٹتے خون بن کر دامنِ قاتل سے ہم

ہے ہمارا دل ترے چاہ زنخداں میں اسیر
کم نہیں اس کو سمجھتے ہیں چہِ بابل سے ہم

جس قدر جور و ستم جی چاہے کر لے اے صنم
لیں گے اس کی داد محشر میں شہِ عادل سے ہم

دیدۂ گریاں کے قطروں کی یہ عزت دیکھنا
پونچھتے ہیں چشمِ تر کو دامنِ قاتل سے ہم

مدتوں سے تھا ہمیں سودائے وصلِ دلربا
آج پہنچے اپنے مقصد کو بڑی مشکل سے ہم

فیض ہے اے قلیسؔ یہ بھی حضرتِ اُستاد کا
لُطف پیدا کر رہے ہیں بندشِ مشکل سے ہم

ردیف نون

حیرت سے ترے رُخ کی ضیا دیکھ رہے ہیں
اے رشکِ قمر جوشِ صفا دیکھ رہے ہیں

ہر وعدے پر اک وعدہ نیا دیکھ رہے ہیں
جو کچھ کہ تو کرتا ہے دغا دیکھ رہے ہیں

اُس بُت کو اِدھر آج جھکا دیکھ رہے ہیں
ممنون اثر اپنی دعا دیکھ رہے ہیں

فرقت میں غم و رنج و بلا دیکھ رہے ہیں
قسمت میں ہے جو کچھ کہ لکھا دیکھ رہے ہیں

ہم قتل کا سامان کھُلا دیکھ رہے ہیں
اے شوق قضا تیری دوا دیکھ رہے ہیں

جلوا کفِ جاناں میں ہے خونِ شہدا کا
پاؤں میں جما رنگ حنا دیکھ رہے ہیں

تو محوِ تماشا ہے مرے دیدۂ حیراں
صورت تری اے ماہ لقا دیکھ رہے ہیں

کس طرح کھُلیں ہم ابھی اربابِ سخن میں
اس دہر کی تاثیر ہوا دیکھ رہے ہیں

پھر بھی دل کا ٹھکانا نہیں ملتا
ہم جب سے تری زلف دوتا دیکھ رہے ہیں

چتون میں جو شوخی ہے تو آنکھوں میں لگاوٹ
ہر بات میں اک طرز ادا دیکھ رہے ہیں

پہلے تو ذرا آنکھ جھپکتی نہ تھی تیری
اب کیا ہے جو یہ شرم و حیا دیکھ رہے ہیں

پامال شریفوں کو زمانے نے کیا ہے
سفلوں کو تہِ ظلِ ہما دیکھ رہے ہیں

دزدیدہ نگاہی کا سبب کچھ نہیں کھُلتا
رہ رہ کے وہ کیوں ہمکو بھلا دیکھ رہے ہیں

تشبیہ دیں کس طرح تجھے حور و پری سے
انداز ترا سب سے جدا دیکھ رہے ہیں

ہر چند کہ تم باتیں بناتے ہو شب و روز
لیکن جو ہیں آثار وفا دیکھ رہے ہیں

آنکھوں میں لگاتے ہیں غبارِ درِ جاناں
ہم اس کو بہ از خاک شفا دیکھ رہے ہیں

حسرت بھری آنکھوں سے بصد شرم و ندامت
وہ قبر مری بعد فنا دیکھ رہے ہیں

کس جوش میں ہیں تیری جوانی کی امنگیں
کیا حسن ترا نام خدا دیکھ رہے ہیں

ہاتھ اب مری صحت سے طبیبوں نے اُٹھایا
مجبور ہیں سب حال بُرا دیکھ رہے ہیں

کیونکر نہ کریں ہم مے گلگوں کی تمنا
بجلی کی چمک کالی گھٹا دیکھ رہے ہیں

عشاق ترے سر بہ کف اے یار گلی میں
مدت سے کھڑے راہ قضا دیکھ رہے ہیں

دل دیکے رکھیں تم سے ہم امید وفا کیا
ہر لحظ تو سرگرم جفا دیکھ رہے ہیں

ڈھالی ہے کہیں قیس نے بیشک مے گلگوں
مستانہ ہر اک طرز و ادا دیکھ رہے ہیں

آنکھ لڑتے ہی ارے تو نے ذرا سوچا نہیں
کیوں تڑپ کر رہ گیا میں درد اگر اُٹھا نہیں

یوں نہیں کیا کہتے ہو تم ایسا نہیں ویسا نہیں
دل مرا دیکھا نہیں میرا جگر آنکا نہیں

آتشِ غم پھر مرے سینے میں روشن ہو گئی
پھر کہیں آہوں سے برسے آگ کا شعلا نہیں

کب ترے دامن سے میں لپٹا نہیں شکلِ غبار
کب ترے در پر بدل کر بھیس میں آیا نہیں

ہے مجھے کافی نگاہِ لطف آمیز آپ کی
سوچ ہے کیا اِس قدر کچھ اور تو چاہا نہیں

ہو پریشاں آپ اپنی نازکی کے بوجھ سے
نیچا کیونکر اُٹھے جب ناز اُٹھ سکتا نہیں

چاہنے والوں سے یہ بے اعتنائی حیف ہے
جان پر فرقت کی شب کیا کیا بنی پوچھا نہیں

ایسے آنے سے تو بہتر تھا نہ آنا ہی ترا
میرے پاس آیا تو کیا آیا کہ جب ٹھہرا نہیں

پھونک ڈالونگا تجھے بھی نالۂ جانسوز سے
دل جلوں کو یوں جلانا اے فلک اچھا نہیں

یا الٰہی خیر ہو کیا پیش آئی واردات
لے کے خط بھیجا ہے ابتک نامہ بر لوٹا نہیں

حال میرا پوچھ کر وہ ہو گیئے آخر اداس
جب کہا لوگوں نے یہ بیمار غم بچتا نہیں

میں ترے دل میں پہنچکر گھر بنا لیتا ضرور
کیا کروں تقدیر کو رستا مگر پایا نہیں

ناصحِ مشفق بس اب ترکِ نصیحت کیجیئے
دور ہو جائے مرے سر سے یہ وہ سودا نہیں

وصل کا ہونا نہ ہونا دونوں یکساں ہی رہا
تھے وہ پہلو میں مگر کچھ مدعا نکلا نہیں

تیرے ہوتے کیا رکھوں اے دل توقع غیر سے
تو ہی جب اپنا نہیں تو کوئی بھی اپنا نہیں

آزمانا ہو مجھے تو آزما کر دیکھ لو
جان تک میری نکلجائے تو کچھ پروا نہیں

بیخودی میں بھی وہی پاسِ وفا ملحوظ ہے
پھیر لوں دل دے کے یہ مجھ سے کبھی ہوگا نہیں

گردنیں کٹتیں نہیں کب کوچۂ سفاک میں
شورِ محشر کون سے دن ہے وہاں برپا نہیں

تھامرے پہلو میں جو دل ناز کا پالا ہوا
چھین کر برباد کر دینا اُسے زیبا نہیں

کیوں نہ کاندھا دے کے پہنچائیں فرشتے گور تک
ہوں ترے عاشق کا لاشا غیر کا مُردا نہیں

آرزو کا ہو بُرا اے **قیسؔ** کیا شے ہے امید
میں کھڑا سنتا رہا اُس نے کہا کیا کیا نہیں

سچ ہے کہ آپ سا بھی کوئی بے وفا نہیں
چیخا کیا میں لاکھ مگر کچھ سُنا نہیں

معشوق یوں تو کون ہے جو پُر جفا نہیں
تیری جفا و جور کی کچھ انتہا نہیں

دل تو مرا پسند کے قابل رہا نہیں
ملجائے تم کو مفت تو لے لو بُرا نہیں

مسجد نہیں حرم نہیں بیتِ خدا نہیں
اے شیخ میکدا ہے یہ توبہ کی جا نہیں

دیکر ہیں نقد دل تمھیں کچھ چاہتا نہیں
اِک بوسہ مانگتا ہوں کہو دوگے یا نہیں

چارہ گروں سے کیا ہو مداواے دردِ عشق
یہ وہ مرض ہے جس کی سنی ہی دوا نہیں

ہنس ہنس کے گالیاں تو مجھے دے رہی ہو تم
میں بھی جو کچھ کہوں تو پھر اِس کا گِلا نہیں

کرتا وضو ہیں حضرت ناصح کے خون سے
افسوس ہے کہ داؤ مرا کچھ چلا نہیں

مجھ پر تو کھل چکے ہیں فریبِ وفاے دوست
دشمن کو رو رہا ہوں کہ وہ جانتا نہیں

کرتے ہو بوالہوس سے لگاوٹ کھُلی کھُلی
پاسِ وفاے عاشقِ غمگیں ذرا نہیں

تیرِ نظر چلا مری جانب اگر کبھی
بیٹھا جگر میں جاکے کہیں بھی رُکا نہیں

کہتا نہ تھا کہ آپ مرا دل نہ پھیریئے
پچتا رہے ہیں کس لیئے اب بھی گیا نہیں

جاتے تو ہو چمن میں مرا جی ہے کانپتا
گستاخیاں کرے کہیں بادِ صبا نہیں

ہے نازمے کشوں کو جس ابرِ سیاہ پر
دل کا مرے دھواں ہے وہ کالی گھٹا نہیں

سینچا کروں کہاں تک اسے آبِ اشک سے
نخلِ امید میں ثمر اب تک لگا نہیں

آئے ہو قتل کرکے کسی بے گناہ کو
آتی ہے بو لہو کی یہ رنگِ حنا نہیں

گردِ نظر کسی کی نہ رخسار پر پڑے
خلوت سراے دل میں رہو بر ملا نہیں

کیا بات تھی جو آنکھ بچا کر چلے گئے
میں نے تو کچھ کسی سے کہا یا سُنا نہیں

طرزِ سخن سے پہلوِ مطلب سمجھ کے وہ
کہنے لگے پسند مجھے چوچلا نہیں

جو کچھ کہ سختیاں مجھے سہنا تھیں سہ چکا
اے صدمۂ فراق زیادہ ستا نہیں

پردے میں شرم کے مجھے بسمل بنا دیا
جادو بھری نظر تھی تمھاری حیا نہیں

اپنے ہی دل کے گوشے میں رہنے دو تم مجھے
آوارہ وطن ہوں کہیں گھر مرا نہیں

زاہد بھی اُس کو دیکھ کے آخر یہ بول اُٹھا
حورِ جناں ہے شاہدِ رنگیں ادا نہیں

کیا کیا بھری ہوئیں ہیں تمنائیں کیا کہوں
پوشیدہ آپ پر تو کوئی مدعا نہیں

صورت ہے پارسا کی حقیقت میں رند ہیں
تقویٰ جناب قیسؔ کا ہم سے چھپا نہیں

ہم نے پایا دل لگانے کا صلا کچھ بھی نہیں
جان تک دیدی مگر اے بے وفا کچھ بھی نہیں

خانہ باغِ غم ہے یہ دارِ فنا کچھ بھی نہیں
داغِ حسرت کے سوا اس سے ملا کچھ بھی نہیں

کم سمجھ ہیں جن کو ہے فکرِ بقائے نام و ننگ
عالمِ فانی میں امیدِ بقا کچھ بھی نہیں

آنکھیں ہیں دریائے غم سانسیں ہیں امواجِ فنا
میں ہوں آبِ زندگی کا بلبلا کچھ بھی نہیں

رات دن جور رنج و غم ہم دیکھتے ہیں ای فلک
ہے مقدر کا لکھا تیرا گلا کچھ بھی نہیں

آگئی پیری جوانی کے گئے سب ولولے
اب وہ خواہش وہ ہوس وہ حوصلا کچھ بھی نہیں

کیا مصور کھینچتا مجھ زار کی بگڑی شبیہ
تھا میں تصویرِ خیالی کھنچ سکا کچھ بھی نہیں

پھنک رہا ہے آتشِ فرقت میں ہر موئے بدن
بے وصالِ یار جینے کا مزا کچھ بھی نہیں

واہ ری غفلت کہ تیرا شیفتہ مجنوں لقب
قصۂ غم کہ گیا تو نے سنا کچھ بھی نہیں

کیا دکھائیں مدّ و جزرِ دامنِ یاس و امید
جب بدن پر جز نشانِ بوریا کچھ بھی نہیں

لے گیا پہلو سے میرے دل کو وہ نا آشنا
چار سمتِ دہر میں جس کا پتا کچھ بھی نہیں

لاکھوں کو اچھا کیا ہی تو نے اے رشکِ مسیح
مجھ مریضِ عشق کی شاید دوا کچھ بھی نہیں

بیخودی میں لے لیے بوسے لب و رخسار کے
ورنہ اس میں واقعی میری خطا کچھ بھی نہیں

کون سنتا ہے ہم ایسے سوختہ قسمت کی بات
کیا ہماری آرزو کیا مدعا کچھ بھی نہیں

جوشِ الفت میں لپٹ کر کس مزے سے رات وہ
کہتے تھے اب سمجھے ہم شرم و حیا کچھ بھی نہیں

سینچنا سیلِ وفورِ اشک سے بے سود ہی
مزرعِ الفت میں حاصل کا پتا کچھ بھی نہیں

خط کے آنے سے محشی مصحفِ رخ ہو گیا
پھر بھی تنگیِ دہن سے حل ہوا کچھ بھی نہیں

ہم تو جھیلیں سختیاں اغیار ہوں شایانِ لطف
سچ ہے تم سے اے بتو چشمِ وفا کچھ بھی نہیں

ہاتھ کیوں رنگتے نہیں خونِ شہیدِ ناز سے
آپ کو مرغوب کیا رنگِ حنا کچھ بھی نہیں

اُس نے مجھکو رات ٹھنڈی سانسیں بھرتی دیکھکر
ہنسکے پوچھا کیا ہوا میں نے کہا کچھ بھی نہیں

بے تکلف اس کو لے لیتے ہیں ہاتھوں میں رقیب
اب وہ زہرا فعی زلفِ رسا کچھ بھی نہیں

ایک بوسا لے لیا ہم نے تو ہے یہ بازپرس
ظلم جو ہم پر ہوا گویا وہ تھا کچھ بھی نہیں

کچھ دنوں میں مست جامِ خوابِ غفلت تھا مگر
آنکھ جب کھولی تو پھر تیرے سوا کچھ بھی نہیں

کیا زمانے میں ہمیں ہیں قابلِ مشقِ ستم
ہوتے کیوں اغیار پر جور و جفا کچھ بھی نہیں

بڑھتے بڑھتے بڑھ گئی بیحد مری کاہیدگی
جسم لاغر پر رگِ جاں کے سوا کچھ بھی نہیں

میرے دل میں ڈھونڈتے ہیں کیا بتانِ باہوش
اس میں جز داغِ الم باقی رہا کچھ بھی نہیں

قیس رندِ لاابالی اک عجب انسان ہے
لاکھ سمجھاتے ہیں لیکن مانتا کچھ بھی نہیں

کب میں کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ویسا کردیں
ہاں مگر نالے کچھ اُن پر اثر اپنا کردیں

وہ جو چاہیں تو زمانا تہ و بالا کردیں
گردشِ چشم فسونگر سے تماشا کردیں

کیا عجب ہے کہ دمِ قتل ہم اپنی آنکھیں
وقف نظارۂ حُسنِ رخِ زیبا کردیں

ہے انھیں دعوی اعجاز مسیحا تو ذرا
مجھ مریضِ غمِ ہجراں کو بھی اچھا کردیں

نرگسیں آنکھوں کا بیمار بنا کر مجھ کو
ہائے انصاف کہ وہ ترک مداوا کردیں

راز دل میں تو نہ کھلنے دوں کسی پر ہرگز
کیا کروں اِس کو جو وہ آپ ہی افشا کردیں

شعلۂ طور کے مانند دکھا کر وہ جھلک
خاکساروں کو نہ پامال تمنّا کردیں

جی بہلنے کے لیے گوشۂ تنہائی میں
کچھ امیدوں کے بھی سامان مہیا کردیں

لاش پر دیدۂ پُرنم سے بہا کر آنسو
مرنے والوں میں ذرا نام ہمارا کردیں

روح کی جسم سے ٹھہرے گی لڑائی کبتک
طے خدا کے لیے جلد آکے یہ جھگڑا کردیں

زلف و رخسار سے لیں کام عدو سے نہ ڈریں
دن کو تاریک کریں شب کو اُجالا کردیں

پوچھی جائے جو وہاں اُن کی تمنا اُن سے
یا الٰہی مری جانب وہ اشارا کردیں

کچھ نہ کچھ لے ہی کے آنا تو جواب اے قاصد
دیکھ ایسا نہ ہو وہ حیلہ حوالا کردیں

مجمعِ حشر میں دل دادِ طلب ہو کیوں کر
خوف یہ ہے کہ نہ فتنا کوئی برپا کردیں

فیض استاد سے وہ زورِ قلم ہے اے قیسؔ
چاہیں جو لطف ہم اشعار میں پیدا کردیں

کھینچیں ہم آہ سرد اگر اضطراب میں
چکّر میں عرش آئے زمیں انقلاب میں

اب تک ہے جاگزیں دل خانہ خراب میں — تصویر یار ہم نے جو دیکھی تھی خواب میں
ہے میرے داغ دل کی تپش آفتاب میں — چشمان اشکبار کا عالم سحاب میں
حُسن اور بڑھ گیا جو رنگا کر شہاب میں — جالی کی کرُتی یار نے پہنی شباب میں
شب کو خیال زلف ہے دن کو خیال رُخ — رہتے ہیں رات دن ہم اسی پیچ و تاب میں
اُس شوخ کی عذوبت گفتار کیا کہوں — باتیں لپٹی جاتی ہیں مُنہ کے لعاب میں
جُھنجھلا کے کہتے ہیں مرے اصرار وصل پر — آئے تھے کیا سمجھ کے پھنسے کس عذاب میں
پھیلے گی عکس روئے منور کی چاندنی — چھُپ کر نہ جا سکو گے شبِ ماہتاب میں
عاشق کے دل کو عرش سے رتبے میں کم نہ جان — دونوں میں فرق کچھ نہیں میرے حساب میں
لکھا ہے خط شوق میں جان اور دل اُنھیں — دیکھیں تو لکھتے ہیں وہ ہمیں کیا جواب میں
آنا کبھی کبھی سر تربت پسِ فنا — اتنی سی میری عرض ہے تیری جناب میں
اُس کی نگاہ مست میں جیسا سرور تھا — وہ لطف کب ملا ہمیں کیفِ شراب میں
دیکھیں کہاں تک آپ کی ہم کج ادائیاں — کب تک سہیں فراق کے صدمے شباب میں
سبزے نہیں ہیں زینت رخسار آتشیں — بیلیں بنی ہوئی ہیں سنہری کتاب میں
اُڑ جائیں گی ضرور عمامے کی دھجیاں — آیا جو محتسب کہیں بزمِ شراب میں
ہم سے ہزار طرح وہ پردا کریں تو کیا — چہرا ہے چاند سا نہ چھپے گا نقاب میں
کیا ظلم ہے کہ ہم ہوں گرفتار رنج و غم — مصروف عیش تم رہو چنگ و رباب میں
کہنے کو تو حسین زمانے میں ہیں بہت — ٹھہرے ہو لیکن ایک تمھیں انتخاب میں

عشقِ بتاں میں غم سے کلیجا ہوا فگار
دل آتشِ فراق سے ہے التہاب میں

حیران ہوں کہ کٹتی ہیں کس طرح گردنیں
خنجر نہ ہاتھ میں ہے نہ تلوار ڈاب میں

رندوں کو دیکھتے ہیں حقارت کی راہ سے
زاہد نہ جا پڑیں کہیں رب کے عتاب میں

تارے فلک سے گرتے ہیں دانت اُسکے دیکھکر
رتبا یہ موتیوں کو نہیں آب و تاب میں

اہل ہوا سمجھتے ہیں دنیا کو پائدار
دھوکا ہوا حیات کا شاید حباب میں

تھا قیس بھی کسی گل تر کا فریفتا
واجب ہے اس کو غسل دلانا گلاب میں

نہ ہاتھ آیا کوئی نشتر جو ہم کو دشت غربت میں
تو پھوڑے آبلے کانٹوں سے ہمنے جوش وحشت میں

ہوئی ہے زندگی دو بھر پڑی ہے جان آفت میں
تمھیں فرصت نہیں غیروں سے میں مرتا ہوں فرقت میں

مجھے پروا نہیں ہر چند ہوں دس کی حراست میں
خدا سے لڑ کے لونگا جو تو ہی میری قسمت میں

نہ دیتے دل اگر تم کو تو کیوں پھنستے مصیبت میں
یہ سچ ہے آدمی برباد ہوتا ہے مروت میں

ہر اک کو کھینچ لیتا ہے وہ شوخ اپنی محبت میں
خدا کی شان یہ تسخیر اک مٹی کی مورت میں

جو دیکھا غور سے تم کو تو نکلے سب میں لاثانی
حیا میں ناز میں شوخی میں غمزے میں شرارت میں

میں سچ کہتا ہوں اثباتِ تناسخ پر جو آجاتا
بدل کر غیر کا قالب پہنچتا تیری خلوت میں

نہ کیوں کر یاد آئیں لطف ایامِ گزشتہ کے
رہا ہوں مدتوں آئینہ بنکر اچھی صورت میں

تری خاطر لگائی آگ ہم نے دیکھو او کافر
حشم میں جاہ میں عزت میں ثروت اور دولت میں

شکایت مٹ گئی سوزِ جگر کی تیغ قاتل سے
اثر ہے آب کوثر کا مگر جامِ شہادت میں

جوانی ہو گئی رخصت گھٹا چھائی ہی پیری کی
امنگیں ہیں مگر اب تک وہی میری طبیعت میں

اگر جیتے رہے تو اک نہ اک دن پھانس لائینگے
چھپینگے ہم سے وہ آخر کہانتک دامِ عزلت میں

ہزاروں آرزوئیں ہیں مگر تم سے کہوں کیونکر
لبوں تک باتیں آ آ کر پلٹ جاتی ہیں ہیبت میں

نہ آنا تھا نہ آئے تم مجھی کو کاش بلواتے
یہی پاسِ وفا ہی تو لگے آگ ایسی الفت میں

جہانتک ربط ہی جس سے وہانتک اُس سے رنجش ہی
اگر کچھ لطف ہی تو دور کی صاحب سلامت میں

تو مرنے پر نہ کر افسوس دل کو داغ دینے کا
جلے گا شمع بن کر یہ ترے کشتے کی تربت میں

شبِ فرقت کلیجا مُنھ کو سو سو بار آتا ہے
تپش میں درد میں رنج و الم میں یاس و حسرت میں

تمھیں انصاف سے کہدو کہ یہ دل یہ جگر رکھکر
کبھی میں دیکھ سکتا ہوں تمھیں غیروں کی صحبت میں

متاعِ دل تمھیں دیتا ہوں میں لے لو کہا مانو
لٹی جاتی ہی یہ دولت عبث تکرار و حجت میں

کب آئیگی وہ کل جس کے لیے ہر روز کل کل ہی
کہو اب صاف کھُل کر تم ملوگے کیا قیامت میں

عدو کہہ کہہ کے جھوٹی باتیں ناحق کان بھرتے ہیں
خدا جانے مرے جاتے ہیں کیوں میری عداوت میں

ابھی آئے ہو ٹھہرو بولو چالو پھر چلے جانا
بگڑتا ہی تمھارا کام ہی کیا ایک ساعت میں

چل اے ظالم تجھے دل دیکے ہم نے خوب بھر پایا
غضب ہی یہ تأمل ایک بوسے کی اجازت میں

مری جانب سے کترا کر وہ یہ کہتے ہوئے نکلے
ملیں گے تم سے ہم اچھی طرح اک روز فرصت میں

پسِ مردن بھی شوقِ دیدِ جاناں رنج دیتا ہے
ہجومِ حسرت و ارماں سے ہوں بیچین تربت میں

یہی ظلم و ستم مجھ پر رہا تو سخت حیرت ہے
کھڑے ہوگے خدا کے سامنے کیونکر قیامت میں

کہاں کا عیش کیسا چین راحت کس کو کہتے ہیں
مجھے تو عمر بھر رکھا ہے قسمت نے مصیبت میں

دکھاؤں جودتِ طبعِ رسائے قلیسؔ میں کیوں کر
کہ شعر و شاعری کا کچھ مزا ہے تو فراغت میں

تیر کا توڑ جو پیکان نظر رکھتے ہیں
شوق سے آئیں کہ ہم سینہ سپر رکھتے ہیں

آئینا اپنے مقابل وہ اگر رکھتے ہیں
اُن کی تصویر کو ہم پیش نظر رکھتے ہیں

کوئی معدوم کی کس طرح صفت کچھ لکھّے
دہن اپنا بھی وہ گم مثل کمر رکھتے ہیں

مونس و یار شبِ ہجر ہم اے رشکِ بتاں
درد دل - داغ الم - زخم جگر رکھتے ہیں

کس کے آنے کی تمنّا ہے کہ شکلِ نرگس
آنکھیں ہم آٹھ پہر جانب در رکھتے ہیں

صحبتیں گرم تو ہیں غیر کے شامل ہردم
اپنے عاشق کی بھی کچھ آپ خبر رکھتے ہیں

رہروانِ رہ الفت کو نہیں فکرِ مآل
پاؤں اس کوچے میں بے خوف و خطر رکھتے ہیں

نالۂ نیم شبی کا ہے مقرر یہ اثر
آپ مجھ پر جو عنایت کی نظر رکھتے ہیں

آپ کامل ہیں اگر جور و جفا کے فن میں
میرے نالے بھی عجب زور اثر رکھتے ہیں

کٹتے ہی وصل کی شب آئی قیامت سر پر
نالۂ صور مگر مرغ سحر رکھتے ہیں

حور و غلماں کی ہوس ہوگی فقط زاہد کو
آرزو تیری تو سب جن و بشر رکھتے ہیں

خانۂ دل میں جو آئے تو وہ کیوں کر آئے
ہم تمنّاؤں سے آباد یہ گھر رکھتے ہیں

تا سرِ عرش نہ پہنچے کبھی میرے نالے
یہ بھی تیری ہی رضا مد نظر رکھتے ہیں

اک شبِ وصل صنم ہو کہ نہ دیکھی اب تک
اک غمِ دوست ہی جو شام و سحر رکھتے ہیں

وہ تپش جس سے کہ جل جائیں تمہارے افلاک
شعلۂ داغ دل اے شمس و قمر رکھتے ہیں

کیوں یہ پژمردہ ہوئے ہیں جو چمن میں آیا
پھول کیا کچھ خلشِ داغ جگر رکھتے ہیں

اشکِ خونیں کی روانی نہو کیوں حد سے فزوں
عزمِ طوفاں یہ مرے دیدۂ تر رکھتے ہیں

کس طرح تجھکو میں پہنچاؤں وہاں تک اے دل
خاطرِ یار میں اغیار گزر رکھتے ہیں

عمر سب دشت نوردی میں بسر کی ہم نے
نہ وطن رکھتے ہیں اے یار نہ گھر رکھتے ہیں

آب محرومیِ تقدیر سے سینچا ہے اسے
نخلِ اُمید جو بے برگ و ثمر رکھتے ہیں

کہتے ہیں دیکھ نہ لے آکے وہ دیوانہ کہیں
بند اسی خوف سے ہم روزن و در رکھتے ہیں

ابھی کمسن ہیں وہ کیا جانیں محبت کے مزے
کب رہ و رسم زمانہ سے خبر رکھتے ہیں

ہے ہمیں مد نظر فکر مضامین کمر
اسلیے سوے عدم عزم سفر رکھتے ہیں

وحشتیں آپ کی ہیں جوش پر اے حضرت دل
آج کل قصد سفر کہیے کدھر رکھتے ہیں

دیکھیے فرط نزاکت سے نہ بل کھائے کہیں
نیچا آپ عبث زیب کمر رکھتے ہیں

چین غربت میں نہ راحت ہی وطن میں ہم کو
ایک ہی شکل سفر اور حضر رکھتے ہیں

مرغ بسمل کی طرح دیکھکے تیرے مژگاں
مضطرب سینے میں ہم قلب و جگر رکھتے ہیں

مجمعِ غیر میں چلتا تو ہے دورِ ساغر
قیسؔ کے حال سے بھی آپ خبر رکھتے ہیں

آنکھوں کی راہ مرے دل میں وہ گھر کرتے ہیں
خوب در پردہ لگاوٹ کی نظر کرتے ہیں

ہجر کی رات جو رو رو کے سحر کرتے ہیں
دن جدائی کے بُری طرح بسر کرتے ہیں

چھینٹے اشکوں کے بجھا سکتے ہیں کب دل کی لگی
ہاں مگر کم خلشِ دردِ جگر کرتے ہیں

اس طرح مجھ سے ہم آغوش اُنھیں ہونا تھا
زلف شبگوں کو عبث طوق کمر کرتے ہیں

ہوتی ہے خوف سے اک طُرفہ قیامت برپا
قہر آلود نگاہیں وہ جدھر کرتے ہیں

اے ستم پیشہ فلک تیری حقیقت کیا ہی
جب فرشتے مرے نالوں سی حذر کرتے ہیں

کچھ تو ہے رمز کہ ہر وقت عدو کے آگے
شکوہ میرا ہی وہ کرتے ہیں اگر کرتے ہیں

آب و رنگِ لب و دنداں سے ترے کیا نسبت
لوگ ناحق صفتِ لعل و گہر کرتے ہیں

جان تک عشق میں دے دیتے ہیں دینے والے
قطع اِس راہ کو بے خوف و خطر کرتے ہیں

باتیں کچھ لفظ ہوں کچھ طرز بیاں ہو کوئی
ہر طرح ذکر ترا جن و بشر کرتے ہیں

ناحق اشکوں کی جھڑی یوں نہ لگا رکھنا تھی
سب شکایت تری اے دیدۂ تر کرتے ہیں

جان لینے کو مری - ناوک مژگاں تیرے
زہر بن بن کے رگ و پے میں اثر کرتے ہیں

لو مبارک ہو تمھیں روز کا جھگڑا چھوٹا
میرے ساتھ اب مرے ارمان سفر کرتے ہیں

چاہنے والے ترے نقش قدم لینے کو
فرش خاک آنکھیں سرِ راہ گزر کرتے ہیں

شکل تصویر ہمیں دیکھ کے غافل نہ سمجھ
دل ہی دل میں تجھے یاد آٹھ پہر کرتے ہیں

ایک اندھیر انگہِ شوق میں چھا جاتا ہے
وہ بگڑ کر منہ اِدھر سے جو اُدھر کرتے ہیں

قیس کو فکر کہ اُن پر نہ کھلے رازِ نہاں
نالے ضد پر ہیں کہ ہم جا کے خبر کرتے ہیں

ہم اُن کی سادگی ہی پہ اُنھیں جب پیار کرتے ہیں
تو پہروں آئنہ خانے میں کیا بنتے سنورتے ہیں

تمھاری طنز کی باتوں سے جو صدمے گزرتے ہیں
وہ سب دل میں ہمارے تیر بن بن کر اترتے ہیں

ابھی نادان ہو تم فتنہ پردازوں کو کیا جانو
اُمید و یاس کا جھگڑا ابھی اک طرفہ تماشا ہے
ہمارے دل میں آ کر دیکھ لو تم سیر گلشن کی
ہجوم شوق کہتا ہے لپٹ کر پیار کرنے کو
حسینوں کو نہ پوچھو ہر ادا اُن کی ہے مستانہ
زباں اُن کی جو چلتی ہے تو قینچی بنکے چلتی ہے
مرے عشقِ جنوں زا سے ہوا اُنکے حُسن کی شہرت
سنا ہے اُن کو دل لے کر مکر جانے کی عادت ہے
خدا رکھے سلامت مہ جبینانِ پری رو کو
خدنگ ناز سے مجھ کو انھیں نے مار ڈالا ہے
گزر جاتے ہیں بے جیتے جی عدم کا راستا لے کر
لحد بھی رہ نوردانِ عدم کی خوب منزل ہے

یہ سب بے بات کی باتیں بنا کر کان بھرتے ہیں
کبھی ہم مر کے جیتے ہیں کبھی ہم جی کے مرتے ہیں
کہ جتنے داغ ہیں سب پھول بن بن کر ابھرتے ہیں
مگر ہم بے محل اُن کے بگڑ جانے سے ڈرتے ہیں
قیامت ڈھاتے ہیں یہ جس طرف ہو کر گزرتے ہیں
کہ جس سے شاخ ہی نخلِ تمنا کی کترتے ہیں
مرے ہوتے وہ کیوں غیروں کا دم دنرات بھرتے ہیں
چلیں چلکر ذرا دیکھیں تو وہ کیونکر مکرتے ہیں
نظر کے سامنے آتے ہی دل میں جا اُترتے ہیں
بدل کر آنکھ جو کانوں پر اپنے ہاتھ دھرتے ہیں
کہیں ڈوبے ہوئے دریائے الفت کے ابھرتے ہیں
تھکے ماندے مسافر سب یہیں آ کر ٹھہرتے ہیں

تم اے قیس اس قدر مضطر ہو کیوں ٹھہرو وہ آئینگے
ابھی حمام میں ہیں غسل کرتے ہیں نکھرتے ہیں

تسلی دینے کے حیلے سے وہ یوں قتل کرتے ہیں
صفت اُنکے دُرِ دندان کی جب ہم نظم کرتے ہیں
بہت مشکل ہے بحرِ عشق کی موجوں کو طے کرنا

چھوتے ہیں چھری دل میں جگر پر ہاتھ دھرتے ہیں
تو گویا صفحۂ قرطاس پر موتی بکھرتے ہیں
مگر ہم کہکے بسم اللہ اب اس میں اُترتے ہیں

خدا جانے گرے گی کس کے سر یہ موت کی بجلی
کرینگے وامق و فرہاد کیا دعویٰ تقابل کا
خضر سے پوچھیں کیا ہم قلزمِ امید کا ساحل
دلوں پر صید گاہِ عشق میں خونخوار آنکھوں سے
اِدھر ہم ہیں کہ پی جاتے ہیں ساری باتیں سُن سُنکر
سبب کھلتا نہیں ان کی طبیعت کی دورنگی کا
خدارا اے نسیمِ صبح باز آ اپنی شوخی سے
سمجھ میں کچھ نہیں آتا ہے یارب ماجرا کیا ہے
وہ اس ڈر سے کہ اُڑ کر پڑ نہ جائیں خون کی چھینٹے
اثر دیوانگانِ عشق پر کیا ہو نصیحت کا

بھنووں میں ڈال کر بل وہ جو خنجر تیز کرتے ہیں
طریقے عاشقی کے سب سے بہتر ہم نے برتے ہیں
جو تم سے دل لگاتے ہیں قضا کی گھاٹ اُترتے ہیں
یہ آہو چشم ہر دم شیر ہو ہو کر بپھرتے ہیں
اُدھر وہ ہیں کہ جو کچھ جی میں آیا کہہ گزرتے ہیں
سنور کر کیوں بگڑتے ہیں بگڑ کر کیوں سنورتے ہیں
وہ برہم ہوتے ہیں جب بال گیسو کے بکھرتے ہیں
گھُٹا جاتا ہے دم سینے میں جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
چھُری دینے سے پہلے پر کبوتر کے کترتے ہیں
دباؤ جس قدر اِن کو یہ اتنا ہی اُبھرتے ہیں

کسی کو ناز ہو اے قیسؔ طاعت یا ریاضت پر
غلامی پر رسول اللہ کی ہم فخر کرتے ہیں

میری جانب وہ نگاہِ فتنہ گر آتی نہیں
آنکھوں کے سُرمے کو تیری خاکِ در آتی نہیں
کوئی صورت اُن سے ملنے کی نظر آتی نہیں
جب مری فریاد واپس بے اثر آتی نہیں
بجلیاں گر گر کے کاہیکو کلیجا پھونکتیں

ورنہ چلتی پھرتی۔ محفل میں کدھر آتی نہیں
خاکِ در تو خیر خاکِ رہگذر آتی نہیں
کوششیں کرتا ہوں قسمت راہ پر آتی نہیں
یا الٰہی کیوں امیدِ وصل بر آتی نہیں
بے قراری میرے حصے میں اگر آتی نہیں

اُن کے تیور پھرتے ہی سارا زمانا پھر گیا
نیند بھی آنکھوں میں اب تو رات بھر آتی نہیں

مجھ سے پہلے کیا تجھی کو اے اجل موت آ گئی
میں تڑپتا ہوں تو کیوں لینے خبر آتی نہیں

ٹھوکریں کھا کھا کے نو میدانہ کوئے یار سے
کب ہماری آرزو با چشمِ تر آتی نہیں

لیتے لیتے چٹکیاں کیا تیرے ناخن گھس گئے
لذتِ کاوش جو اے دردِ جگر آتی نہیں

ناصحِ مشفق کو دوں میں کس طرح تیکھا جواب
مجھ کو دشمن سے بھی اُکھڑی بات کر آتی نہیں

وصل ہی کی شب موذّن کو بھی تھی فکرِ اذاں
اب تو کوئی بھی صدا پچھلے پہر آتی نہیں

میری اُن کی دونوں کی نظریں لڑیں تو کیا لڑیں
یہ اُدھر جاتی نہیں ہے وہ اِدھر آتی نہیں

قید میں لانا ہے مشکل طایرِ موہوم کا
کیا کریں ہم بندشِ زلف و کمر آتی نہیں

دل مرا رہتے ہوئے ناحق تو اے تصویرِ یار
بھٹکی بھٹکی پھرتی ہے اور اپنے گھر آتی نہیں

پھول تو میری لحد پر کیا چڑھائے گا کوئی
شمع بھی آنسو بہانے تا سحر آتی نہیں

اچھی ساعت میں دکھاتی ہے اثر تدبیر بھی
کام بگڑے وقت پر فکرِ بشر آتی نہیں

جھک کے ملنا سب سے خاص اہلِ کرم کی شان ہے
فائدہ پہنچانے شاخِ بے ثمر آتی نہیں

تو کسی بیمارِ غم کا کر سکے گا کیا علاج
جب دوائے دردِ دل اے چارہ گر آتی نہیں

قطع کرنا بار ہو جاتا عدم کی راہ کا
یاد اگر تیری وفا وقتِ سفر آتی نہیں

موت نے بھی کچھ اُڑا لی ہے قیامت کی ادا
دور سے آنکھیں دکھاتی ہے مگر آتی نہیں

نکتہ سنجو یاد رکھنا یہ نصیحت قیسؔ کی
شاعری وہ شئے ہے جو بے دردِ سر آتی نہیں

تڑپا کیا میں ہجر میں کب رات بھر نہیں
قسمت کی بات ہے کہ تمھیں کچھ خبر نہیں

موقوف دید یار فقط طور پر نہیں
درکار آنکھیں ہیں وہ کہاں جلوہ گر نہیں

بے وجہ کب تھی حضرت موسیٰ کی بیخودی
تجھ پر ٹھہر سکے یہ کسی کی نظر نہیں

بگڑی رہے گی یونہیں جو چال آفتاب کی
میری شبِ فراق کی ہوگی سحر نہیں

آنکھوں سے مثل اشک لہو بن کے بہہ گیا
پہلو میں آکے ڈھونڈ لو دل ہے جگر نہیں

نالے پکارتے ہیں شبِ غم اجل اجل
تقدیر کہتی ہے کہ خبردار ادھر نہیں

سودا یہی رہا تو مجھے اضطراب میں
لیجائے گا جنوں کدھر سے کدھر نہیں

بے ڈھب ہیں آج یار کے تیور کھنچے ہوئے
افسوس میری آہوں میں کچھ بھی اثر نہیں

یہ تشنگان جام شہادت کی سیر ہے
عشاق کا ہجوم سرِ رہگزر نہیں

اے جوش اشتیاق کشش تیری چاہیے
منزل ہے دور اور کوئی راہبر نہیں

لبریز میری عمر کا پیمانہ ہوگیا
باندھی ہے اس نے بے سبب اپنی کمر نہیں

ہے یار محو قتل میں سرگرم دید حسن
اے تیغ تیز جلد گلے سے اُتر نہیں

کرتے ہو مفت قیس کے دل کو خراب کیوں
ہے جلوہ گاہ عشق یہ ویران گھر نہیں

حسن تیرا کسی بشر میں نہیں
یہ ضیا چہرۂ قمر میں نہیں

تو جو اے یار میرے گھر میں نہیں
شکل جینے کی اب نظر میں نہیں

تجھ کو آغوشِ غیر میں دیکھوں
اتنی طاقت مرے جگر میں نہیں

جس سے غیروں کے دل دہل جائیں — وہ اثر آہ پُر شرر میں نہیں
کس طرح اپنی آہ کو روکے — صبر کی تاب جس بشر میں نہیں
دل ہے بے چین بہر وصل صنم — کوئی صورت مگر نظر میں نہیں
جا کے اُس سے کہے ہمارا حال — اس کی جرأت ہی نامہ بر میں نہیں
مدد اے شوق وصلت جاناں — کچھ اثر آہ بے اثر میں نہیں
نخل الفت نے پائی قسمت سرد — میوۂ وصل اس شجر میں نہیں
پہلے جو شوخیاں دکھاتی تھی — اب تو وہ ایک بھی نظر میں نہیں
حضرتِ عشق کی عنایت سے — یہ نقاہت کسی بشر میں نہیں
دشت وحشت کی خاک اُڑاتا ہوں — جلوۂ یار جب سے گھر میں نہیں
بار گیسو سے بل نہ آجائے — دیکھ طاقت تری کمر میں نہیں
ہے جو تیرے لبوں میں شیرینی — وہ کسی قند و نیشکر میں نہیں
ہے مرے دل میں جاگزیں وہ شوخ — جس کا ثانی کسی نظر میں نہیں
کام لیتے ہیں اب تصور سے — طاقتِ دید چشم تر میں نہیں
کالی ناگن ہے عاشقوں کے لیے — زلف لپٹی ہوئی کمر میں نہیں
تا کجا ضبط نالۂ و فریاد — صبر کی تاب اب جگر میں نہیں
تیرے دانتوں سے کیا مقابل ہوں — یہ صفائی دُر و گہر میں نہیں
تو ہی اے مرغ روح جا اُڑ کر — نامہ بر اب کوئی نظر میں نہیں

جو کھٹک یار کی مژہ میں ہے
وہ کسی نوکِ نیشتر میں نہیں

صدمۂ ہجر میں سہوں کب تک
تاب و طاقت دل و جگر میں نہیں

مہوشانِ جہاں کو کیا دیکھوں
کوئی تم سا مری نظر میں نہیں

باتیں ہوتی ہیں سب مقدر سے
قدر انساں کسی ہنر میں نہیں

معدن دُر ہیں قیس کی آنکھیں
قطرے اشکوں کے چشم تر میں نہیں

ترے کوچے میں اے قاتل جو ہم بیباک آئے ہیں
فقط گز بھر جگہ لینے کو زیرِ خاک آئے ہیں

مری بزمِ عزا میں ہے غلط اظہار ماتم کا
بناوٹ سے وہ پہنے ملگجی پوشاک آئے ہیں

عدم سے عالمِ امکاں میں ہم برباد ہونے کو
جگر خستہ پریشاں دل گریباں چاک آئے ہیں

اِنھیں سے تیغ اٹھے گی یہی خنجر چلائیں گے
یہی میرے لیے بن کر بڑے سفاک آئے ہیں

اگر ہم سے ہزاروں ہیں تمھارے چاہنے والے
تو ہم بھی لاکھ معشوق اپنے ڈھب کے تاک آئے ہیں

اُنھیں کی تیوریاں کرتی ہیں اُنکے دل کی غمازی
لحد پر سر جھکائے بن کے جو غمناک آئے ہیں

تمھیں حق ہے جو سمجھو ورنہ ہم تو نقد دل لیکر
بہت ہی صاف آئی ہیں بہت ہی پاک آئے ہیں

قیامت ہے کہ آئے دن مصیبت پر مصیبت ہے
مرے سر چڑھ کے مجھ کو پیسنے افلاک آئے ہیں

چرا کر قیس کا دل کھیل سمجھے تھے کہ لیجائے
زمانے بھر سے بڑھ کر کیا وہی چالاک آئے ہیں

خارِ غم دل میں چبھا ہے تو نکلتا ہی نہیں
آہ کیوں کر نہ کروں اب وہ سنبھلتا ہی نہیں

باغ جنت میں مجھے رہنے کی تکلیف نہ دیں / جی کہیں ہجر میں اُس گل کے بہلتا ہی نہیں
ہم بھی کچھ لذت دیدار اٹھاتے لیکن / رنگ اپنا فلکِ پیر بدلتا ہی نہیں
تو ہی اے عشق بتا وصل کی تدبیر مجھے / غیر تو پہلوِ دلدار سے ٹلتا ہی نہیں
کیا بھلا وصل سے دل شاد کریگا ای بُت / ایک بوسا تو ترے جی سے نکلتا ہی نہیں
ضبط نالہ بھی کیا آہ و فغاں بھی روکے / دل ہی بے چین کچھ ایسا کہ سنبھلتا ہی نہیں
شوق دیدار رہا جوش تمنائے وصال / کوئی ارمان مرے دل سے نکلتا ہی نہیں
کیوں نہ اے دشت جنوں خاک اُڑاؤں تیری / قلب کمبخت کہیں اور بہلتا ہی نہیں
خون عاشق کی نہ تہمت ہو کفِ رنگیں پر / منہدی ہاتھوں میں وہ اس خوف سی ملتا ہی نہیں
ایک چلو کی تمنّا تھی مگر کیا کہیے / کھا کے جوش اے خم مے تو تو اُبلتا ہی نہیں
کس طرح خط میں لکھوں حال دلِ زار انھیں / حرف مطلب مرے خامے سی نکلتا ہی نہیں
نزع کے وقت ملی یار کے آنے کی خبر / کیا کروں اب ملک الموت تو ٹلتا ہی نہیں
ایک میرا وہ جگر تھا کہ ہوا نذر بتاں / ایک زاہد کا قدم ہے کہ پھسلتا ہی نہیں
ڈر لگا ہے اُسے دشمن کی جو ناراضی کا / اسلیے ساتھ مری لاش کے چلتا ہی نہیں

وصل میں خاک نکلتی مرے دل کی حسرت
نخل اُمید وہ ہی قیس کہ پھلتا ہی نہیں

وصل میں بھی ہائے کچھ لذت مجھے حاصل نہیں / یار تو پہلو میں ہے قابو میں لیکن دل نہیں
ہوں شریک بزم عشرت گو ہم اس قابل نہیں / پوچھ لینے سے تو گھٹتی رونقِ محفل نہیں

نقش کسکے صفحۂ دل پر نہیں تیری شبیہ
کون تیرے حُسن عالمتاب کا قائل نہیں

کیوں نہو فرزانگی سے بڑھ کے میری بیخودی
جو ترا وابستۂ گیسو نہیں عاقل نہیں

خوف جو کچھ ہے وہ ہے انجام کی افتاد کا
ورنہ دل دینا تو محض آسان ہے مشکل نہیں

لاکھ اوٹوں میں ہو کوئی چشم بینا چاہیے
مانعِ دیدار لیلےٰ پردۂ محمل نہیں

مجھ کو جنت ہے وہی تو ہو جہاں جلوہ نما
قصر و ایواں کیا کرونگا حور کا مائل نہیں

قبر ہی تک ساتھ تھے سب اپنے بیگانے مرے
جز ہجومِ بیکسی آگے کوئی شامل نہیں

میں شبِ وعدہ بتا دوں اپنے جی کی آرزو
ہو لحاظِ پاکدامانی اگر حائل نہیں

شوق سے تو پار اُتار اب مجھکو تلواروں کی گھاٹ
باز پرسِ حشر کا اندیشہ اے قاتل نہیں

لیکے دل یہ بے نیازی کر دیا پامال اُسے
پھر اسی پر تم یہ کہتے ہو کہ ہم غافل نہیں

رکھ دیا سر میں نے قدموں پر تو وہ کہنے لگی
ہو گی اس سے تیرگیِ بخت بدزایل نہیں

عشق وہ کوچہ ہے جس میں ضبط کی تعریف ہے
جو ہوا گرمِ فغاں وہ رہروِ کامل نہیں

جادۂ الفت میں بھی یارب ہے کھٹکا چور کا
دم کے دم ٹھہروں ذرا ایسی کوئی منزل نہیں

کیا عدوّ سامری فن ہو سکے گا ہمزباں
سحر ہو کیسا ہی وہ اعجاز میں داخل نہیں

قتل کرتے ہی مجھے دامن کو دھونے کیا چلے
حشر تک چھوٹے یہ وہ خونِ رگِ بسمل نہیں

تجھ سے مانگا ہے تجھے تو لیکے اُٹھونگا تجھے
یوں نہیں تیرے در سے پھر جاؤں میں وہ سائل نہیں

ناز پر ہے ناز انھیں میں ہوں ز سرتا پا نیاز
توڑ دوں رسمِ وفا ایسا تو میں جاہل نہیں

تیری چالوں سے تو اب ڈرتا نہیں میں اے فلک
تو ہے دشمن تو خدا کیا خسروِ عادل نہیں

کیوں نہ رو دیں سُن کے وہ اے قیسؔ یہ میری غزل / سرگزشتِ غم ہے کچھ افسانۂ باطل نہیں

کبھی آنکھوں میں رہتے ہیں کبھی وہ دل میں رہتے ہیں / پری پیکر ہیں دن رات اک نئی منزل میں رہتے ہیں
عدو محفل سے جاتے ہیں نہ ہم محفل میں رہتے ہیں / قیامت پر قیامت ہے عجب مشکل میں رہتے ہیں
غلط ہی کیوں نہ ہو لیکن زباں آئینگی تم دیدو / کہ پہلوے وفا بھی وعدۂ باطل میں رہتے ہیں
مرے ارمانِ دل لاکھوں کہ جن پر جان جاتی ہے / لہو بن بن کے اکثر دامنِ قاتل میں رہتے ہیں
نہ پوچھو اپنے دیوانوں کی وجہِ دشت پیمائی / تلاشِ نقشِ پاے ناقۂ محمل میں رہتے ہیں
سکوتِ لب کہ ضبطِ آہ یا اخفاے بیتابی / کمالِ عاشقی ہیں عاشقِ کامل میں رہتے ہیں
بتانِ سنگدل کو موم کیا نالوں سے کر لینگے / وہ دیوانے ہیں جو اس فکرِ بے حاصل میں رہتے ہیں
بُلا لیتے ہیں باہر لاکھ پردوں سے حسینوں کو / کچھ ایسے جذب پنہاں میری آب و گل میں رہتے ہیں
کنارِ بحرِ الفت پر قدم رکھتے ہی ڈوبے ہم / تھپیڑے موجِ غم کے دامنِ ساحل میں رہتے ہیں
نکلتے ہیں عدو کے جو جو ارماں اے بتِ ظالم / وہ آ آ کر ہمیشا کیوں دلِ بسمل میں رہتے ہیں
ملے کیا چین راہِ عشق میں آفت نصیبوں کو / ہزاروں طرح کے کھٹکے ہر اک منزل میں رہتے ہیں
ہجومِ آرزو سے دل میں بھی تنہا نہیں رہتے / جہاں رہتے ہیں یہ کافر بھری محفل میں رہتے ہیں
اُنھیں عادت جفا کی ہے برس پڑنے کی خو ہم کو / وہ اس مشکل میں رہتے ہیں ہم اس مشکل میں رہتے ہیں
حسینوں میں ہے یارب کس بلا کی طرزِ معشوقی / کہ جس کی جان کے دشمن اُسی کے دل میں رہتے ہیں
پسِ مردن بھی قیسؔ دلحزیں کی خاک کے ذرّے / پے دیدارِ لیلےٰ پردۂ محمل میں رہتے ہیں

بھرے ہیں سو طرح کے لطف اندازِ تکلم میں
خدا جانے کہاں سے آگئیں یہ شوخیاں تم میں

کدورت دل کی دھونا ہے تردد ہی تیمم میں
وضو کے قابل اے ساقی کوئی شئے ہے کسی خم میں

جگہ دیتے نہیں دل میں یہ ہے شانِ وفاداری
ہوا کرتی ہیں پیدا سیکڑوں باتیں توہم میں

چھپاؤ لاکھ آثارِ مسرت چھپ نہیں سکتے
تڑپ بجلی کی آجاتی ہے دزدیدہ تبسم میں

تمھیں تو غیرتِ حور و پری ہم لوگ کہتے ہیں
دکھائی دیتے ہو گے اور ہی کچھ چشمِ انجم میں

نجات اب دشت پیمائی سے مجھکو ہو یہ کیا ممکن
دیئے ہیں عشق نے غوطے جنوں انگیز قلزم میں

مجھے کیا دل میں تم رہتے ہو آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل
میں جب جانوں کہ پتلی بن کے ٹھہرو چشمِ مردم میں

غرض کیا مجھ کو ناحق ذکرِ اعجازِ مسیحا سے
یہاں پتھر میں پڑ جاتی ہے جاں آوازِ قم قم میں

کسی گلرو کے گانے کا مزا مجھ سے کوئی پوچھے
صدائے لحنِ داؤدی کا عالم ہے ترنم میں

یہ میرا دل ہے دیدوں یا نہ دوں یہ دھمکیاں کیسی
کہو تو رنج آئے یا نہ آئے اس تحکم میں

بھنویں تنتے ہی میں بے جان ہو کر گر پڑا کیونکر
اجل شاید نہاں تھی ابروِ مانندِ کژدم میں

اگر آزاد بھی کرنا تو کوئی گھات رکھ لینا
جفا کی بھی رہے کچھ شان اے ظالم ترحم میں

مری آنکھوں کے ہوتے خاک پر اس کو نہ دوڑاؤ
کہیں مٹی نہ بیٹھے اسپِ خوش رفتار کے سم میں

ہوس انسان کو آرام سے رہنے نہیں دیتی
پھنسے آدم اسی ظالم سے جرمِ اکلِ گندم میں

لباسِ پُرتکلف زینتِ اربابِ دنیا ہے
نہیں ہوتے ہیں دفن اہلِ یقیں دیبا و قاقم میں

سنا ہے میرے مرنے کو وہ شادی مرگ کہتی ہیں
سمجھتے ہیں کہ مضمر ہے کوئی لذت تألم میں

رموزِ شاعری کیوں کر بتادوں راہ چلتوں کو
ہزاروں دقتیں پڑتی ہیں تعلیم و تعلم میں

یہی شرطِ محبت ہے کہ میں تو سختیاں جھیلوں
رہو مصروف تم دن رات یوں عیش و تنعّم میں

فنِ الفت میں مجنوں اور ہم مدِ مقابل ہیں
اگر اُس کو شرف ہو گا بھی تو ہو گا تقدّم میں

خیالِ یار کا بھی اب تو آنا ہو گیا مشکل
گھرا ہے اس طرح دل حسرت و غم کے تراکُم میں

تباہی میں نہ آئے موج عصیاں کے تھپیڑوں سے
پڑی ہے یا الٰہی قیسؔ کی کشتی تلاطُم میں

سلوک راہ وفا ہر کسی کا کام نہیں
طریق خاص ہے یہ شاہراہ عام نہیں

تجھی سے راست مری بندگی کی نسبت ہے
زہے نصیب کہ میں غیر کا غلام نہیں

سواد لوح جبیں کیا کوئی مٹائیگا
نوشتۂ خط تقدیر نقش خام نہیں

جو کوئی عیب ہے تم میں تو یہ کہ ہو بے عیب
نہیں تو اور کچھ اس کے سوا کلام نہیں

شبِ وصال گزرتے ہی اک بلا چھائی
یہی وہ صبح قیامت ہے جس کی شام نہیں

عدو سے کہتے ہو کیا میری دل دہی کیلئے
جب اپنے گھر کا تمھیں آپ احترام نہیں

سرِ نیاز ہے خم تیرے حکم کے آگے
کوئی زبان ہلائے یہ وہ مقام نہیں

ہے ذرے ذرے میں جلوا تمام قدرت کا
مگر نگاہ عدو کو کہیں قیام نہیں

اگرچہ قیسؔ کی شہرت ہے چار سو لیکن
ہوا آشنائے لبِ یار یہ وہ نام نہیں

جسے تیری محفل میں ہم دیکھتے ہیں
پریشان دل چشم نم دیکھتے ہیں

نہ تنہا خوشی اور غم دیکھتے ہیں
دو رنگی دوراں بہم دیکھتے ہیں

عدو پر جو لطف و کرم دیکھتے ہیں
ہم اپنے نصیب ای صنم دیکھتے ہیں

وہ شانِ محبت جو ہم دیکھتے ہیں
ہماری طرح غیر کم دیکھتے ہیں

ترا حسن جس وقت ہم دیکھتے ہیں
خدا جانے کیا اے صنم دیکھتے ہیں

کبھی ہم سے دو بات کرتے نہیں تم
رقیبوں سے قول و قسم دیکھتے ہیں

مرے عشق صبر آز کا تماشا
ہمیشا وہ دے دے کے دم دیکھتے ہیں

نہ معلوم کیا ہو کہ سب کے دلوں میں
تمھاری طلب بیش و کم دیکھتے ہیں

غضب ہے دم نزع اُن کا یہ کہنا
نکلتا ہے کس طرح دم دیکھتے ہیں

تری چشم میگوں ہے یا سحر بابل
کہ سب کو اسیر الم دیکھتے ہیں

تعجب ہے اُن پر جو حرص و ہوا میں
پڑے خواب باغِ ارم دیکھتے ہیں

جہاں ذکر ہوتا ہے مہر و وفا کا
تمھاری طرف مڑ کے ہم دیکھتے ہیں

نہ کیوں نیند میں بھی رہے دلکو الجھن
تری زلف کا پیچ و خم دیکھتے ہیں

جلو میں ترے عاشقوں کی بدولت
عجب شان جاہ و حشم دیکھتے ہیں

تجھے دے کے دل رہروانِ محبت
نہ کچھ غیر جور و ستم دیکھتے ہیں

جو ہوتی ہیں اے قیس ہم پر جفائیں
خدا کی خدائی میں کم دیکھتے ہیں

کھُل کھیلنا کسی سے بیباک انجمن میں
اچھا نہیں ہے ظالم اس دہر پُرفتن میں

چلتا ہے دور ساغر اس شان سے چمن میں
ہوں گرم رقص پریاں جس طرح انجمن میں

نہلا کے جب مجھے تم رکھنے لگو کفن میں
مٹی کا عطر پہلے ملنا مرے بدن میں

پھولوں کی ساری کلیاں گلچیں نے توڑ ڈالیں
افسوس بُلبُلوں پر بجلی گری چمن میں

چہرے پر اپنے گیسو ناحق بکھیرتے ہو
ہے چاند چودھویں کا آجائیگا گہن میں

رندان بادہ کش کی جمکی ہوئی ہے محفل
سب مست ہو رہے ہیں کیفِ مےِ کہن میں

دشمن کے سوگ میں بھی تم پاس وضع رکھنا
ایسا نہ ہو کہ آئے کچھ فرق بانکپن میں

تیشے سے پھوڑ کر سر کیوں کر نہ جان دیتا
ناکامیاں لکھی تھیں تقدیر کوہکن میں

کیا تاب ہے کہ اُن سے آنکھیں کوئی ملائے
شاخیں نکالتے ہیں سو سو طرح ہرن میں

پیدا ہو میرے ان کے بنھنے کی شکل کیونکر
کامل ہوں میں فنا میں وہ طاق مکر و فن میں

گلکاریوں سے تیری اے باغبان قدرت
جوبن کھلے ہیں کیا کیا نسرین و نسترن میں

دونوں ہی مدعی ہیں جب تیری جستجو کے
جھگڑا پڑا ہوا ہے کیوں شیخ و برہمن میں

اے دست جوش وحشت جلد ان کو ختم کردے
دو چار تار ابھی تک باقی ہیں پیرہن میں

ہر طرح خوش کسی کو ہم نے کبھی نہ دیکھا
جو ہے اسیر غم ہے دنیائے پُرمحن میں

ممکن ہے گفتگو کی نوبت کچھ آہی جائے
میری زبان رکھ لے اے نامہ بر دہن میں

یہ بل کی لے رہی ہیں زلفیں تری کمر سے
لپٹے ہوئے ہیں کالے یا شاخ یاسمن میں

اے قیس کیا بتاؤں دو دن کی زندگانی
کس طرح کاٹتا ہوں یاران ہموطن میں

بہار آئی شجر ہیں مست اپنے جوبن میں
صفیں باندھے ہوئے میکش چلے آتے ہیں گلشن میں

اثر اتنا ہی دیدے یا الٰہی میرے شیون میں
نحافت کا بُرا ہو جب بڑھے دستِ جنوں میری
کوئی شیدائے رُخ ہی کوئی عاشق زلفِ شبگوں کا
رگوں کی ہے جھلک یا چشم بد کے دور کرنیکو
اِدھر تو گریۂ پیہم سے اک طوفان برپا ہے
پسند آیا جو چھپ کر بیٹھنا سب کی نگاہوں سے
ہجومِ آرزو میں بیکسی سر پیٹتی آئی
یہاں ہے سب حسینوں پر جو تیرے حسن کا پرتو
کہیں آنکھیں لڑیں تو دل سلامت رہ نہیں سکتا
مرا گھر میرے ہی سوزِ جگر نے پھونک ڈالا ہے
نہ نکلو لاکھ تم گھر سے مجھے اسکی نہیں پروا
نگاہِ شوق تلواروں کی دھمکی سے نہیں رُکتی
کیا ہے دشمنوں کی پٹیوں نے کام جادو کا
مصیبت میری تم اے خفتگانِ خاک کیا جانو
خدا رکھے سلامت تو کچھ آگے چل کے سمجھینگے
میں حوروں سے بھی لیتا داد تیرے حسن دلکش کی
جوانی میں نہیں معلوم کیا ادھم مچاؤ گے

کہ وہ رہنے نہ پائیں چین سے پہلوے دشمن میں
اُلجھ کر اُنگلیاں رہ رہ گئیں سب تارِ دامن میں
عجب ہنگامہ برپا ہے مسلمان و برہمن میں
پڑے ہیں نیلگوں ڈورے صراحی دار گردن میں
اُدھر شادی رچی ہے چھپے ہیں بزمِ دشمن میں
لگا دیں تیلیاں پلکوں کی ہیں ذرا اُنکی چلمن میں
چلے احباب جب تنہا لٹا کر مجھکو مدفن میں
فلک پر عارضِ رخ کی جھلک ہے ماہ روشن میں
غضب کی شوخیاں ہیں اُس بُتِ کافر کی چتون میں
لگی ہے آگ آہوں کے شراروں سے نشیمن میں
جڑو نگا جاے شیشہ اپنے دیدے چشم روزن میں
پڑینگے سیکڑوں رخنے تری دیوار آہن میں
کھٹکتا ہوں مثالِ خار چشمِ شوخ بدظن میں
مبارک ہو تمھیں آسایش اپنے اپنے مسکن میں
ابھی کیا فرق اُنھیں معلوم ہوگا دوست دشمن میں
شبیہہ اپنی نہ کیوں کھنچوا کے رکھدی میرے مدفن میں
جب آئے دن جگاتے رہتے ہو فتنے لڑکپن میں

مرے گل پیرہن نے مل کے مسی پیک تھوکی تھی
اُسی کے رنگ کا شاید اثر آیا ہے سوسن میں

وہ معشوقوں میں رکھتے ہیں اگر دعوائے یکتائی
تو ہوں اے قیس میں استاد کامل عشق کے فن میں

سرِ محفل جو استاد اپنے اپنے فن کے بیٹھے ہیں
وہ سارے لوٹنے والے ترے جوبن کے بیٹھے ہیں

اُدھر خنجر بکف ابرو میں بل وہ تن کے بیٹھے ہیں
ادھر ہم آرزو مندِ شہادت بن کے بیٹھے ہیں

اُنھیں اُنکا رُخِ روشن کہیں چھپنے دے کیا ممکن
نہ جانوں کیا سمجھ کر اوٹ میں چلمن کے بیٹھے ہیں

وہی جو مجھ پر اپنا دل جگر قربان کرتے تھے
خدا کی شان پہلو میں مرے دشمن کے بیٹھے ہیں

مِلا کر خاک میں اللہ ری اُن کی پشیمانی
خجل سر در گریباں سامنے مدفن کے بیٹھے ہیں

لگی ہے ہاتھوں میں مہندی جما ہے ہونٹوں پر لاکھا
کسی کے دل میں گھر کرنے کو وہ بن ٹھن کے بیٹھے ہیں

سبب دردِ دل و سوزِ جگر کا پوچھنا کیا ہے
جب ان پر سیکڑوں ناوک تری چتون کے بیٹھے ہیں

الٰہی خیر ہو یہ بے حسی کچھ رنگ لائے گی
متاعِ دل لیئے ہم راہ میں رہزن کے بیٹھے ہیں

عجب پر لطف مجمع ہے چمن میں نونہالوں کا
کہ دھانی جوڑے سب پہنے ہوئے ساون کے بیٹھے ہیں

غضب ہو جائیگا جب وہ قیامت بنکے اٹھینگے
ابھی تو خیر سے انداز میں بچپن کے بیٹھے ہیں

اگر ہیں شمع روے یار کے اغیار پروانے
تو ہم بھی جاں نثار اُسکے رخِ روشن کے بیٹھے ہیں

مجھے وہ دیکھ کر محفل سے یہ کہتے ہوئے بھاگے
کہ یہ پُرزے اُڑانے کو مرے دامن کے بیٹھے ہیں

مری آنکھوں میں بے علت نہیں ہیں مردمِ دیدہ
مگر ہاں پھول چننے کو ترے گلشن کے بیٹھے ہیں

ہمارے دل میں وصلِ یار کے ارمان جتنے تھے
ہزار افسوس وہ سب داغ حسرت بن کے بیٹھے ہیں

کروں کس طرح عرضِ مدعا پھر روٹھ جائینگے
خدا جانے ہمیشہ دشمنوں کے کان بھرنے سے

ابھی تو وہ ہزاروں منتوں پر من کے بیٹھے ہیں
وہ کیا کیا چور ہیں جو دل میں اس بدظن کے بیٹھے ہیں

نیاز و ناز کی باتیں سنبھل کر غیر سے کرنا
جنابِ قیس بھی نزدیک ہی چلمن کے بیٹھے ہیں

دل کو ہمارے لوٹ لیا اک نگاہ میں
جادو بھرا ہے یار کی چشمِ سیاہ میں

کھولوں میں کیا زبان تری بارگاہ میں
شکوے بھرے ہوئے ہیں دلِ دادخواہ میں

مسجد میں دیر میں حرم و خانقاہ میں
تیرے سوا کوئی نہیں حق بیں نگاہ میں

دل پر نہ اختیار نہ سامان عافیت
ہے زندگی وبال حسینوں کی چاہ میں

کہتے ہیں کس کو دل کی کشش آپ دیکھتے
تاثیر کچھ بھی ہوتی اگر میری آہ میں

سیرِ چمن سے کام نہ گلگشت سے غرض
بیٹھا ہوں پاؤں توڑ کے الفت کی راہ میں

طاعت کی وجہ سے کوئی بخشا گیا تو کیا
ہم تو امیدوارِ کرم ہیں گناہ میں

جادو ہے یا طلسم ہے یا سحر یا فسوں
آفت کے ڈورے ہیں تری چشمِ سیاہ میں

مانگا کیا میں وصل میں شب بھر یہی دعا
رکھنا بلائے ہجر سے یارب پناہ میں

تیری شعاعِ نور نے سب کو دیا فروغ
رخ سے چمک ہی مہر میں ابرو سے ماہ میں

پابوسِ یار کی جو تمنا تھی بعدِ مرگ
میں شکلِ ذرہ چھپ کے رہا گردِ راہ میں

آیا ہے کون فتنۂ محشر سرِ مزار
آتی نہیں ہے نیند جو اس خوابگاہ میں

پہلے تو کچھ نہ سمجھے نشیب و فرازِ عشق
اب بحث کر رہے ہیں کسی سے نباہ میں

جس نے تمھیں دیئے ہیں یہ حسن و ادا و ناز / دو مجھ کو ایک بوسۂ لب اُس کی راہ میں

سر عاشقوں کے ایک اشارے میں گر گیے / خنجر کا کاٹ ہے تری ترچھی نگاہ میں

اس کی بھی کچھ خبر ہے کہ ملنے کی آس پر / بیٹھا ہوں کب سے آکے میں اس شاہ راہ میں

جامِ شہادت آج جو قاتل سے مِل گیا / دریاے خوں رواں ہے مری قتلگاہ میں

جب سے ہوا ہوں شیفتۂ کاکلِ بتاں / دل گھر گیا ہے لشکرِ غم کی سپاہ میں

لاکھوں پری جمال نظر سے گزر گیئے / لیکن کوئی حسین نہ ٹھہرا نگاہ میں

میں قطع کر رہا ہوں رہِ منزلِ وفا / ناصح کہیں نہ ہو خلل انداز راہ میں

صحنِ چمن میں یار۔ فلک پر ہے ماہتاب / اچھا مقابلا ہے یہ خورشید و ماہ میں

اے قیس مجھ کو آتش دوزخ سے ڈر نہیں
ڈوبا ہوں بحرِ عشق رسالت پناہ میں

اڑائی خاک مجنوں کی طرح ساری خدائی میں / مگر تجھ سا نہیں پایا کسی کو دلربائی میں

ہوئے تھے صلح پر راضی مگر دشمن نے دی پٹی / کدورت غیر کی مانع ہوئی میری صفائی میں

شبِ فرقت جو میری آہوں کے شعلے بھڑکتے ہیں / جلا کرتا ہوں سوزِ ہجر سے شب بھر جدائی میں

لگایا دل جو حوروں سے یہ کیسا زہد اے زاہد / کیا طرفہ غضب تو نے لباسِ پارسائی میں

بہار آئی ہے چھٹنے کی امنگیں بڑھتی جاتی ہیں / نہ کر مایوس اے صیاد امیدِ رہائی میں

حریر و سندس و دیبا مبارک ہو امیروں کو / رہا کرتے ہیں مستِ فقر کشکولِ گدائی میں

کسی کے ملک دل میں کیا کرے پیدا اثر جا کر / ہماری آہ آوارہ ہے دشتِ نارسائی میں

نہیں معلوم کس پردہ نشیں نے مجھ کو جھانکا ہی
ادھر بھی لطف کی کوئی نظر اے عیسیِ دوراں
ہمیں پریوں کی بھی صحبت میں کب ہے وہ مزا حاصل
تری زلفِ سیہ سے لی سیاہی میرے طالع نی
رکا کیوں دست قاتل جب چلائی تیغ گردن پر
نہیں معلوم مجھ سے وصل میں وہ شوخ کیا لیگا
مجھی سے کج روی کرتا ہی کیوں ہر روز یہ گردوں
طوافِ حسرت واندوہ وحرماں اس میں ہی ہردم
حقارت کی نگاہوں سے نہ دیکھو خاکساروں کو

لباسِ بیخودی پہنا ہے کس کی آشنائی میں
دگرگوں ہے ترے بیمار کی حالت جدائی میں
شبِ وصلت جو لذت تھی کسی کی ہاتھا پائی میں
لہو کا میرے جلوا ہی ترے دستِ حنائی میں
یہ کیسا بل پڑا اے دل مری مشکلکشائی میں
لیا نقدِ دل وجاں جس نے پہلے رونمائی میں
مرادِ شمن نہیں ملتا ہے کیا اس کو خدائی میں
دلِ روشن بنا کعبہ کسی کی آشنائی میں
ہوا مردود ابلیسِ لعین اس خودنمائی میں

چلو اے قیسؔ ملکِ ہند سے اب شہرِ طیبہ کو
اٹھاؤ گے غمِ درد والم کب تک جدائی میں

کوے جاناں میں روز جاتے ہیں
آج اُن کو گلے لگاتے ہیں
دانت یاقوت سے دکھاتے ہیں
عشق میں خوب لطف پاتے ہیں
میرے قابو میں کب وہ آتے ہیں
برق کی طرح وہ دکھا کے جھلک

لے کے حسرت وہاں سے آتے ہیں
غیروں کی گردنیں کٹاتے ہیں
پان جب کھا کے مسکراتے ہیں
زندگی کے مزے اُڑاتے ہیں
دل کے ارمان تاڑ جاتے ہیں
صورتِ ابرِ تر رُلاتے ہیں

ربط اغیار سے نہ چھوٹے گا
جھوٹی قسمیں فضول کھاتے ہیں

یہ بھی اک طرز دلربائی ہے
کچھ رُلاتے ہیں کچھ ہنساتے ہیں

باتیں ایسوں کی کیا سُنے کوئی
فقرے ہر لحظہ جو بناتے ہیں

خفتگانِ مزار چونک اُٹھے
میرے نالے بھی قہر ڈھاتے ہیں

ہم کلام اُس سے دیکھ کر مجھ کو
مدعی کیا ہی خار کھاتے ہیں

تھام لو دل تم اپنے ہاتھوں سے
قصۂ درد ہم سُناتے ہیں

خوان نعمت سے ہم کو کیا مطلب
اشک پیتے ہیں خون کھاتے ہیں

جو مزا ہے تمھاری باتوں میں
قند میں بھی نہیں وہ پاتے ہیں

ہے پسند اُن کو میری گمنامی
قبر ٹھوکر سے وہ مٹاتے ہیں

اٹھوں پہلو سے غیر کی خاطر
آپ بھی کیا مجھے سکھاتے ہیں

رسم الفت بڑھی ہے غیروں سے
گھوڑے کاغذ کے آتے جاتے ہیں

شیشۂ دل نہ چور ہو جائے
کیوں بغل سے مجھے اٹھاتے ہیں

لے گلوں کی خبر تو اے بلبل
جھونکے بادِ صبا کے آتے ہیں

وہ کسی بات پر نہیں قائم
اک نیا رنگ روز لاتے ہیں

مرنے والوں میں نام تو ہو گا
لیجیئے ہم بھی زہر کھاتے ہیں

دیکھ کر تیری تیوریوں پر بل
بید کی طرح کانپ جاتے ہیں

اس کے دھبے نہ چھوٹیں گے تا حشر
خون عاشق میں کیوں نہاتے ہیں

راز دل شکل سے ہویدا ہے
قیس ناداں ہیں چھپاتے ہیں

جو گیسو بنے پیچ والے ہوئے ہیں
وہ سانپ آستینوں کے پالے ہوئے ہیں

ڈرائے گی کیا ہم کو واعظ کی غرفش
یہ سب شعبدے دیکھے بھالے ہوئے ہیں

جسے لوگ کہتے ہیں محشر وہ شاید
تمھارے ہی فتنے اُچھالے ہوئے ہیں

سنواری عبث تم نے زلفِ مسلسل
مرے دشمنِ جاں یہ کالے ہوئے ہیں

لیا ضبط سے کام پہلے تو ہم نے
اب آمادۂ شور نالے ہوئے ہیں

وہاں کھیلتے ہیں وہ غیروں میں ہولی
یہاں داغ دل میرے لالے ہوئے ہیں

غضب ڈھائیں گی اب کوئی دم میں آہیں
ابھی تک اِنھیں ہم سنبھالے ہوئے ہیں

بھریں پیٹ کس چیز سے تیرے عاشق
غم و رنج تو دو نوالے ہوئے ہیں

نہ پروائے جنت نہ حوروں کی خواہش
سب ارمان دل کی نکالے ہوئے ہیں

کہا ہم نے مرتے ہیں تم پر تو بولے
چہ خوش اچھے یہ مرنے والے ہوئے ہیں

جو گردن جھکائے ہیں آنکھیں چُرائے
یہی ہم کو آفت میں ڈالے ہوئے ہیں

حسینوں میں جس طرح بے مثل ہیں وہ
جفائیں بھی سب سے نرالے ہوئے ہیں

شبِ وصل دل ہے کہیں اور اُن کا
مری باہیں گردن میں ڈالے ہوئے ہیں

بچا مجھ کو قہرِ بتاں سے تو یارب
کہ بے طرح آنکھیں نکالے ہوئے ہیں

اگر اُس گلِ تر کو دیکھا نہیں ہے
تو کیوں میرے زخمِ دل آلے ہوئے ہیں

ہاں اُن سے امید ایفائے وعدہ
نکلنے پر آمادہ ہے دل مگر ہم
ترے چاہنے والے اے آفتِ جاں
رقیبوں کو مجلس میں اپنی بُلا کر

برابر نہیں ہاں میں ٹالے ہوئے ہیں
بہت مشکلوں سے سنبھالے ہوئے ہیں
دہانِ اجل کے نوالے ہوئے ہیں
غم و رنج میں ہم کو ڈالے ہوئے ہیں

مصیبت وہ کیا جانیں قلیسؔ حزیں کی
جو سو ناز و نعمت کے پالے ہوئے ہیں

ردیف واو

دیکھ کر باغ میں کل محو تماشا مجھ کو
خون دل کرنے کا کرتے ہیں اشارا مجھکو
جی بہلنے کی نکل آئے گی صورت کوئی
آنکھیں لڑتے ہی نہ کیوں درد سے آہیں بھرتا
راز سربستہ نہ کھل جائے کہیں رونے سے
خوف تھا ترک محبت کے ٹھہر جانے کا
کھول کر آنکھیں جو دوڑائیں نگاہیں اپنی
آج کی بات اُٹھا رکھوں میں کیونکر کل پر
قتل کرنے کے لیے دیکھے بھوؤں کو جنبش

ہر گل تر نے کیا طعنوں سے رسوا مجھ کو
رنگ ہاتھوں میں دکھا کر وہ حنا مجھ کو
لے چل اے وحشت دل جانب صحرا مجھ کو
ناوکِ ناز ترا تیر بلا تھا مجھ کو
چشم پُرنم نہ کرے خلق میں رسوا مجھ کو
اے اجل تو نے مگر آ کے سنبھالا مجھ کو
ہر طرف یار کا جلوا نظر آیا مجھ کو
ہے قیامت سے سوا وعدۂ فردا مجھ کو
مژدۂ مرگ سُناتا ہے مسیحا مجھ کو

نزع میں چھوڑ کے بالیں سے کہاں جاتا ہے
کون ہے تیرے سوا پوچھنے والا مجھ کو

میں تو اے قیسؔ زسر تا بقدم ہوں پُر عیب
خود وہ اچھے ہیں سمجھتے ہیں جو اچھا مجھ کو

اب ساز اثر سے ہے مرے دستِ دعا کو
اتنا نہ ستاؤ کہ پکار اُٹھوں خدا کو

مُنہ پھیرے ہوئے شرم سے کیوں بیٹھے ہو تا کو
دیتا ہے کوئی دل نگہِ ہوش رُبا کو

تھک تھک کے مرے پاؤں تری راہ طلب میں
رسوا نہ کہیں کرنے لگیں بخت رسا کو

افسوس کہ میں دولت پابوس کو ترسوں
حصّا مری قسمت کا ملے رنگ حنا کو

میں تیغ تغافل سے ہم آغوش اجل ہوں
دو اذن تکلم لب اعجاز نما کو

کیوں میری طرف چشم عنایت نہیں ہوتی
کس جرم کی پاداش میں پہنچا ہوں سزا کو

ہر جزو بدن پھونک دیا سوز نہاں نے
ہڈی مری کِھلواؤ گے کیا خاک ہما کو

دن رات جو رکھے رہے ناکام تمنا
ہم دور سے کرتے ہیں سلام ایسی ادا کو

کہنے کو تو سب حال کہوں درد جگر کا
پوچھے بھی کوئی عاشق بے برگ و نوا کو

خوش کیا ہیں وہ سنکر خبرِ مرگ ہماری
ترسیں گے خدا چاہے تو اب نام وفا کو

حیرت ہے چلے جائیں تہِ خاک لِٹا کر
کچھ بھی نہ ترس آئے ہمارے رفقا کو

آئی ہوئی ٹل جاتی ہے کیا کیا مرے سر سے
جب تیری ادا آنکھ دکھاتی ہی قضا کو

اللہ رے اُس کے رُخ گلگوں کی صفائی
کردیتی ہے رسوائے جہاں بادِ صبا کو

ہے دونوں طرف شوق میں اک جوش کا عالم
ٹلنے کی اجازت کہیں بلجائے حیا کو

اے قیس بُری ہوتی ہو زلفوں کی محبت
للہ نہ لو اپنے سر اس کالی بلا کو

قتل تو ہر حال میں ممکن ہے کچھ دشوار ہو
پھر بھی تم پتھر چٹا لو کُند اگر تلوار ہو

وہ محبت کیا نہ جس میں لطف ہو یا پیار ہو
بات پیچھے چھیڑ ہو ہر چھیڑ میں تکرار ہو

جب نصیبِ دشمناں برہم مزاجِ یار ہو
یا الٰہی کوئی کیونکر طالبِ دیدار ہو

جاں نثاروں میں جو وہ آمادۂ پیکار ہو
ہر شکن چینِ جبیں کی تیغ جوہر دار ہو

سوزِ پنہاں سے خبر کیا خاطرِ اغیار ہو
حال دل سمجھے وہی جو واقفِ اسرار ہو

سُرمگیں نظروں سے تم سینے کو برماتے ہو کیا
تیر وہ مارو جو دل کو چھیدتے ہی پار ہو

صبر کرنے کو قیامت تک کرینگے صبر ہم
وصل کا بھی کچھ تو اے جانِ جہاں اقرار ہو

رات دن فرقت کی کڑیاں جھیلنے کے واسطے
حیف ہے درماں طلب یہ عاشقِ بیمار ہو

بے نقاب آئیں اگر وہ جلوہ گاہِ ناز میں
غیرتِ خورشید محشر تابشِ رخسار ہو

لوح دل پر نقش ہیں بے مہریاں صیاد کی
فصل گل میں نغمہ زن کیا عندلیبِ زار ہو

آج وہ مہمان بنکر اس طرف آنے کو ہیں
بخت خوابیدہ ہمارا ہی کہیں بیدار ہو

جام وحدت بزم ساقی میں چھلکتے دیکھکر
کیوں نہ رہنِ مے جنابِ شیخ کی دستار ہو

بوے زلفِ عنبریں سے جب معطر ہی دماغ
سر میں کیا پیدا ہواے نکہتِ گلزار ہو

ہجر جاناں میں لگا دوں میں جو اشکوں کی جھڑی
نذر سیلِ گریہ میری چشم دریا بار ہو

کیا عجب ہے گردشِ چشمِ فسوں پرداز سے
شورشِ محشر بھی اک ہنگامۂ پیکار ہو

بے محل باتیں نہ کرنا اس سے اے پیغامبر
کیوں نہ ہوں سرگرم رقص اُنکے شہیدانِ وفا
آپ کی دو معنیہ باتوں کا میں قائل نہیں
وادیِ وحشت میں تڑپیں ہم اگر سر پھوڑ کر
برق افگن ہے کسی کا جلوۂ صبر آزما

سُنکے میرا مدعا ایسا نہ ہو بیزار ہو
مژدۂ جاں بخش جب تلوار کی جھنکار ہو
صاف صاف اقرار ہو یا صاف صاف انکار ہو
خون کے چھینٹوں سے گلگوں دامنِ کہسار ہو
تیز کیونکر دوسروں کی گرمیِ بازار ہو

صبح پیری آگئی راتیں جوانی کی کٹیں
سو چکے جی بھر کے تم اے قیسؔ اب ہشیار ہو

دیا دل ہمنے اک رشکِ قمر کو
سحر ہولے تو جانا اپنے گھر کو
اثر بھی آہ سے کرنے لگا ساز
مجھے پہنچا دیا کس سنگدل تک
نہ بہ جائے مرا دل خون ہو کر
نہ ہم کیوں کر کریں رہ رہ کے آہیں
نہ رسوا حلقۂ عشاق میں کر
ابھی دیکھا نہیں اے شوخ تونے
نزاکت سے پتا پوچھو تو پاؤ
کرینگے عمر بھر ہم جبہ سائی

عبث تڑپا لیا اپنے جگر کو
ابھی تم میرے پہلو سے نہ سرکو
ذرا اب تھام لو اپنے جگر کو
سلام اے عشق تجھ سے راہ بر کو
ذرا روکے رہو تیرِ نظر کو
کوئی چٹکی سے ملتا ہے جگر کو
نہ توڑ اے چشمِ تر سلکِ گہر کو
کمالِ جذبِ آہِ پُر شرر کو
نشانِ موے باریکِ کمر کو
نہ چھوڑینگے تمھارے سنگ در کو

اجی یہ تہمتِ بادہ پرستی
مجھ ایسے عاشقِ شوریدہ سر کو

نکلنے پر ہیں دونوں مستعد آج
سنبھالیں دل کو یا تھامیں جگر کو

نہیں تھی طاقت اے صیاد ہم میں
اکھیڑے تو نے ناحق بال و پر کو

وہ رستا بھول کر دشمن کے گھر کا
مری قسمت سے آ نکلے اِدھر کو

دمِ رخصت کیئے ہیں مجھ سے وعدے
کہ کل بھی آئیں گے ہم دوپہر کو

کوئی ظالم کسی کے دل میں رہ کر
نہ یوں ویران کرتا اپنے گھر کو

رقیب اپنا کہیں یہ بھی نہ ہو جائے
وہاں بھیجوں میں کیوں کر نامہ بر کو

بہائیں گے لہو اے تیرِ مژگاں
نہ چھیڑو تم مرے زخمِ جگر کو

کہاں تم نے یہ ساری رات کاٹی
ذرا ہم سے ملاؤ تو نظر کو

لگا کر نخل الفت باغ دل میں
ترستے ہی رہے برگ و ثمر کو

تڑپ بے وجہ سینے میں نہیں ہے
ترا سودا ہوا قلب و جگر کو

فلک پر چھا گئیں کالی گھٹائیں
بڑھا جامِ مے اے ساقی اِدھر کو

میں روکوں کس طرح نالوں کو یا رب
بجھاؤں کس طرح سوزِ جگر کو

لچک جائیگی یہ نازک بہت ہے
نہ دے اے زلف تو جھونکے کمر کو

ہمارا انتظار اب دیکھنا ہو
تو دیکھو نقشِ پائے رہگزر کو

ذرا ہنسنے دو اے چارہ گرو تم
نہ دو ٹانکے مرے زخمِ جگر کو

حسینوں کی ادائیں کیا غضب ہیں
لُبھا لیتی ہیں دم بھر میں بشر کو

سناؤں کس طرح حالِ جدائی
دکھاؤں کس طرح داغِ جگر کو
مرے نالوں سے ہیں آباد گلیاں
یہیں رہنے دو تم مجھ نوحہ گر کو
پھر اپنا حال دل اے قیس جاکر
سُناتے ہو تم ایسے بے خبر کو

پہلو سے دور یہ بت رشکِ قمر نہ ہو
میری شب وصال کی یارب سحر نہ ہو
جس آدمی کے دل میں وفا کا اثر نہ ہو
پتھر وہ ہو تو خوب ہے لیکن بشر نہ ہو
سرگرم جور وہ بت ظالم اگر نہ ہو
رنج والم میں عمر ہماری بسر نہ ہو
ملنا بتوں سے میرے لیے وجہ شر نہ ہو
امید نفع میں کہیں اُلٹا ضرر نہ ہو
میں ہوں وہ بے خبر کہ کسی کی خبر نہیں
آجائے غش تو ہوش بھی دو دو پہر نہ ہو
وہ شئے نہیں ہے دل کہ جو ٹوٹا تو بن گیا
شیشے کا یہ مکان ہے مٹی کا گھر نہ ہو
کس طرح بیخودی میں نہ ہو فاش رازِ دل
ممکن نہیں کہ درد اُٹھے آنکھ تر نہ ہو
ٹھکرا کے میری قبر وہ کہتے ہیں ناز سے
میں یوں کھڑا ہوں تجھے کچھ بھی خبر نہ ہو
یہ بھی نئی ادا ہے کہ غیروں کے سامنے
کہتے ہیں چپکے بیٹھ اِدھر سے اُدھر نہ ہو
جھولا تو جھولتے ہو مزے سے چمن میں تم
لیکن پھر آج حیلۂ دوران سر نہ ہو
سرمے سے دیکھکر میں بتوں کا فروغ حسن
دل میں یہ کہہ رہا ہوں تری خاک در نہ ہو
ہیں خون دل رواں مرے اشکوں کے ساتھ ساتھ
کیوں پانی پانی چشمۂ لعل و گہر نہ ہو
اصرار وصل پر مجھے دیتے ہیں یوں فریب
روزن سے جھانکتا کوئی دیکھو اِدھر نہ ہو

کب ہے امید چارہ گری بے وفاؤں سے
پیغام مرگ ہی مجھے دردِ جگر نہ ہو

خواہاں تو سب کے سب ہیں خط و خال و چشم و لب
ہو دل مگر یہ ایک کدھر ہو کدھر نہ ہو

آتے ہی تم چلے تو پھر آنے سے فائدہ
کیا لطف وصل کا ہو اگر رات بھر نہ ہو

احسان مفت رکھتے ہو مجھ پر یہ کس لیے
تم کھولو گیسوؤں کو جو خوفِ کمر نہ ہو

بن ٹھن کے سیر کرنے کو نکلے ہیں آج وہ
عشاق کا ہجوم سرِ رہگزر نہ ہو

اغیار تم سے دست و بغل روز و شب رہیں
افسوس ایک دن بھی ہمارا گزر نہ ہو

میں اپنے آنسوؤں کی لگا دوں ابھی جھڑی
میخواروں پر اگر کرمِ ابر تر نہ ہو

انگیا مسک گئی ہے تو ڈرتے ہو کس لیے
آنچل گرا لو جس میں کسی کو خبر نہ ہو

آنکھیں ملاتے ہی مجھے کیوں بیخودی ہوئی
سوزندۂ خرد تری برقِ نظر نہ ہو

دل پر ہمارے ضرب فلاخن نہ دو کبھی
باہر نکل کے سنگ سے رقصاں شرر نہ ہو

اے گل چمن میں آمد فصل بہار ہے
قیدِ قفس میں بلبل بے بال و پر نہ ہو

آئے ہیں دوست بن کے رقیبان روسیہ
محفل کا رنگ پھر کہیں نوعِ دگر نہ ہو

مجھ کو تلاش موئے کمر نے کیا نزار
در پیش اسی میں ہائے عدم کا سفر نہ ہو

آپس میں زیست کا نہ ملے گا مزا کبھی
جب تک مثال صورت شیر و شکر نہ ہو

ترچھی نگاہ سے مجھے ہرگز نہ گھورنا
زخمِ جگر میں تیر نظر نیشتر نہ ہو

تاثیر میری نظم میں کحل البصر کی ہے
کیوں کر سواد دیدۂ اہل نظر نہ ہو

اے قیس سخت ہوتی ہیں اشعار کے رموز
کیا سمجھے وہ جو واقف علم و ہنر نہ ہو

آنکھیں رہ رہ کے نہ یوں آپ دکھائیں مجھکو
مار ڈالیں گی مقرر یہ ادائیں مجھ کو

دل لگانے کی ملیں خوب سزائیں مجھ کو
گھیرے رہتی ہیں شب و روز بلائیں مجھ کو

قابلِ قدر بنائیں گی وفائیں مجھکو
مرنے پر ڈھونڈیں گی جب تیری جفائیں مجھ کو

آگئی نیند میں لیتا ہوں قیامت کی خبر
ہیں مسیحا تو ذرا آکے جگائیں مجھ کو

میرے قابو سے نکلنا کوئی آسان نہیں
میں بھی اُستاد ہوں جُتّے نہ بتائیں مجھ کو

جان جائے گی تو میری انھیں ڈر کس کا ہے
بے تکلف ہدفِ ناز بنائیں مجھ کو

کوسنے دیتے ہیں دے لیں جو خدا نے چاہا
کل ہی خوش ہو ہو کے دینگے وہ دعائیں مجھ کو

اُن سے کہتی ہے یہ اُٹھ اُٹھ کے جوانی اُنکی
میں نہیں دبنے کی ناحق نہ دبائیں مجھ کو

بے سبب مشقِ جفا ہیں یہ جھجھکنا کیسا
اب ستایا ہے تو جی بھر کے ستائیں مجھ کو

اپنی قسمت کہوں یا لطف و عنایت اُنکی
وصل کی گھاتیں وہ آ آ کے سکھائیں مجھ کو

ایک چلّو سہی کچھ دل کی کسک تو مٹ جائے
ہاں مگر اپنے ہی ہاتھوں سے پلائیں مجھ کو

یوں تو دعوائے محبت ہے سراسر باطل
سچ میں جب جانوں کہ سینے سے لگائیں مجھ کو

داغ سجدہ کے عوض داغ ندامت بنکر
بخشوائیں گی قیامت میں خطائیں مجھ کو

حق تو یہ ہے کہ اگر دل سے ہے ملنا منظور
کچھ بڑی بات نہیں گھر ہی بلائیں مجھ کو

وار اُس قاتل بے رحم کے مجھ پر نہ ہوئے
رہ گئیں دیکھ کے اوروں کی قضائیں مجھ کو

اُن کی نفرت مری حسرت کی تلافی جب ہو
میں قیامت میں اُٹھیں پاؤں وہ پائیں مجھ کو

خوبصورت کے لیے پاسِ وفا لازم ہے
پھیر کر آنکھیں نہ مٹی میں ملائیں مجھ کو

آپ نے قتل کیا ہے تو مناسب یہ ہے
مُنہ دکھا دیں وہ اگر رخ سے اُٹھا کر گھونگٹ
کم سے کم اتنی ہی تاثیر محبت دیکھوں
پند بیجا سے طبیبوں نے قیامت ڈھائی
میٹھی باتیں نہ سہی کڑوی کسیلی ہی سہی
صدقے اس ناز کے اس جور وستم کے قرباں

آپ ہی قبر میں بھی آ کے لٹائیں مجھ کو
کیا یہ ممکن ہے کہ پھر ہوش میں لائیں مجھ کو
مضطرب پا کے وہ پہلو میں بٹھائیں مجھ کو
گھول کر زہر نہ دینا تھیں دوائیں مجھ کو
بت نہ بن بیٹھیں وہ گالی ہی سنائیں مجھ کو
میں کروں پیار وہ دن رات جلائیں مجھ کو

خود بگڑتے ہیں خفا ہوتے ہیں جھنجھلاتے ہیں
اُلٹے کہتے ہیں کہ قیسؔ آ کے منائیں مجھ کو

میری آہِ جگر افگار سے نالاں کیوں ہو
رشک فردوس نہ میرا دل ویراں کیوں ہو
تجھ کو دل دیکے کوئی بے سر و ساماں کیوں ہو
پتلیاں دیدۂ بینا سے نکالیں میں نے
کس پری کے رُخِ روشن نے دکھائی جھلکی
جا گزیں دل میں ہو کس طرح خیالِ رُخِ یار
پہلے دل دینے سے انجام نہ سوچا تم نے
زاہدوں کے سر بازار لبھا لیتے ہو دل
میرے نالوں نے اثر آج دکھایا شاید

صبح محشر کی طرح چاک گریباں کیوں ہو
جس جگہ تو ہو نہ وہ غیرت رضواں کیوں ہو
اپنے جینے سے خفا موت کا خواہاں کیوں ہو
خانۂ چشم میں اب کوئی ہراساں کیوں ہو
شکل آئینہ تم اے دیدۂ حیراں کیوں ہو
مسکنِ رشک پری خانۂ ویراں کیوں ہو
اب دل افسردہ و محزون و پشیماں کیوں ہو
ایسے بیباک تم اے دشمن ایماں کیوں ہو
زلف بکھرائے ہوئے شکل پریشاں کیوں ہو

کیا یہ منظور ہے ہو فتنۂ محشر برپا
تم رواں آج سوِ گورِ غریباں کیوں ہو

ہم تم آپس میں سمجھ لیں نہ سنے کوئی غیر
عام مجمع میں جھگڑتے سرِ میداں کیوں ہو

کیا رقیبوں نے کوئی تم کو پڑھائی پٹی
سچ کہو یار مرے قتل کے خواہاں کیوں ہو

اپنے بیمارِ محبت کی نہیں لیتے خبر
ایسے بے مہر تم اے عیسیٰ دوراں کیوں ہو

سچ کہو کس کی کشش نے تمھیں حیران کیا
ہر گلی کوچے میں بے وجہ خراماں کیوں ہو

کیوں نہ ہم خون کے رُو رُو کے بہائیں دریا
وہ دُرِ بحرِ وفا آنکھوں سی پنہاں کیوں ہو

ڈس نہ لے مجھ کو کہیں یار یہ کالی ناگن
آج کھولے ہوئے تم گیسوِ پیچاں کیوں ہو

مرنے پر بھی تو ذرا چین سی سونے دو مجھے
قبر میں چھیڑتے اے حسرت و ارماں کیوں ہو

مدتوں ناقۂ لیلیٰ کی حُدیٰ خوانی کی
کوچۂ عشق میں تم آج ہراساں کیوں ہو

ہم نہ مانیں گے کبھی چھیڑ کیئے جائیں گے
ایسی ہی شرم کسی کو ہی تو عریاں کیوں ہو

میرے کس حال سے ایسی تمھیں حیرت چھائی
دیکھ کر مجھ کو تم انگشت بدنداں کیوں ہو

پرتوِ حسنِ رخِ یار نہ ہو اِس میں اگر
غیرتِ طورِ دلِ عاشق نالاں کیوں ہو

ہو نہ ہو فیض ہے استادِ ازل کا تم پر
صبح سے آج تم اے قیسؔ غزلخواں کیوں ہو

پئے گلگشت جاتا ہے جو میرا یار گلشن کو
زرِ گل سے صبا بھر دیتی ہی پھولوں کی دامن کو

خدارا اے بتو جانے دو مکر و حیلہ و فن کو
دکھا دو اک نظر للہ اپنے روئے روشن کو

میں کیوں کر آہ و نالہ کو نہ اپنا چارہ گر سمجھوں
عجب کیا ہی یہ دونوں کھینچ لائیں یار بدظن کو

عبث تم اسقدر نازاں تھے حسنِ چند روزہ پر
ڈھلا جاتا ہے مثلِ اشک دیکھو اپنے جوبن کو

کہیں غیروں سے میرے سامنے ہنسکر نہ ملنا تم
جلا دے گی وہ بجلی ورنہ میرے دل کے خرمن کو

کہاں ممکن کہ پہنچیں اپنے ہاتھ اس ترک کے پا تک
صبا بھی چھو نہیں سکتی ہے جسکی گرد توسن کو

وہ ظالم دل کو تھامے اس طرف کھینچتا چلا آئے
عطا کر وہ اثر یارب ہمارے شور شیون کو

تصور میں ترے اے گل ہوئی وہ بیخودی حاصل
سمجھتے ہیں صدا بلبل کی ناقوسِ برہمن کو

تمھاری دید کے طالب ہیں لاکھوں صورتِ موسیٰ
ہٹا کر زلف شبگوں تم دکھا دو روے روشن کو

چلے ہیں قبر عاشق پر اگر وہ فاتحہ پڑھنے
تو خاک اڑ کر نہ پڑ جائے اٹھا لیں اپنے دامن کو

تمھاری تیغ ابرو کے ہزاروں ہو گئے گھائل
غضب کی شوخیاں تم نے سکھا رکھی ہیں چتون کو

رقیبوں کے اشارے سے کلیجا ملتے ہو میرا
ذرا کچھ دل میں بھی سوچو جھکا کر اپنی گردن کو

خدا کی شان یہ دیکھو کہ جور و ظلم مجھ پر ہوں
اور اُس کے وصل کی لذت میسر میرے دشمن کو

کمالِ جوشِ وحشت میں کہیں دھبا نہ آجائے
نہ چھوائے دست بخیہ گر ہماری چاک دامن کو

رہے آزاد ہم دیوانگی میں ہر تعلق سے
کبھی ثابت نہیں رکھا ذرا بھی جامۂ تن کو

صفائیِ دُرِ دندان جاناں نے دمِ خندہ
غریقِ بحرِ خجلت کر دیا ہیرے کی معدن کو

کسی کے چہرۂ تاباں کی جب ہم نے جھلک دیکھی
تو سمجھا مطلع خورشید محشر صاف روزن کو

اگر انصاف سے دیکھو تو یہ بھی ہے مرا احساں
مرے بخت سیہ نے دی سیاہی زلفِ پُرفن کو

کہو اے قیس اعلیٰ سے کسی ادنیٰ کو کیا نسبت
ملا کب خنجرِ ابرو کا رتبا تیغ آہن کو

نقابِ رُخ اُٹھا دو تم کہ دیکھیں روے روشن کو
جلائیں آتشِ سوزِ حسد میں اپنے دشمن کو

نہ بکھراؤ رُخِ پُرنور پر تم کالی ناگن کو
ہٹاؤ دیکھ لیں ہم بھی ذرا اس سانپ کے من کو

مقرر نوکِ مژگاں کی لگی ہیں برچھیاں دل پر
پھنسا کر رکھ دیا خارِ جنوں میں ہم نے دامن کو

مری تربت پر آیا جب کسی دن فاتحہ پڑھنے
دیا غسل اُس نے آبِ چشمِ تر سے پہلے مدفن کو

فراقِ گل میں بلبل نے کیا طوفان رو رو کر
ڈبویا موجِ بحرِ اشک میں اپنے نشیمن کو

ہمارا رازِ پوشیدہ کہیں افشا نہ ہو جائے
تم اے طفلانِ اشکِ چشم جانے دو لڑکپن کو

شہیدِ تیغِ ابرو صورتِ بسمل تڑپتے ہیں
تو کیا کیا رشک ہوتا ہے تری شمشیرِ آہن کو

وفورِ جوشِ مستی میں جوانی کی اُمنگیں ہیں
کھنچے جاتے ہیں نخوت سے سنبھالو اپنے جوبن کو

اگر میرے دلِ پُرداغ کو دیکھو تم آنکھوں سے
تو بھولے سے نہ جاؤ ایک دن بھی سیرِ گلشن کو

ہوا میرا دلِ پُرآرزو صد چاک حسرت سے
جو چھوڑا اُس پری نے در پر اپنے آگے چلمن کو

رہا کرتا ہوں نالاں صورتِ ناقوس فرقت میں
دیا ہے نقدِ دل جب سے کسی طفلِ برہمن کو

عدم میں پڑ گئی ہلچل جب آیا وہ پری پیکر
سوگورِ غریباں تھام کر ہاتھوں سے دامن کو

کسی کی سادگی میں بھی عجب جوبن ٹپکتا ہے
جھکا لیتی ہیں پریاں قاف کی شرما کے گردن کو

طلوعِ شمس کا دھوکا ہوا مجھ کو جھروکے پر
جو دیکھا جلوہ گر اس میں کسی کے روے روشن کو

ہوا آمادہ میرے قتل پر تیغِ دو دم لے کر
پڑھائیں پٹیاں دشمن نے کیسی شوخِ پُرفن کو

بدل دے میری فرقت کو کسی کے وصل سے یارب
مرا بختِ سیہ دیدے تو میرے خاص دشمن کو

کسی گل کے مسی مالیدہ لب کا اب تصور ہے
نہیں ممکن چمن میں آنکھ اٹھا کر دیکھوں سوسن کو

بھرا ہے جوشِ مضموں دل میں اہلِ فن بھی حاضر ہیں
نہ روکو تم ابھی اے قیس فکرِ طبع روشن کو

اگر دیکھے ہلال اے یار حسنِ نعل توسن کو
حجابِ ابر میں جا کر چھپالے روئے روشن کو

قفس میں کہتی ہے صیاد سے رو رو کے یوں بلبل
دکھا دے باغ میں چل کر مرے اُجڑے نشیمن کو

کسی بُت نے رخِ انور سے کیا پردہ اُٹھایا ہے
جو حیرت اس قدر ہے آج ہر شیخ و برہمن کو

شبِ فرقت جو آیا یار آغوشِ تصور میں
دیا میرے دلِ صد چاک نے رشک اُسکی چلمن کو

بسر کی میں نے ساری عمر تیری ہی اطاعت میں
مگر تو نے نہ پہچانا ابھی تک دوست دشمن کو

تمھاری یادِ گیسو میں یہ رہ رہ کر اُلجھتا ہے
مٹاؤں کس طرح ایجان جاں میں دل کی اُلجھن کو

مرے پُر درد نالوں سے فرشتے تک لرزتے ہیں
کلیجا تھام لیتے ہیں وہ سُن کر میرے شیون کو

ہماری ٹکٹکی اس کی طرف کیونکر نہ لگ جائے
سمجھتے ہیں ہلالِ عید تیرے نعل توسن کو

ندامت ہوگی اے جوشِ جنوں خارِ بیاباں سے
نہ دینا بخیہ گر کے ہاتھ میں تو میرے دامن کو

چمن میں نغمہ سنجی بلبلوں کی رنگ لائے گی
چلا ہے ایک رشکِ گل پئے گلگشت گلشن کو

مرے دل ہی میں جب جلوہ نما ہے وہ شہِ خوباں
تو جاؤں صورتِ موسیٰ کہاں وادیِ ایمن کو

دوپٹا رُخ سے سرکا ہے کہ سورج سے ہٹی بدلی
لگا ہے داغِ خجلت کیوں فلک کے ماہِ روشن کو

اداؤں سے لُبھا لینا نگاہوں سے گرا دینا
سکھائیں شوخیاں کس نے ترے بیساختہ پن کو

قدِ موزوں کسی کا غیرتِ سرو و صنوبر ہے
اور اس کے زعفرانی رنگ پر ہے رشک کندن کو

ثبوتِ خونِ مقتولِ جفا دم بھر میں ہوتا ہے
جو دیکھا داورِ محشر نے تیرے سُرخ دامن کو

بتوں کو بھی لبھا لیتا ہوں اکثر شعر رنگیں سے
ملا ہے جذب مقناطیس میری فکر روشن کو

مقرر قیس میں شاگرد استادِ زمانہ ہوں
نہ دیں احباب کیونکر داد اب مجھ کاملِ فن کو

وہ گل ہی گل ہے جس میں ترا رنگ و بو نہ ہو
وہ دل ہی دل ہے جس میں تری جستجو نہ ہو

بزمِ بتاں میں طعنۂ جام و سبو نہ ہو
اے محتسب خدا کے لیے تو عدو نہ ہو

افشائے رازِ عشق کہیں گو بکو نہ ہو
گریاں کسی کی یاد میں اے چشم تو نہ ہو

کانوں میں آرہی ہے کسی کی صدائے آہ
آوارہ میرے دل سے مری آرزو نہ ہو

بڑھتے ہیں بیخودی میں ہمارے یہ دستِ شوق
آزردہ اس قصور پر اے حیلہ جو نہ ہو

اُس مست ناز کو نہ گزک میں مزا ملے
میرے دلِ برشتہ کی اُس میں جو بو نہ ہو

ناصح کی پند سے نہ کبھی چھوٹے گی شراب
میری شکست توبہ شکستِ وضو نہ ہو

روتے ہو یادِ غیر میں لے لے کے ہچکیاں
دیکھو پھر آج حیلۂ دردِ گلو نہ ہو

اے پیر مغ ہوں دیر سے پیاسا شراب کا
خم ہی لگا دے منہ سے جو خالی سبو نہ ہو

ڈرتا ہوں رات دن میں زمانے کی چال سے
بیٹھے بٹھائے یہ بھی مرا ہی عدو نہ ہو

راحت ہی درد و غم ہی سہی مجھ رنج دوست کو
یارب وہ زخم دل دے کہ ہرگز رفو نہ ہو

سامانِ انبساط مہیا ہیں سب مگر
کس کام کی وہ بزم جہاں یہ ہوں تو نہ ہو

کیونکر کروں یقیں میں قتلِ رقیب کا
جب تک ترا یہ فعل مرے روبرو نہ ہو

راضی ہوئے ہیں آج بڑی منتوں سے وہ
بیکار چھیڑ بے محل اب گفتگو نہ ہو

مانگا جو ایک بوسہ کہ صدقہ دو حُسن کا
بول اُٹھے ہنس کے واہ کوئی خوبرو نہ ہو

آنکھوں سے کیوں نکلتے ہیں دن رات اشک سُرخ
یا رب یہ میری حسرت دل کا لہو نہ ہو

جنت میں ہم سے رند کو بزم شراب میں
جب لطف مے کشی ہو کہ اے شیخ تو نہ ہو

اے بُت خدا کے واسطے گستاخیوں پر آج
اس فرطِ بیخودی میں خفا مجھ سے تو نہ ہو

حدت ہے آفتاب میں حد سے بڑھی ہوئی
سوزِ جگر میں آج کہیں پھر نمو نہ ہو

جوشِ شباب وصل میں کیسی امنگ ہے
زائلِ شبِ فراق مرے دو بدو نہ ہو

کھل جائیں گی ہماری تمھاری حقیقتیں
محشر میں ہم سے تم سے کہیں گفتگو نہ ہو

جاتا تو ہے وہاں مگر اتنا رہے خیال
اے قیسؔ بزم یار میں بے آبرو نہ ہو

رسوا نہ ہو ذلیل نہ ہو زرد رو نہ ہو
ہم سا بھی خلق میں کوئی آشفتہ خو نہ ہو

ٹوٹے وہ ہاتھ جو کبھی طوقِ گلو نہ ہو
ویران ہو وہ خانۂ دل جس میں تو نہ ہو

عاشق وہ کیا ہے جو کبھی بے آبرو نہ ہو
معشوق کیا وہ جس میں ستانے کی خو نہ ہو

مجھ سے نظر ملانے میں آزردہ تو نہ ہو
ایسی ہی شرم ہے تو مرے روبرو نہ ہو

ہم سے کبھی جدا وہ بتِ ماہرو نہ ہو
یہ بخت نارسا جو ہمارا عدو نہ ہو

کعبے سے پھر نکل کے چلا سوئے میکدہ
رندوں میں آج شیخ کہیں زرد رو نہ ہو

دامن میں لال یہ کیسے پڑے ہیں داغ
سونگھو تو حسرتوں کا ہماری لہو نہ ہو

مدفن میں بھی نہ چین سے سوئیں گے ہم کبھی
جب تک سرِ مزار کوئی خوش گلو نہ ہو

یارب سنا رہا ہوں کسی کو میں رازِ دل
سمجھا ہوں جس کو دوست وہ میرا عدو نہ ہو

آئے تھے بہر فاتحہ الٹے پھرے وہ کیوں
لپٹی ہوئی لحد سے مری آرزو نہ ہو

کھینچوں اک آہ سرد تو اُڑ جائیں دھجیاں
اے چرخ پیر دیکھ تو میرا عدو نہ ہو

جاتا تو ہوں گلی سے مگر وقت مشق ظلم
کہنے کی بات ہے جو مری جستجو نہ ہو

بے طرح آ رہی ہیں یہ رہ رہ کی ہچکیاں
مصروف یاد آج کوئی خوبرو نہ ہو

ہاتھوں کا کیا قصور جو محرم مسک گئی
جوبن میں چاہیئے کہ یہ جوش نمو نہ ہو

مجھ رند بادہ نوش کو آسودگی کہاں
جب تک یہ موج چشمۂ مے تا گلو نہ ہو

ہوتی ہیں تم سے باتیں جو ناز و نیاز کی
خالق کے سامنے بھی یہی گفتگو نہ ہو

اے مے فروش طعنۂ واعظ سے تنگ ہوں
مجھ کو شراب دے مگر ایسی کہ بو نہ ہو

میں بھی اُٹھاؤں صحبت جاناں کی لذتیں
میرا عدو جو یہ فلکِ کینہ جو نہ ہو

چاکِ جگر میں ٹانکے تو اے چارہ گر نہ دے
جب تک نگاہ لطف کا تارِ رفو نہ ہو

ایفائے عہد خالق اکبر کی شان ہے
مشکل میں کیوں وظیفۂ لاتقنطوا نہ ہو

سنتے ہیں اُسکے کوچے میں ٹوٹی ہے کوئی چیز
ہے ہو وہ قیس کا دل پُر آرزو نہ ہو

ردیف ہای ہوز

ہمت نہ ہارو بیٹھ نہ جاؤ تھکا کے ہاتھ
دو چار وار اور بھی دیکھو چلا کے ہاتھ

سسکی بھری جو پیار سے میں نے دبا کے ہاتھ
گردن میں اُس نے ڈال دیئے مسکرا کے ہاتھ

اُٹھنے لگے تھے سوئے فلک جب دعا کے ہاتھ
گھبرا کے تم نے تھام لیے کیوں بڑھا کے ہاتھ

تجھ سے لگا کے دل نہ رہی اور آرزو
ہر آرزو سے بیٹھ گیے ہم اُٹھا کے ہاتھ

دن کو قرار ہے نہ ہے تسکین رات کو
حیران ہو رہا ہوں دلِ مبتلا کے ہاتھ

مشہورِ خلق ہیں تری بندہ نوازیاں
دستِ کرم سے تھام لے اس بے نوا کے ہاتھ

نادم ہیں عمر بھر کی سیہ کاریوں سے ہم
عزت ہماری ہے سرِ محشر خدا کے ہاتھ

کیونکر رگِ گلو میں نہ ہو خون موجزن
مہندی سے لال دیکھ کے اُس دلربا کے ہاتھ

کرتے ہیں دور ہی سے دلوں کو شکار یہ
کتنے دراز ہیں تری زلفِ رسا کے ہاتھ

بارِ غمِ فراق سے میں دب کے مر گیا
اب قبر میں لِٹا دو ذرا تم لگا کے ہاتھ

خنجر گلے پر آپ نے رکھ کر اُٹھا لیا
کیا یوں بھی کھینچتا ہے کوئی دل بڑھا کے ہاتھ

چھلّے ہیں انگلیوں میں کہ باندھے گیے ہیں آج
تارِ شعاعِ مہر سے دزدِ حنا کے ہاتھ

میں نے بلائیں لیں تو جھٹک کر وہ بول اُٹھے
ٹوٹیں تمھارے ہاتھ ہیں یہ کس بلا کے ہاتھ

اے نامہ بر امید بندھی تھی جواب کی
بے آس کیوں کیا مجھے خالی دکھا کے ہاتھ

رکھوں وفا کی بھی کوئی امید یا نہیں
وعدے تو کر رہے ہو بہت کچھ ہلا کے ہاتھ

قاضی سے دختِ رز ہوئی سرگرمِ اختلاط
جنت کی حور بن کے پڑی پارسا کے ہاتھ

گھر سے تو آپ نکلے تھے تلوار تول کر
مقتل میں سرد ہو گیے کیوں تلملا کے ہاتھ

آنکھیں لڑا کے آج وہ کرتے ہیں مجھ کو قتل
میرے لہو سے دھوتے ہیں ساغر پلا کے ہاتھ

اے قیس خط شوق کی تاثیر دیکھیے
بھیجی رسید یار نے پیکِ قضا کے ہاتھ

کب سے بنا ہے محرم اسرار آئینہ
رہ رہ کے سامنے ہے جوہر بار آئینہ

ہر دم نہ اُن سے کیوں رہے دوچار آئینہ
ہے مظہرِ لطافت رخسار آئینہ

عکسِ شعاع حُسن سے بیخود نہ ہو کوئی
تم دیکھتے تو ہو سر بازار آئینہ

چھاتی سے کیوں لگائی نہ رکھوں فراق میں
تیری شبیہ کا ہے نگہدار آئینہ

پرتو فگن ہیں اس میں ترے موتیوں کے ہار
بیشک ہے مخزنِ دُرِ شہوار آئینہ

گھر سے وہ سیر باغ کو نکلے ہیں بے نقاب
دیکھے گی آج نرگس بیمار آئینہ

ہوگا مقابل آکے مرے داغ دل سے کیا
پیدا کرے تو عشق کا آزار آئینہ

پھیلی ہے چار سو رخ پُرنور کی جھلک
حیرت سے کیوں نہ ہوں در و دیوار آئینہ

لفظوں میں چاہتے ہیں وہ داد اپنے حُسن کی
لائے کہاں سے قوت گفتار آئینہ

جب میرے قتل کرنے کو نکلی میان سے
پڑتے ہی عکس بن گئی تلوار آئینہ

ہر دم ہے تیرے روئے منور کے سامنے
رکھتا ہے کیا ہی طالع بیدار آئینہ

کس کو کہوں کہ ہے مرے آزار کا سبب
شکل اپنی دیکھو لے کے تم اے یار آئینہ

بیکار چھیڑ چھیڑ کے رسوا نہ کیجئے
ہے آپ پر تو حال گنہگار آئینہ

آنکھیں لڑا سکے یہ کسی کی کہاں مجال
جب ہے تمھارے آگے نگونسار آئینہ

افسوس ترسے قیس تو اک جلوے کیلئے
دن رات لوٹے دولت دیدار آئینہ

ردیف یای تحتانی

لاکھ ڈھونڈا نہ ملا مجھ کو ٹھکانا کوئی
کوئے جاناں کے سوا مسکن و ماوا کوئی

ہم سے اتنا نہ کرے وصل میں پردا کوئی
اک نظر اب تو دکھا دے رُخِ زیبا کوئی

حال دل کس سے کہوں میں نہیں سنتا کوئی
جو کسی کی نہ سنے اُس سے کہے کیا کوئی

وصل میں چیں بجبیں مجھ سے نہ ہوتا کوئی
مُنہ سے مُنہ پیار سے ہنس ہنس کے ملاتا کوئی

راز افشا نہ ہوا ے عشق خدارا کوئی
مجھ کو رسوا نہ کرے میری تمنا کوئی

گو تہِ خاک ہوں لیکن میں ابھی جی اٹھوں
قم باذنی جو کہے آکے مسیحا کوئی

ساتھ اشکوں کے مرے لخت جگر بہتے ہیں
یوں تو پُر لعل نہیں دہر میں دریا کوئی

کاش مجھ کو بھی خداوند دکھاتا وہ دن
قسمیں دیدیکے مے ناب پلاتا کوئی

کشتۂ چشم ہوا کوئی کوئی کشتۂ خشم
نہ پھرا کوچۂ سفاک سے زندا کوئی

سیکڑوں طالب دیدار ہیں موسیٰ کی طرح
آج اُلٹے رُخ پُر نور سے پردا کوئی

اب بھی باقی ہوا گر نوح کے طوفان میں شک
دیکھ لے آکے مرے اشکوں کا دریا کوئی

ہائے کس ناز سے کہتا ہے شبِ وصل وہ شوخ
اب نہ رہ جائے ترے دل میں تمنا کوئی

بے سبب کس لیے کھُجلاتے ہیں میرے تلوے
جوش وحشت نہ دکھائے مجھے صحرا کوئی

جائے زنار تو ہے رشتۂ عشقِ بت شوخ
کھینچ دے لوح جبیں پر مرے قشقا کوئی

غیر کے دھوکے میں ہے مجھ سے مخاطب وہ شوخ
دیکھے آکر مری قسمت کا تماشا کوئی

سچ کہو میری قسم کس سے ہوا ہے وعدہ
ڈھونڈتے ہو جو چلے جانے کو حیلا کوئی

کچھ بھی تجھ میں اثرِ جذب جو ہوتا اے دل
مجھ کو رہ رہ کے نہ فرقت میں ستاتا کوئی

دامنِ صبر کرے چاک زلیخا کی طرح
میرے یوسف کا جو دیکھے کہیں جلوا کوئی

ہم بھی موسیٰ کی طرح سجدے میں گرتے غش سے
روئے انور کی تجلّی جو دکھاتا کوئی

دیکھ اے ضبط فغاں وقت مدد آپہنچا
بیٹھ کر دل میں مسلتا ہے یہ کلیجا کوئی

یوں تو کہنے کو ہیں دنیا میں ہزاروں لیکن
ہم نے معشوق ترے مثل نہ دیکھا کوئی

مجھ سے غمِ دوست کو کیا بادہ و ساغر سے غرض
بھر کے دے دردِ محبت کا پیالا کوئی

نامہ بر دیکھ کہیں رازِ محبت نہ کھلے
خط تو خط ہی ہے نہ پڑھ جائے لفافا کوئی

چھوڑ اے روح مرا جسمِ نزار اب نہ ستا
ڈھونڈ لے بہرِ خدا اور ٹھکانا کوئی

سُرمۂ چشم بنے خاکِ مدینہ اے قیسؔ
اور باقی نہیں اب دل میں تمنا کوئی

شوخی ہوئی کہ ناز ہوا یا حیا ہوئی
عاشق کے حق میں زہر تری ہر ادا ہوئی

بلبل جو حسنِ دوست تھی وہ تو جدا ہوئی
مشاطگی گلوں کی نصیبِ صبا ہوئی

نازل ہمیشہ کوئی نہ کوئی بلا ہوئی
یہ تم سے دل لگانے کی اچھی سزا ہوئی

جتنا جھکے ہم اُتنی ہی ہم پر جفا ہوئی
دشمن ہمارے حق ہماری وفا ہوئی

دیکھا جہاں وہاں تری حمد و ثنا ہوئی
وصفِ بتاں میں تیری صفت اے خدا ہوئی

عالم خرامِ ناز سے زیر و زبر ہوا
پاؤں کی ٹھوکروں سے قیامت بپا ہوئی

منہ پھیرو آنکھیں کھولو میں کرتا ہوں منتیں
روٹھے ہو کیوں کہو تو ذرا کیا خطا ہوئی

چھوتے ہی اُس کو میں جو بنا لقمۂ اجل
زلفِ سیاہ حق میں مرے اژدہا ہوئی

مدت کی آرزوؤں پر اے شوخ مہ لقا
بالفرض ایک بات مِری بھی تو کیا ہوئی

جب حد سے بڑھ کے جذبۂ دل میں اثر کیا
بولے کہ مستجاب یہ کس کی دعا ہوئی

برپا ہوا فرشتوں میں کیا شورِ الاماں
عرشِ بریں سے پار جو آہِ رسا ہوئی

گردش نے ابروؤں کی مجھے قتل کر دیا
جنبش بھوؤں کی جنبشِ تیغِ قضا ہوئی

ارمان سب نکلتے مگر ہائے کیا کروں
مانع شبِ وصال کسی کی حیا ہوئی

آنکھیں ملاتے ہی میں ندامت سے کٹ گیا
چشمک رقیب کی تری بگڑی ادا ہوئی

بول اُٹھے دیکھ کر مجھے غیروں کی شرم سے
اچھی نہیں جو بات کوئی برملا ہوئی

رخسار و زلف یار کی مدحت لکھا کروں
سرکارِ عشق سے یہی خدمت عطا ہوئی

قسمت تو دیکھیے سگِ جاناں کھڑا رہا
ہڈی ہماری مفت غذائے ہُما ہوئی

بے خضر راہ دیکھ لیا چشمۂ حیات
الفت بتوں کی میرے لیے رہنما ہوئی

غیروں سے کونسی مجھے نسبت ہے اے خدا
جو حسرت اُن کی نکلی مرا مدعا ہوئی

رخصت ہوا وہ شوخ جو صبحِ شبِ وصال
لحظہ بلحظہ غم کی مصیبت سوا ہوئی

بہتے ہیں مثلِ اشک پھپھولے جگر کے آج
آواز گریہ شیشۂ دل کی صدا ہوئی

محشر میں بھی اُسی بُتِ ظالم کا ساتھ ہو
خالق سے مرنے پر بھی یہی التجا ہوئی

اس راہ سے گیا ہے کوئی شہسوارِ حُسن
حیرت سے میری آنکھ جو یوں نقشِ پا ہوئی

غیروں کو ساتھ لے کے عیادت کو آئے ہو
یہ تو مریض عشق کی اچھی دوا ہوئی

اُس گل کے آتے ہی میں ہوا غش سے ہمکنار
پہلو سے جب اُٹھا تو مری چشم وا ہوئی

پُرساں شبِ فراق نہیں کوئی قیس کا
بیٹھی ہے شکل یار اجل بھی خفا ہوئی

بتان دہر کو اس میں جگہ ملا نہ کرے
سوائے حق کبھی دل میں کوئی رہا نہ کرے

ہزار حُسن ہوں انداز لاکھ ہوں لیکن
صنم صنم نہیں جب تک کے وہ جفا نہ کرے

پہن کے پاؤں میں خلخال وہ پری پیکر
چلا ہے سیر کو محشر کہیں بپا نہ کرے

شبِ فراق تو دشمن تھے حضرتِ ناصح
شبِ وصال اب اے شوخ تو دغا نہ کرے

کسی کے روئے منور کی روشنی دیکھے
تو رخ حیا سے اُدھر مہر پُرضیا نہ کرے

فراق یار میں حق سے دعا یہ رہتی ہے
بُرائی جو کرے اُس کا خدا بھلا نہ کرے

جو کچھ سمجھ ہو تو ان بے وفا حسینوں پر
ہزار جانیں ہوں تب بھی کوئی فدا نہ کرے

الٰہی درد محبت میں وہ اثر دیدے
کہ تیر آہ جو نکلے کبھی خطا نہ کرے

وفا کی رکھے کوئی اُس سے کس طرح اُمید
جو وعدے کر کے کبھی ایک بھی وفا نہ کرے

بیان حال کروں کس سے حکم ہے اُس کا
جفا و جور کا شکوا کوئی سُنا نہ کرے

مٹا دے ناصح مشفق نوشتۂ تقدیر
نہیں تو پند و نصیحت بھی مجھے کیا نہ کرے

نہ ہو چمن میں ذرا قدر گل کی اے بلبل
جو اُس کی زلف کی مشاطگی صبا نہ کرے

ادا کرے جو کوئی شخص عشق کا آداب
جفا و جور ہزاروں سہے گلا نہ کرے

ترے کمال کو کیا اے مسیح میں سمجھوں
مریض عشق کی جب تک کوئی دوا نہ کرے

تم اُس صنم کی محبت میں جان دیتے ہو
تمام عمر جو اے قیس اب وفا نہ کرے

جی قید محبت سے چھڑا بھی نہیں سکتے
بر ہم ہیں وہ اتنا کہ منا بھی نہیں سکتے

ہم پر جو گزرتی ہے سنا بھی نہیں سکتے
چاہیں جو چھپانا تو چھپا بھی نہیں سکتے

پیغام نہیں بھیجتے آ بھی نہیں سکتے
ملنے کی کوئی گھات بنا بھی نہیں سکتے

وہ خوش ہیں کہ سر جسم سے کر دینگے جدا ہم
ہم خوش ہیں کہ یہ بوجھ اُٹھا بھی نہیں سکتے

مقتل میں مجھے لائے تھے کیا ذبح کی خاطر
تلوار کے دو ہاتھ چلا بھی نہیں سکتے

مانا کہ نکلنے کی اجازت نہیں گھر سے
چوری سے کسی روز بُلا بھی نہیں سکتے

ناصح کو یہ ضد ہے کہ مری بات نہ جائے
بگڑی ہوئی تقدیر بنا بھی نہیں سکتے

سنتے ہی نہیں کچھ جو سنیں بھی تو کہوں کیا
وہ دل کی لگی آگ بجھا بھی نہیں سکتے

دل دیدیں مسلنے کو یہ ہمت نہیں پڑتی
اور اُن سے بچائیں تو بچا بھی نہیں سکتے

تا حشر اسی شکل سے دامن میں رہیں گے
یہ خون کے دھبےّ ہیں مٹا بھی نہیں سکتے

مانا کہ قیامت میں ذرا لب نہ ہلائیں
کیا تم کو اشاروں سے بتا بھی نہیں سکتے

دیں دل میں جگہ اوروں کو یہ ہو نہیں سکتا
ارمان ہیں اتنے کہ سما بھی نہیں سکتے

رکھتے تو ہو یہ دعویٔ اعجاز مسیحا
مر جائے جو عاشق تو جلا بھی نہیں سکتے

ہنس ہنس کے مکر جاتے ہو تم وصل کے وعدے
کہدو گے غلط یاد دلا بھی نہیں سکتے

کیونکر نہ چھپا رکھتے جگر سنگدلوں سے
شیشا کبھی پتھر سے لڑا بھی نہیں سکتے

ڈر ہے کہیں لوگوں میں وہ بدنام نہ ہو جائیں
اس واسطے سینے سے لگا بھی نہیں سکتے

روٹھے ہیں وہ ہم سے کہ محبت نہیں کرتی
دل چیر کے ہم داغ دکھا بھی نہیں سکتے

کیوں اُن کی نگاہوں میں حقیقت نہ ہو میری
مجھ سا کوئی جانباز وہ پا بھی نہیں سکتے

کاندھا نہ دیا میرے جنازے کو تو بہتر
اب قبر میں کیا مجھ کو لٹا بھی نہیں سکتے

شکووں سے بھرے بیٹھے ہیں ای قیس مگر ہم
ہیبت سے زبان اپنی ہلا بھی نہیں سکتے

سچ کہو اُن سے جو دل تم نے لگا رکھا ہے
کونسا عوروں میں اے شیخ مزا رکھا ہے

کیا رقیبوں نے نیا کوئی پڑھایا فقرا
آپ نے کیوں مجھے نظروں سے گرا رکھا ہے

چشم مخمور کی اُس بُت نے دکھا کر ڈوری
بادۂ عشق سے سرشار بنا رکھا ہے

رونمائی کے لیئے گوہر یکدانۂ دل
تیرے جانباز نے اے ماہ لقا رکھا ہے

رنجشِ غیر کے حیلے میں نہ کاٹو شب وصل
مدتوں تم نے مجھے بھی تو خفا رکھا ہے

جا کے گلشن سے خبر رشک پری کی لادے
تخت اس کا وہیں اے بادِ صبا رکھا ہے

اُس نے کیوں زلف گرہ گیر دکھائی مجھ کو
ہائے کس جال میں ظالم نے پھنسا رکھا ہے

بے سبب درپئے آزار نہیں ہے وہ شوخ
کوئی فقرا مرے دشمن نے جما رکھا ہے

دیکھ محشر میں کہیں چوک نہ جانا اے دل
ہمنے قاتل کا پتا تجھ کو بتا رکھا ہے

شاید اُس کی یہ غرض ہے نہ کروں خواہش وصل
مجھ کو افسانۂ مجنوں جو سُنا رکھا ہے

میں بھی انسان ہوں لب پر نہ کہیں آئی فغاں
کافروں نے نہ لیا عقل سے شاید کچھ کام
ایک شب وہ نہ ہوا زیب کنارِ عاشق
سنکے فریاد مری غیر سے جھنجھلا کے کہا
کیوں نہیں پھولے سماتے ہیں یہ کم ظرف رقیب
تیرے پازیب کی جھنکار نے مرقد میں ہمیں

تم نے اے یار عبث مجھ کو ستا رکھا ہے
کس طرح سنگ کو معبود بنا رکھا ہے
مدتوں سے غم فرقت میں رُلا رکھا ہے
دیکھو تو کس نے یہاں شور مچا رکھا ہے
مژدۂ وصل مگر تم نے سُنا رکھا ہے
خواب آرام سے اے یار جگا رکھا ہے

زردیِ چہرہ ہمیں دیتی ہے اے قیسؔ خبر
آپ نے دل کسی ظالم سے لگا رکھا ہے

مژدۂ فصل بہار آج کوئی لاتی ہے
تیری ہی یاد میں اے یار بہلجاتی ہے
غمزے کرتی ہے مجھے خوب ہی ترساتی ہے
شکل دلچسپ کوئی آنکھوں میں جب بھاتی ہے
ہائے یہ وصل میں رہ رہ کے کسی کا کہنا
دیکھ اے شوق نہ رہ جائے تمنا دل میں
مجھ کو ڈر ہے کمرِ یار کا اے زلف دراز
شمع تک روتی ہے مجھ زار پر آٹھ آٹھ آنسو
اُس کی یادِ دُرِ دنداں کی شرارت دیکھو

دیکھو اٹھلاتی ہوئی بادِ صبا آتی ہے
خلد میں بھی جو طبیعت مری گھبراتی ہے
نیند آنکھوں سے جدا ہجر میں اٹھلاتی ہے
حالت انسان کی دم بھر میں بدل جاتی ہے
صبح ہوتی ہے تری موت چلی آتی ہے
شرم ہی میں یہ شبِ وصل کٹی جاتی ہے
ایسی کیوں حد سی فزوں بڑھ کے تو بل کھاتی ہے
ذکر میرا تری مجلس میں جو سُن پاتی ہے
ہجر میں صورت الماس جگر کھاتی ہے

دل کی خواہش تو کہوں اُن سے شبِ وصل مگر
عرض مطلب میں طبیعت مری شرماتی ہے

ذکر ہوتا ہے حسینانِ جہاں کا جو کہیں
تیری تصویر مری آنکھوں میں پھر جاتی ہے

دست پُرشوق بڑھے وصل میں جب اُنکی طرف
بولے جھنجھلا کے تجھے شرم نہیں آتی ہے

برسوں رہتی ہے تزلزل میں ہماری تربت
پائے دلدار کی ٹھوکر جو کبھی کھاتی ہے

سیکڑوں صدمے سہے مُنہ سے کبھی آہ نہ کی
دل ہے فولاد تو پتھر کی مری چھاتی ہے

آ گئے ''امیدِ شبِ یاس۔ دمِ مرگ۔ مجھے
مژدۂ وصل صنم دے کے جِلا جاتی ہے

اس قدر قتل کی شادی نے سبکدوش کیا
زیر خنجر بھی مجھے نیند چلی آتی ہے

اُٹھ گئے تم مرے پہلو سے جو ای جانِ جہاں
جسم میں روح بھی رہتی نہیں گھبراتی ہے

ہے شبِ ہجر بھی اُس بُت کی جو خاطر منظور
عرش تک جا کے مری آہ پلٹ آتی ہے

ہو گیا بیخودیِ عشق سے میں خانہ خراب
دیکھوں کیا کیا تری الفت مجھے دکھلاتی ہے

عرض مطلب میں ذرا بھی نہیں کھلتی ہے زباں
رعب حسنِ رخ دلدار سے تھراتی ہے

یاد آ آ کے جدائی میں تمہاری الفت
قیسؔ کو خاک میں اے یار ملا جاتی ہے

اور ہیں جتنے حسیں ان کی ادا کچھ اور ہے
شانِ معشوقی تری اے دلربا کچھ اور ہے

بدگمانی کا بُرا ہو مدعا کچھ اور ہے
سمجھے ہیں وہ اور کچھ ہمنے کہا کچھ اور ہے

ہیں مسلّم جنۃ الفردوس کی شادابیاں
پھر بھی داغِ عشق کی نشوونما کچھ اور ہے

ایک تو خود ہی ستم تری جوانی کا اُبھار
جوبن اُس پر آج کل نامِ خدا کچھ اور ہے

لذتِ مے کی نہ کر تعریف میرے سامنے
نشۂ الفت میں اے ساقی مزا کچھ اور ہے

دیکھ کر احباب کہتے ہیں مجھے صحت نصیب
میں مریضِ عشق ہوں میری دعا کچھ اور ہے

حوروں پر مرمٹ کے زاہد کو ملی جنت تو کیا
کشتگانِ تیغ وحدت کا صِلا کچھ اور ہے

آفتیں ہونا تھیں جو جو کچھ وہ نازل ہو چکیں
یا ترے دل میں ابھی شوقِ جفا کچھ اور ہے

تھا بغل میں شیشہ لیکن محتسب کے خوف سے
پوچھنے پر مجھ کو یہ کہنا پڑا کچھ اور ہے

میں نے مانا میری بیتابی سے ہی افشاءِ راز
غور سے دیکھو تو بھید اسکے سوا کچھ اور ہے

زہر بھی شکر میں دیتا ہے وہ ظالم گھول کر
ہنسکے کہتا ہے کہ یہ طرزِ وفا کچھ اور ہے

گل کے پہلو میں کھنچے گی خار کی کیونکر شبیہ
اُس کی صورت موہنی نقشا مرا کچھ اور ہے

لوگ کہتے ہیں کہ ہو گا حشر میں دیدار عام
لیکن اے جانِ جہاں ہمنے سنا کچھ اور ہے

مردِ حق بیں کے لیئے دیر و حرم کی قید کیا
ہر جگہ ہے تو ہی تو تیرے سوا کچھ اور ہے

گردشِ قسمت سے میں رہتا ہوں ہر دم پائمال
اور سچ پوچھو تو میرا حوصلا کچھ اور ہے

جانبِ صحرا نہ لیچل مجھ کو اے جوشِ جنوں
کوچۂ سفاک کی آب و ہوا کچھ اور ہے

نیک و بد دونوں کی تاثیر ایک سی ہوتی نہیں
سایۂ بوم اور کچھ ظلِ ہما کچھ اور ہے

میرے مرنے پر نہ آیا فاتحہ کا بھی خیال
کہیئے اس سے بڑھ کے ظلم ناروا کچھ اور ہے

اے طبیبو دردِ دل کا تم سے کیا ہو گا علاج
دق نہیں یہ سل نہیں اِسکی دوا کچھ اور ہے

عیش و راحت کے عوض سہنا پڑے ہیں رنج و غم
تھی طلب کچھ اور ہی لیکن ملا کچھ اور ہے

اتنی ایذا سے مجھے تسکین کیوں ہونے لگی
تجھ سے اُمیدِ اے وفا ناآشنا کچھ اور ہے

عطر کا پھاہا سونگھانے سے نہ ہوگا فائدا
میری وجہِ بیخودی اے مہ لقا کچھ اور ہے

تنگ آ کر ان بتانِ سنگدل کے جور سے
یاالٰہی **قیس** کی اب التجا کچھ اور ہے

ساقی لگا دے مُنہ سے تو بوتل شراب کی
پیری میں رنگ لائیگی مستی شباب کی

بجلی گرا کے تم نگہِ پُرعتاب کی
کیا وجہ پوچھتے ہو مرے اضطراب کی

مجھ میں نہیں ہے تاب سوال وجواب کی
ہے آس آپ کے کرم بے حساب کی

اللہ ان کے پائے حنائی کا مرتبا
لیتی ہے جھک کے بوسے کرن آفتاب کی

پہنچے گی میری آہ کسی دن جو عرش تک
رہنے نہ دے گی سامنے چلمن حجاب کی

پوچھیں کسی سے کیا کہ اُمنگیں وہ کیا ہوئیں
تعبیر ہیں ہم آپ جوانی کے خواب کی

رو رو کے یوں تو سیکڑوں دریا بہا دیئے
عزت نہ کچھ ہوئی مری چشمِ پُرآب کی

مانیں تو کچھ کہوں وہ نہ مانیں تو کیا کہوں
عجز و نیاز ہی نے تو مٹی خراب کی

چونکا جو بخت خفتہ ہمارا تو دیکھنا
کھولیں گے ہم گرہ ترے بندِ نقاب کی

لاکھوں تھے صید ایک مجھی پر نظر پڑی
دیتا ہوں داد آپ کے اس انتخاب کی

درپردہ قتل کرتے ہیں سو سو ادا سے وہ
تصویر دیکھنے میں ہیں شرم و حجاب کی

شہرت ہے میرے نام کی دیوانگی کے ساتھ
خواہش ہے ٹائٹل کی نہ حسرت خطاب کی

سر کو ترے قدم سے اُٹھاتا میں کس طرح
مٹی مرے خمیر میں تھی بوتراب کی

انفاس چند پر یہ بشر کو غرور کیا
ہے ختم ایک جھونکے میں ہستی حباب کی

اُس رشکِ گل سے قیس کو صحبت اگر نہ تھی
آتی ہے کیوں پسینے میں خوشبو گلاب کی

نظر کی جب کدورت پونچھ کر آنکھوں سے کثرت کی
تجلی ہر طرف دیکھی شعاعِ نورِ وحدت کی

جلی جاتی ہی کشتِ آرزو مجھ مستِ الفت کی
جھڑی دو چار دن یارب لگا دے ابرِ رحمت کی

نہ پہنچی پر نہ پہنچی کشتیِ ادراک ساحل تک
بہت کچھ ہیں سنے کی ہی سیر دریائے حقیقت کی

غریقِ بحرِ عصیاں ہوں تو کیا کچھ غم نہیں مجھ کو
بندھی ہیں ساقیِ کوثر سے امیدیں شفاعت کی

گرے گر کر نہ سنبھلے ہو گئیں رسوائیاں کیا کیا
یہی تعبیر ہونا تھی ہمارے خوابِ غفلت کی

نہ دیکھی شکل عشرت ہاں خیال آتا ہی بھولا سا
سنی تھی ہمنے بھی کچھ دن کہانی عیش و راحت کی

پھٹا جب جی کسی سے اس سے پھر ملنا کہاں ممکن
نہیں اصلاح ہو سکتی ہے آزردہ طبیعت کی

مسافر کب ٹھہرتے ہیں ہوا جب نور کا تڑکا
سفیدی میرے بالوں کی خبر دیتی ہی رحلت کی

ہوا صحرا نوردی کی مرے سر میں سمائی ہے
خبر دستِ جنوں لینے کو ہی دامانِ عزلت کی

تری رحمت سے کیوں ناکام ہوں اے ساقیِ قاتل
ادھر بھی چار بوندیں آبِ شمشیرِ شہادت کی

نقابِ سُرخ میں وہ چہرۂ گلرنگ یاد آیا
شفق پھولی ہوئی دیکھی جو اپنی شامِ غربت کی

برس پڑتا ہے مجھ پر وہ ستمگر بے سبب اکثر
گھٹا چھائی ہوئی ہے میرے سر پر کیسی نکبت کی

مرے اعمالِ بد دُھل جائینگے آبِ ترحم سے
بہیں گی ندیاں آنکھوں سے جب اشکِ ندامت کی

کسی کے سامنے دستِ طلب ہمنے نہ پھیلایا
فقیری میں بھی سچ پوچھو تو گویا بادشاہت کی

کوئی حیوان کی صورت رہا زندا تو کیا حاصل
بشر کے واسطے لازم ہے خوبو آدمیت کی

بگولا بنکے میں اُڑتا پھرونگا کوے جاناں میں
دکھا دونگا فنا ہو کر بھی یوں تاثیر وحشت کی

اُٹھائے زحمتِ دنیا کوئی کس واسطے ناحق
بہت ہی مختصر ہے زندگانی جاہ و دولت کی

چڑھا رہتا ہے کیوں نشۂ مے عرفان و وحدت کا
کہو اے **قیس** کس پیرِ مغاں سے تم نے بیعت کی

رہے گی حشر میں بھی اک نئی شان اس جماعت کی
صفیں سب سے الگ ہوں گی اسیرانِ محبت کی

خبر دینے لگے مرغِ سحر خواں صبحِ آفت کی
سیاہی چھٹ گئی جب ظلمتِ شبہائے فرقت کی

مجھے تم قتل کر کے اب کہاں دفنانے جاؤگے
یہیں دیدو جگہ اپنی گلی میں ایک تربت کی

نزولِ آفتِ تازہ کی آخر انتہا بھی ہے
چڑھائی ایک مشتِ خاک پر اتنی مصیبت کی

ترا دستِ تعدی کیوں ابھی کوتاہ ہوتا ہے
ترقی دیکھنا ہے اے غمِ جاناں نحافت کی

بجائے گل ہماری قبر پر ڈھیلے برستے ہیں
الٰہی خیر کرنا عشق نے کیا ہی بُری گت کی

تصور میں بھی ہر دم جھٹکے دینا یوں نہیں اچھا
کلائی دیکھیے مڑ جائیگی دستِ نزاکت کی

لبوں کو دے کے جنبش رہ گیا میں رعب کے باعث
نہ نکلا صاف حرفِ مدعا ہر چند جرائت کی

خبردار اے دلِ مضطر کہیں جلدی نہ کر جانا
بڑی مشکل سے طے ہوتی ہی منزل عشق و الفت کی

زمینِ قبر سے بیتاب ہو ہو کر لپٹتا ہوں
پسِ مردن جو یاد آتی ہی لذت تیری صحبت کی

ہجومِ بیخودی میں بھی رہا پاسِ ادب مجھ کو
لیئے بوسے مگر پہلے طلب اُن سے اجازت کی

کوئی ذی حسن کیسا ہی نہ ہو میں دیکھ سکتا ہوں
کھنچی آنکھوں میں جب تصویر تیری پیاری صورت کی

حصولِ دولتِ دیدار کی امید کیونکر ہو
بھلا آئی ہوئی گھڑیاں ٹلیں گی میری شامت کی

گلے میں شرم سے اقرار کے الفاظ دبتے ہیں
مکرّر کہنے میں بھی شکل بنجاتی ہے لکنت کی

کسی کو ہم نے دیکھا تھا اُسی پر جان جاتی ہے
مگر یہ کہ نہیں سکتے ہیں کس نے ایسی حالت کی

مناسب ہے غم و رنج و الم کی بھیڑ چھٹ جاوے
ہے آمد دل میں اک جانِ حیا و نیک سیرت کی

تجھے اے شوق وصل اُنسے سنبھل کر چھیڑ کرنا تھی
بگڑ کر اُٹھ گیے پہلو سے ناحق تو نے عجلت کی

بچایا داغ ناکامی سے وقتِ واپسیں آکر
بڑا احسان ہے مجھ پر جو مرتے دم عیادت کی

کوئی اس طرح بھی افشاے رازِ عشق کرتا ہو
مرے پہلو میں رہ کر تو نے اے دل میری ذلت کی

تم ایسے بے وفا کو دل کسی صورت نہ دینا تھا
ہمیں چوکے جو یوں برباد ہمنے ایسی دولت کی

یہ غفلت تا کجا اے قیسؔ کچھ تجھ کو خبر بھی ہے
صدائیں ہر طرف سے آرہی ہیں کوس رحلت کی

یہ گت کی ٹھنڈی سانسوں نے مرے دلکی حرارت کی
قمر تصویر کامل بنگیا ہے داغ حسرت کی

جھکا کر گردنِ تسلیم برسوں میں نے طاعت کی
پھر اس پر بھی نہ سمجھو تم تو خوبی میری قسمت کی

حیا تھی مانعِ دیدار لیکن صبر کس کو تھا
نگاہِ شوق نے چھپ چھپ کے اُس گل کی زیارت کی

پھنکا جاتا ہوں سوزِ آتشِ غم کی فزونی سے
رکھو تم ہاتھ سینے پر کمی ہو کچھ حرارت کی

فضول انکار کیا کرتے ہو تم غم کی سمائی پر
درازی دیکھ لو آکر ہمارے دل کی وسعت کی

لیئے ہیں بوسۂ لب بیخودی سے عین غصے میں
پڑی ہی چاٹ مجھ کو بے طرح ذوقِ حلاوت کی

نگاہوں کو سرشکِ چشمِ تر سے ہم نے دھو دھو کر
مہینوں مصحفِ رخسار کی تیرے تلاوت کی

نہ دیکھی جائیں گی گستاخیاں زلفِ حسیناں سے
ذرا رہنے دے اے بادِ صبا باتیں شرارت کی

کسی نے کچھ کہا تم سے نہ خود میری خطا دیکھی
پھر اے جانِ جہاں کیا وجہ ٹھہری مجھ سے نفرت کی

ترس کھانے لگے اغیار بھی شکلِ پریشاں پر
غمِ ہجرِ بتاں نے ہائے میری کیا بُری گت کی

لبِ شیریں و زلفِ یار کی الفت میں مرنے پر
خموش آباد میں فرہاد و مجنوں نے بھی عزت کی

مری جانبازیوں کو تم نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا
ادا سیکھی ہے کب سے یہ غرور و کبر و نخوت کی

خوشامد پر رقیبوں کی انھیں خوش ہوتے جب دیکھا
سپاسِ بے محل کی جھوٹوں جھوٹوں میں نے عادت کی

عدم کی راہ لی ہے ایک رشکِ حور کے غم میں
کھُلیں گی کھڑکیاں میرے لیے گلزارِ جنت کی

سوالِ وصل پر مجھ کو کبھی بُتّے بتاتے ہیں
کبھی کہتے ہیں لیں گے فصد ہم حضرت سلامت کی

عبث عشاق کے مجمع سے تم حیران پھرتے ہو
مرے دل میں چلے آؤ جگہ خالی ہے خلوت کی

نہ چھوڑی اُس ستمگر نے لگاوٹ میرے دشمن سے
ہزاروں التجائیں کیں کروروں بار منت کی

گھسے تھے جسکے سلجھانے میں میری فکر کے ناخن
نکالی پھر وہی اُلجھی ہوئی تقریر حجت کی

نہ آیا ایکدن بھی یہ دلِ شوریدہ قابو میں
ہمیشہ چوٹ ہی کھاتا رہا سنگِ ملامت کی

میں گو نا آشنائے فن ہوں لیکن پھر بھی کہتا ہوں
نظر درکار ہے میری غزل کو اہلِ خبرت کی

کہاں جہال بے مایہ کہاں **قیس** سخن آرا
عدوِّ بے زباں لیتے ہیں کیا ہم سی مشیخت کی

یہ تو مانا مجھ کو ضبطِ رنج فرقت چاہیئے
کچھ تمھارے دل میں بھی پاسِ مروت چاہیئے

بارِ غم سر پر اُٹھا لینے کو جرأت چاہیئے
دل مرا سا چاہیئے میری سی ہمت چاہیئے

کشتۂ تیغِ ادا کیا خون کا دعویٰ کرے
جرم پوشیدہ نہیں لیکن شہادت چاہیئے

اور کچھ سامان عشرت ہو میسر یا نہ ہو
جی بہلنے کے لیے ایک اچھی صورت چاہیے

درد بھی دل میں اگر اُٹھے تو کچھ لذت کے ساتھ
جس مصیبت میں مزا ہو وہ مصیبت چاہیے

فصد لیلیٰ کی ہوئی تھی خون مجنوں کا بہا
محویت سے عاشقی میں ایسی وحدت چاہیے

تجھ کو اپنی گرم بازاری اگر منظور ہے
یار کی چالیں اُڑانا اے قیامت چاہیے

قید تنہائی ہو جس میں ایسی جنت کو سلام
چاہیے دوزخ ہی نہ کیوں ہو تیری صحبت چاہیے

مرگیا ہوں میں کسی کے انتظارِ دید میں
نرگسی چادر کوئی بالائے تربت چاہیے

ہے جگہ تنگ اتنے غم کی ہو سمائی کس طرح
دامنِ محشر سے بڑھ کر دل کی وسعت چاہیے

مر مٹے پھر بھی، ہجومِ نامرادی ساتھ ہے
عاشقوں کو اور کیا اب شان و شوکت چاہیے

خانۂ ویراں ہیں وہ جن میں نہیں جلتے چراغ
دل کی آبادی کو دل میں داغ الفت چاہیے

وصل کا ارماں اٹھا رکھوں میں کیونکر حشر پر
صبر ہی اول تو کم پھر ایک مدت چاہیے

مال چوکھا ہے اگر تو گاہکوں کی کیا کمی
قدر داں لاکھوں ملینگے دل سلامت چاہیے

اتنی بھی افسردگی اے قلیسؔ کچھ اچھی نہیں
چلتی پھرتی منچلوں کی سی طبیعت چاہیے

مرنے پر آئے گی جب یاد رفاقت میری
چٹکیاں لے گی ترے دل میں محبت میری

دشمنوں کی بھی نہ ہو جیسی ہے قسمت میری
کام آئی کوئی منت نہ سماجت میری

بڑھتی ہی جاتی ہے رہ رہ کے مصیبت میری
اے اجل دوڑ خبر لے شب فرقت میری

دونوں کو دونوں ہی کھو رہی محرومِ وصال
تمکنت اُن کی اُنھیں مجھ کو یہ حسرت میری

اپنی توبہ کی حقیقت مجھے معلوم ہے سب — آنکھ پڑتے ہی بدل جائے گی نیت میری

گردشِ دورِ فلک سے نہ ڈروں میں کیونکر — اس کی چالیں ہیں مرے حق میں قیامت میری

سربکف دیکھ کے مقتل میں شہیدانِ وفا — مرحبا کہکے بڑھا دیتے ہیں ہمت میری

یہ نئی طرز کی ہے داد مرے شعروں کی — کہتے ہیں سُن کے ہوا ان میں بھی نزاکت میری

میرے ہی سر جو بلائیں ہیں چلی آتی ہیں — آسمانوں میں بھی قسمت سے ہے شہرت میری

قتل کرکے مجھے بے وجہ پشیماں ہے کیوں — تیرے ہی ہاتھوں سے لکھی تھی شہادت میری

کیا یہی شرطِ وفا ہے جو عدو کے آگے — آپ بیٹھے ہوئے کہتے ہیں شکایت میری

بس کر اے پیرِ فلک اس قدر آنسو نہ بہا — بیٹھی جاتی ہے ترے رونے سے تربت میری

وصل میں بھی یہ ستم ہے کہ صفائی نہ ہوئی — بن گئی سینے میں دیوار کدورت میری

ہوش کے ساتھ حسینوں سے مجھے ملنا تھا — چھن گیا دل ہی ذرا دیکھیے غفلت میری

تم تو کہتے تھے کہ ہرگز کوئی آزار نہیں — ہاتھ کیوں ملنے لگے دیکھ کے حالت میری

سر جھکانا ہی پڑے گا تمہیں نادم ہوکر — منکشف ہو گی کسی دن جو حقیقت میری

یہ سمجھکر کہ خدا سے یہ کرے گا فریاد — دیکھ کر ڈرنے لگے حشر میں صورت میری

تیرے پہلو میں سرِ بزم عدو کو دیکھوں — کس طرح اِس کو روا رکھے گی غیرت میری

اے خدا فاش نہ ہو پردہ سیہ کاری کا — مجمعِ حشر میں رکھ لیجیے عزت میری

کعبۂ دل جسے کہتے ہیں خدا کا گھر ہے — تم پر اس پردے میں واجب ہے زیارت میری

لاکھ چاہا کہ میں اربابِ سخن میں نہ کھُلوں — رو کے رکتی نہیں اے قیس طبیعت میری

فتنۂ حشر مرے حق میں محبت ہوگی
تم سلامت ہو تو ہر روز قیامت ہوگی

وجہ تسکین دلِ زار عیادت ہوگی
مرے دم مجھ پر اگر چشم عنایت ہوگی

ہوں سرتا بقدم غرق محبت جس کا
کب میسر مجھے اُس گل کی زیارت ہوگی

تم نے آتے ہی نکالے ہیں عدو کے جھگڑے
خاک اِن باتوں سے خوش میری طبیعت ہوگی

دل لگانے کے مزے خوب اُٹھائے ہم نے
زندہ ہیں تو نہ پھر اس کی کبھی جرأت ہوگی

وصل کی رات ہے للہ اٹھا دو گھونگٹ
دل کے ارمان نہ نکلیں گے تو حسرت ہوگی

حشر کے دن بھی مجھے لب نہ ہلانے دو گے
منتوں سے یہ کہو گے کہ خجالت ہوگی

یونہیں غیروں سے رہے گی جو لگاوٹ ہر دم
دفع کس طرح مرے دل سے کدورت ہوگی

شکل ہی سے مری تم حال مرا پوچھ نہ لو
اپنے منہ سے میں کہونگا تو شکایت ہوگی

مجھ سے جب گوشۂ عزلت میں نہیں ملتے ہو
مجمعِ غیر میں کیا ملنے کی صورت ہوگی

میرے آگے نہ کرو وامق و فرہاد کا ذکر
ایسی عزت اُنھیں ہوگی نہ یہ حرمت ہوگی

میں نے پوچھا کوئی محبوب وفادار بھی ہے
ہنسکے بولے کہ اجی موم کی مورت ہوگی

جان پر کھیل کے میں ہی نے بلائیں لے لیں
بُزدلے غیر میں کاہیکو یہ ہمت ہوگی

بے خبر شوخ حسینوں میں نہ بیٹھے کوئی
دل ہی چپکے سے اُڑا لیں گے جو غفلت ہوگی

اُن کو ضد ہے کہ تجھے ذبح کرونگا اے قیس
مجھ کو ڈر ہے کہ چھُری بار نزاکت ہوگی

وصل میں بھی جو یہ شرم اور یہ غیرت ہوگی
قہر سا قہر مصیبت سی مصیبت ہوگی

جی بہلنے کی مرے کونسی صورت ہوگی
تو ہی جب مونس غم اے شب فرقت ہوگی

ٹھوکروں سے جسے بے نام ونشاں کرتی ہیں
وہ کسی عاشق جانباز کی تربت ہوگی

جو نہ ثابت رہے دم بھر وہ مری توبہ ہے
بدلے جو لحظہ بلحظہ مری نیت ہوگی

کھینچکر ہاتھ میں تلوار ڈراتے ہو کسے
ہم تو خوش ہیں کہ نصیب آج شہادت ہوگی

کس طرح ہجر کی گھڑیوں کو گزارا ہم نے
گوش دل سے تم اگر سُن لو تو حیرت ہوگی

جس نے لاکر ہمیں گرداب بلا میں ڈالا
گردشِ چشم فسونگر کی شرارت ہوگی

تالبِ گور جو پہنچائیں گے کاندھا دیکر
آپ کی ذرہ نوازی مری عزت ہوگی

جاں نثاری مجھے بخشے گی حیات جاوید
سارے عالم میں یہی باعث شہرت ہوگی

لااُبالی ہے مرے پیر خرابات کی ذات
رحم پر آئی تو رندی بھی عبادت ہوگی

قتل کرکے مجھے دشمن سے بگڑ جائینگے
میرے سر آئی ہوئی غیر کی شامت ہوگی

تم تو جاتے ہو مجھے جھوٹی تسلّی دیکر
میں سمجھتا ہوں جدائی میں جو حالت ہوگی

بزم اغیار میں چھپ چھپ کے تمھیں گھورونگا
عین جلوت ہی میں حاصل مجھے خلوت ہوگی

یاس کہتی ہے کہ ہے غم سے رہائی دشوار
آس کہتی ہے نصیب اب تجھے راحت ہوگی

بر سرِ اوج رہے جو وہ عدو کی تقدیر
جو بگڑ کر نہ بنے قیس کی قسمت ہوگی

دے کے دل میری کیا بُری گت ہے
جس طرح یار کی نزاکت ہے

ہر گھڑی نازل ایک آفت ہے
روز افزوں مری نحافت ہے

خوب ہی ثمرۂ محبت ہے
جا بجا میری اُن کی شہرت ہے

دل لگانا ستم شعاروں سے
قہر۔ آفت ۔ بلا مصیبت ہے

نالے ہونٹوں پر آنکھ میں آنسو
تیرے بیمار کی یہ حالت ہے

ہو کے بیتاب غل مچاتے ہیں
درد جانکاہ رنج فرقت ہے

کیوں ہماری خبر نہیں لیتے
کیا یہی مقتضائے الفت ہے

بیٹھے ہو تم تو ہیں بھی زندہ ہوں
تم ہٹے میری جان رخصت ہے

عمر بھر مبتلائے غم رہنا
عاشقی میں یہ عین راحت ہے

دلبری کیا ہے کچھ نہیں معلوم
خود ہی وہ شوخ محو حیرت ہے

بھول ہی کر سہی تم آئے تو
اوج پر آج میری قسمت ہے

خواہشِ مرگ سُن کے کہتے ہیں
اتنی سی جان پر یہ ہمت ہے

وجہ افسردگی بتاؤں کیا
حضرتِ عشق کی عنایت ہے

اب سنبھلتی نظر نہیں آتی
بے طرح مضمحل طبیعت ہے

مرمٹو ننگا میں نیک نامی سے
سرفروشی دلیل عزت ہے

پوچھتے کیا ہو خیریت میری
گل کے کانٹا ہوا یہ صورت ہے

ہاتھ اٹھا کر ذرا دعا کر لو
کشتۂ بے گنہ کی تربت ہے

باتیں کرتے نہیں صفائی کی
میری جانب سے کیوں کدورت ہے

تم پر اے جان لاکھ دل قرباں
ایک دل کی کوئی حقیقت ہے

اے جفا جو ترا گِلا کیسا
یہ نصیبوں کی سب شکایت ہے

جس کو دیکھا پھسل پڑا ظالم
قیسؔ کی بھی عجیب نیت ہے

خدا سے ڈر تو اے ظالم یہ کیا بیداد کرتا ہے
کہ رہ کر میرے ہی دل میں مجھے برباد کرتا ہے

عدو کی پٹیاں ہیں کون کس کو یاد کرتا ہے
اسی پردے میں وہ لاکھوں ستم ایجاد کرتا ہے

ہمارے قتل کرنے کا سمجھ کر حکم دینا تھا
گراں جانی کے شکوے بازوِ جلاد کرتا ہے

بہارِ موسمِ گل ہے چمن کی سیر چھوٹے گی
قفس میں بند کیوں مجھ کو تو اے صیاد کرتا ہے

لہو کا ایک قطرا بھی نہیں ہے جسم لاغر میں
مجھے شرمندۂ نشتر عبث فصّاد کرتا ہے

وہ سنکر میرے نالے یوں تنک کر غیر سے بولے
ذرا پوچھو تو یہ کمبخت کیوں فریاد کرتا ہے

عدم میں بھی نہ نکلی شکل کچھ آرام کرنے کی
اِدھر نالاں ہے مجنوں شور اُدھر فرہاد کرتا ہے

سرِ مقتل تمھاری تیغ کی جھنکار سُن سُنکر
اَدا زخمِ جگر رسمِ مبارکباد کرتا ہے

ہزاروں مخمصوں کے ساتھ ساتھ اتنی رضا جوئی
فرشتوں سے نہ ہو جو کام آدم زاد کرتا ہے

نکل کر دل سے عاشق نے جگہ لی تیری آنکھوں میں
صنم خانا چھُٹا اب میکدا آباد کرتا ہے

ترے کوچے میں رہ کر پہلے طرزِ جور سیکھے تو
ابھی سے حوصلا کیا چرخ بے بنیاد کرتا ہے

جو محرومِ ازل ہو عشق سے کہئے وہ کیا جانے
کہ قیدِ غم سے کون انسان کو آزاد کرتا ہے

نہ یوں جوشِ جنوں میں بیڑیاں ہر دم پہنواؤ
چھُری کا کام مجھ پر طعنۂ حدّاد کرتا ہے

حیاتِ جاودانی کی جھلک آنکھوں میں آتی ہی
مرے سر پر جو سایا خنجرِ فولاد کرتا ہے

تعجب ہے کہ تم پر میں تو مرمٹنے کو حاضر ہوں
تمھیں افسردہ پاسِ خاطرِ ناشاد کرتا ہے

یہاں تو سیکڑوں تھے بھرنے والے دم محبت کے
کوئی جا کر عدم میں بھی کسی کو یاد کرتا ہے

ہوا ہے بعد مدت اب مجھے یہ مرتبا حاصل
کہ پیدا شعر لطفِ بندشِ استاد کرتا ہے

وہ یوں محشر میں مجھ کو دھمکیاں دیدیکے کہتے ہیں
ذرا دیکھیں تو کیونکر تو یہاں فریاد کرتا ہے

سنیں گے ہائے کیونکر نغمہ سنجی ہمصفیروں کی
اسیر کنج تنہائی ہمیں صیاد کرتا ہے

نکالو دل سے جلد اے قلیس تم الفت حسینوں کی
خدا کا گھر بتوں سے بھی کوئی آباد کرتا ہے

فصل گل کی آمد آمد مژدۂ بیداد ہے
بچھ رہے ہیں جال بیٹھا گھات میں صیاد ہے

آہ وزاری ہے نہ شورِ نالہ و فریاد ہے
کوچۂ سفاک ان روزوں خموش آباد ہے

اسقدر راحت فزا دل میں کسی کی یاد ہے
طعنۂ احباب بھی شورِ مبارکباد ہے

اُن سے مجھ کو پوچھ دیکھو کون یہ ناشاد ہے
ہنسکے کہدینگے کہ یہ اک خانماں برباد ہے

فکر مشقِ ناز ہے یا خواہشِ بیداد ہے
یہ نہیں معلوم کیوں خنجر بکف جلاد ہے

پھر کسی کے تیر مژگاں نوک کی لینے لگے
تشنۂ خونِ جگر پھر نشترِ فصّاد ہے

درد فرقت ہے کبھی دل میں کبھی غم کا ہجوم
گھر ترا ویران ہونے پر بھی یوں آباد ہے

جس گلے پر مدتوں بارِ محبت جبر تھا
طوقِ آہن میں وہ اب منت کشِ حداد ہے

غیر کی الفت کا دم بھر کر جلاتا ہے مجھے
اُس ستم ایجاد کا سب سے الگ ایجاد ہے

تیرے آنیکے بھروسے پر تو میں زندا رہا
تو نے کیا وعدا کیا تھا کچھ تجھے بھی یاد ہے

داستانِ غم ہماری وہ نہیں تو کیا سنیں
قصۂ مجنوں نہ وہ افسانۂ فرہاد ہے

ہیں اصولِ عشق سے ناآشنائے محض ہوں
المدد اے شوقِ صادق یہ نئی افتاد ہے

سننے والوں کے جگر شق ہونگے روزِ حشر بھی
مجھ سیہ نامے کی وہ حسرت بھری روداد ہے

ضبط نالہ تا کجا اے پاس ننگ و آبرو
اب لبوں کو میرے شوقِ بوسۂ فریاد ہے

سنکے میری بیقراری ہنسکے کہتا ہے وہ شوخ
تیری باتیں میں سمجھتا ہوں بڑا استاد ہے

طایرِ جاں میرے جسمِ زار سے ہو کر جدا
صورتِ رنگِ پریدہ آشیاں برباد ہے

راستیِ قامتِ موزوں دکھانے کے لیے
عازمِ سیرِ چمن وہ غیرتِ شمشاد ہے

دل ہی قابو میں نہ ہو تو کہیئے کوئی کیا کرے
یوں تو اے ناصح بجا سب آپکا ارشاد ہے

تیری صورت پر ہے خود ہی تیرے صورت گر کو ناز
ہر عذارِ آتشیں پر دیکھ اک اک صاد ہے

چاہوں تو اے چرخ آہِ پُر شرر سے پھونکدوں
میرے آگے تجھ ستم پیشہ کی کیا بنیاد ہے

اُس سے کیونکر کھنچ سکے گی تیری تصویر اے پری
شکل ہی جب دیکھ کر حیرت زدہ بہزاد ہے

ایک ادا میں اُس کی کٹکر سیکڑوں سر گر گیئے
تیغ ابرو ہے کہ رشکِ خنجرِ فولاد ہے

سخت جاں میں اور زنگ آلودہ اُس قاتل کی تیغ
دیکھ اے شوقِ شہادت اب دمِ امداد ہے

چھوڑ کر تیری گلی جنت میں کیوں جانے لگا
کیا نصیب دشمناں کچھ قیس بھی آزاد ہے

شبِ ہجر رو رو کے ہم نے سحر کی
کہانی یہ ہے مختصر رات بھر کی

مری جانب اُس نے جو مڑ کر نظر کی
خبر لے لی تیرِ نگہ نے جگر کی

حسینوں نے سرمہ لگایا ہے جس کا
وہ ہے خاک شاید ترے سنگ در کی

رکھا بند قسمت نے بابِ اجابت
دعاؤں نے صورت نہ دیکھی اثر کی

لگے آتے ہی آپ زانو بدلنے
کشش ہوگئی دل میں پیدا کدھر کی

درازی شبِ درد و غم کی نہ پوچھو
یہ مشکل بُری طرح میں نے بسر کی

نہ ہے دل مرا سا کسی مدعی کا
نہ صورت تری سی کسی فتنہ گر کی

جوابِ خطِ شوق میں رات دن ہم
کھڑے راہ دیکھا کیئے نامہ بر کی

رہی وصل میں گفتگو ہم سے اُن سے
کبھی کچھ اِدھر کی کبھی کچھ اُدھر کی

پھنسانے کو دل اپنی زلفیں نہ کھولو
نکل جائے گی سب نزاکت کمر کی

ترے حسن کے عکس کی اک جھلک تھی
تجلی جو مشہور ہے طور پر کی

ابھی ساری دنیا ہو غرقابِ طوفاں
اگر میں لگا دوں جھڑی چشم تر کی

مرا دل ہی خود خضر راہِ وفا ہے
ضرورت نہیں عشق میں راہ بر کی

قیامت ہے من موہنی شکل و صورت
مرے شاہدِ حُسن رشکِ قمر کی

جسے رعد کہتا ہے سارا زمانا
کڑک ہے مرے نالۂ پُر شرر کی

اجل بھی مجھے ہائے لینے نہ آئی
کہ راس آتی فرقت میں نیت سفر کی

بنا دیتے ہم فرش پا اپنی آنکھیں
اگر پاتے قسمت تری رہگذر کی

ادھر بھی ذرا فاتحہ پڑھتے جانا
ہے تربت یہی تیرے شوریدہ سر کی

ہوا غم اُنھیں ترکِ مشقِ ستم کا
مرے مرنے کی جو کسی نے خبر کی

قضا رہ گئی میرے سر آتے آتے
بنی جا کے مہمان دشمن کے گھر کی
ترنگیں جوانی کی اے قیس کب تک
ڈھلی دھوپ گرمی گئی دوپہر کی

غیر پر ظلم تم اے رشک قمر کیا کرتے
میری جانب کو محبت کی نظر کیا کرتے

نالہ و آہ و فغاں کو ہے عداوت ہم سے
ہجر کی شب ترے دل میں وہ اثر کیا کرتے

تھے تلاشِ دہنِ تنگ کے اوصاف میں محو
ایسی حالت میں بھلا فکر کمر کیا کرتے

جا گزیں تھا دل جاناں میں خیالِ اغیار
وہ توجہ کی نظر کہئے اِدھر کیا کرتے

زاہدِ خشک کو کیا بادہ و ساغر کی خبر
سوئے میخانہ تم اے شیخ نظر کیا کرتے

غیر کے دل میں کھٹک ہوتی کہاں سے ظاہر
زخم پتھر میں ترے تیر نظر کیا کرتے

تیری الفت سے ہیں مجبور نہیں تو اے گل
دام صیاد میں ہم عمر بسر کیا کرتے

مانعِ دشت نوردی نہ ہوئی تیغ جہاں
نشترِ خار سے ہم خوف و خطر کیا کرتے

لذتِ دردِ محبت میں تھے محوِ خندہ
فکر مرہم کی مرے زخم جگر کیا کرتے

آب اشکِ جگر گرم سے جب سینچا ہے
نخل الفت سے ہم امید ثمر کیا کرتے

سرخ روئی اُنھیں حاصل تھی برنگِ فرہاد
عاشق زار ترے چھوڑ کے سر کیا کرتے

خوف یہ تھا کہ نہ دکھ جائے ترا نازک دل
میرے مرنے کی تجھے غیر خبر کیا کرتے

بے ہنر رکھتے ہیں جب دہر میں دعوئ کمال
گوشہ گیری کے سوا اہل ہنر کیا کرتے

حضرتِ عشق کی یہ سب ہے عنایت ہم پر
ورنہ یوں رنج میں ہم عمر بسر کیا کرتے

سرخیِ لب سے غضب قہر ہی دانتوں کی چمک
ہمسری ان سے تم اے لعل و گہر کیا کرتے

آتشِ ہجر بجھاتا نہیں طوفانِ سرشک
اشک آنکھوں سے رواں دیدۂ تر کیا کرتے

جامۂ صبر جب اے قیس پہن کر بیٹھے
دشت و کہسار میں پھر سیر و سفر کیا کرتے

تیغِ نگہ سے تیری خوف و خطر نہیں ہے
حاشا ذرا بھی مجھ کو پروائے سر نہیں ہے

میری بغل میں جب سے وہ سیمبر نہیں ہے
کچھ اختیار دل پر اے چارہ گر نہیں ہے

میری طرف تمھاری اب وہ نظر نہیں ہے
اگلی سی چشمِ الفت کچھ بھی اِدھر نہیں ہے

فکرِ علاج مجھ کو اے چارہ گر نہیں ہے
صحّت پذیر میرا دردِ جگر نہیں ہے

عیشِ دو روزہ مجھ کو مدِّ نظر نہیں ہے
فکرِ حصولِ دنیا کارِ بشر نہیں ہے

اے دوستو نہ پوچھو حالِ تباہ میرا
میں کون ہوں کہاں ہوں کچھ بھی خبر نہیں ہے

اشکوں سے سینچوں کیونکر میں کشتِ آرزو کو
اس فایدے کے قابل آبِ گُہر نہیں ہے

دنیا میں جو شجر ہیں سب پھلتے پھولتے ہیں
اِک نخلِ آرزو میں پیدا ثمر نہیں ہے

ب میری آہ تھک کر جاتی ہے لامکاں کو
باقی زمین پر کچھ نامِ اثر نہیں ہے

غیر ... کے شعبدوں نے پھیر اتھارے دل کو
حالِ فرار
یا میری حالتوں کی تم کو خبر نہیں ہے

غیروں کا نقش ... اس کو کس طرح خط میں لکھوں
قابو ذرا بھی دل پر اے نامہ بر نہیں ہے

رازِ نہفتہ میرا کیو ... دم میں مٹا ہی دیتا
میرا بتوں کے دل میں افسوس گھر نہیں ہے

... یائے چھپتا
تیرا دہن نہیں ہے تیری کمر نہیں ہے

اوروں کی غم کی راتیں باتوں میں کٹتے دیکھیں
میری شبِ الم کی شاید سحر نہیں ہے

ارض و سما تو کیا ہیں عرشِ بریں ہلا دوں
آہوں سے میری کیا کیا زیر و زبر نہیں ہے

کنجِ قفس میں ناحق کرتا ہے قید مجھ کو
اڑنے کی تاب سُن اے بیداد گر نہیں ہے

جورِ صنم کا شکوا جا کر کروں میں کس سے
سب ہیں اسی کی جانب کوئی اِدھر نہیں ہے

دنیا کی خواہشوں نے قیدِ ہوس میں ڈالا
آؤں الٰہی کیونکر زادِ سفر نہیں ہے

عشرت کدا بنا ہے ماتم کدے کی صورت
جب سے ہمارے گھر وہ رشکِ قمر نہیں ہے

ہوتی ہے میرے دل کو کیوں بار بار اُلجھن
زلفِ بتاں کا سودا مجھ کو اگر نہیں ہے

تم کو گلے لگائیں سب عید کے بہانے
میں کچھ بڑھوں تو کہدو تیرا گزر نہیں ہے

اس شوخ مہ جبیں کو دیکھیں نظر جما کر
جن و بشر تو کیا ہیں تابِ قمر نہیں ہے

اُن سے کسی نے جا کر میرا جو حال پوچھا
تیوری چڑھا کے بولے مجھکو خبر نہیں ہے

نالوں کو بیخودی میں روکوں میں ہائے روکوں
قابو میں دل نہیں ہے اتنا جگر نہیں ہے

قیدیِ زلف ہے دل کس طرح اس سے نکلوں
شکلِ خلاص یا رب پیشِ نظر نہیں ہے

حور و پری کو دیتا دل میں مقام کیونکر
تیرے سوا کسی کا اس میں گزر نہیں ہے

میرا رقیب تجھ پر کیا اپنی جان دے گا
اُس کا یہ دل نہیں ہے اس کا جگر نہیں ہے

اس دہرِ پُر فتن میں کچھ باعثِ تفاخر
حق پوچھیے تو مجھ کو اپنا ہنر نہیں ہے

بزمِ بتاں سے اُٹھ کر اے قیس لاکھ ڈھونڈا
سب چیزیں ہم نے پائیں اک دل مگر نہیں ہے

نظر سے کس کو گراتے ہو عمر بھر کے لیئے
یہی جگر ہے کہ روتے تھے جس جگر کے لیئے

زمانے بھر میں ہے پھل پھول ہر شجر کے لیئے
نہیں ہے شاخ تمنا گل و ثمر کے لیئے

نہ پوچھو ہم سے مصیبت شبِ جدائی کی
دعائیں کرتے رہے رات بھر سحر کے لیئے

فقیر بنکے ہم آئے ہیں در پر اے ساقی
نہ بچی کھچی ہمیں دیدے نظر گزر کے لیئے

ہمیشہ غیر کے گھر بن سنور کے جاتے ہو
کبھی اِدھر بھی چلے آؤ دوپہر کے لیئے

نگاہ کر کے نہ آنکھیں تجھے چرانا تھیں
یہ کیا ستم ہے ترستے ہیں اک نظر کے لیئے

چھپا کے راز محبت عجیب کام کیا
پتے تمام اُنھیں سے اِدھر اُدھر کے لیئے

نہ پاس وضع رہا کچھ نہ آبرو کا خیال
خوشی میں ہم نے قدم آج نامہ بر کے لیئے

کہیں درازیِ گیسو سے بل نہ کھا جائے
دھڑک رہا ہے کلیجا تری کمر کے لیئے

ہے دُور فصل بہار اور ابھی سے اے صیّاد
یہ اہتمام قفس ایک مشت پر کے لیئے

ہمارے حال سے آگاہ کوئی ہو نہ سکا
تڑپ کے رہ گیے معشوق بے خبر کے لیئے

مجھے ہے خوف یہاں تک ترے بگڑنے کا
کہ نقش پا کے بھی بوسے لیے تو ڈر کے لیئے

ابھی تو شام ہوئی ہے جمائیاں کیسی
بہانے ڈھونڈ رہے ہو یہ درد سر کے لیئے

ہزار حیف کہ سامان زاد راہ نہیں
کمر کسے ہوئے طیار ہوں سفر کے لیئے

وہ رات کہنے لگے سُنکے قیس کی فریاد
ابھی دعائیں کرے آہ میں اثر کے لیئے

پہلو میں نہیں ہے جو وہ دلبر کیٔ دن سے
بے جان پڑا ہوں سر بستر کیٔ دن سے

بگڑے ہوئے اُس شوخ کے تیور کیئی دن سے
مجھ پر ہیں سنبھالے ہوئے خنجر کیئی دن سے

کس خانہ بر انداز نے یہ آگ لگائی
بے وجہ وہ ہم سے ہیں مکدر کیئی دن سے

معلوم نہیں بیٹھے ہیں وہ سوگ میں کسکے
بکھرائے ہوئے زلف معنبر کیئی دن سے

کیونکر روشِ ضبط فغاں اِسکو سکھاؤں
قابو میں نہیں ہے دل مضطر کیئی دن سے

اس ضد میں کہ ارمان نہ پورا ہو کسی کا
وہ گھر سے نکلتے نہیں باہر کیئی دن سے

کس طرح مٹیں گی خلشیں نوک مژہ کی
ڈوبے ہیں رگ و پے میں یہ نشتر کیئی دن سے

آیا ہوں گر یاد حسینان جہاں کو
ہے قبر پر اک شورش محشر کیئی دن سے

للہ ذرا جلوۂ رخسار دکھادو
ہنگامۂ عشاق ہے در پر کیئی دن سے

قینچی کی طرح شاخ تمنا کو نہ کترے
چلتی ہے زباں آپکی فر فر کیئی دن سے

کیا ہے کہ اِدھر چشم عنایت نہیں ہوتی
کیوں بھر کے پلاتے نہیں ساغر کیئی دن سے

دیکھے سر تربت کوئی سرمایۂ سودا
پھولوں کے عوض جمع ہیں پتھر کیئی دن سے

اُس گل کو منا لینے کی صورت نہیں بنتی
برگشتہ ہے بے طرح مقدر کیئی دن سے

الفت کی بدولت ہوئے دونوں ہی پریشاں
ہے ذکر مرا آپ کا گھر گھر کیئی دن سے

اے قیس لبوں تک ستم یار کے شکوے
آ آ کے پلٹ جاتے ہیں اکثر کیئی دن سے

کچھ غرض رکھتے نہیں ہم جامۂ زرتار سے
ڈھانک لیتے ہیں بدن کو زخم دامندار سے

دل لگایا میں نے ناحق اُس بُتِ عیار سے
ناک میں دم آگیا ہر روز کی تکرار سے

مار ڈالا تم نے مجھ کو ابروِ خمدار سے
ملک دل ہی لے لیا اس خنجرِ خونخوار سے

میں چلا جب سوئے مقتل کوچۂ دلدار سے
شورِ ماتم ہو گیا برپا در و دیوار سے

گھل کے لاغر ہو گیا ہوں میں زیادہ خار سے
بار الفت دیکھیے کیونکر اُٹھے مجھ زار سے

سرد مہری عاشقوں سے اسقدر اچھی نہیں
التہابِ دل بجھا دو شربتِ دیدار سے

کٹ مرے لاکھوں مگر اسپر بھی یہ اندھیر ہے
خون کا لپکا نہیں جاتا تری تلوار سے

کیوں نہ کھلتا مجھ پر اے ظالم فریبِ دوستی
رنگ تھا انکار کا ظاہر ترے اقرار سے

اُس میں ہے نورِ دو ہفتہ اس میں نورِ دائمی
ماہ تاباں کیا مقابل ہو ترے رخسار سے

خط میں حالِ سوزِ دل اُس شعلہ رو کو لکھ کے میں
چاہتا ہوں اب رسالت مرغِ آتشخوار سے

اب بتانِ سنگدل بھی سنکے غش کھانے لگے
چھیڑ سیکھی ہے مرے نالوں نے موسیقار سے

لذتِ دیدار جاناں ہم سے پوچھا چاہیئے
دیکھتے ہیں اُن کو ہم کس شان سے کس پیار سے

زاہدانِ ظاہری پر کیا کھلیں میرے رموز
محو سرِّ لم یزل واقف نہیں اسرار سے

ہم گئے تھے صرف بہرِ سیر اے یوسف مگر
لے کے آئے عشق کا سودا ترے بازار سے

میکدے میں شیخ کو رندوں نے چھیڑا ہی ضرور
مُنہ بنائے وہ چلے آتے ہیں کچھ بیزار سے

قمریاں اُس پر فدا ہیں اسپر اک عالم تباہ
سرو کو نسبت نہیں ہے کچھ بھی قدِ یار سے

آتشِ الفت سے میں اندر ہی اندر پھنک گیا
دیکھو اُٹھتا ہے دھواں سا میرے جسمِ زار سے

آؤں رونے پر جو اُس شیریں ادا کی یاد میں
خون کی ندی بہا دوں چشم دریا بار سے

بے حجابانا جو بیٹھا ہے وہ چلمن چھوڑ کر
نور چھن چھن کر نکلتا ہے درِ دلدار سے

پھونک ڈالا کس گلِ تر کی محبت نے تجھے — شعلے کیوں اڑتے ہیں اے بلبل ترے منقار سے

اور پڑھ دے اک غزل اے قیس ہم کہتے ہیں صاف
رونق اب بزمِ سخن کو ہے تو ہے ترے اشعار سے

جب کہ میں ہونے لگا تھا قتل دستِ یار سے — تھا مبارکباد کا غل تیغ کی جھنکار سے
ہاتھ اُٹھا اے چارہ گر تو کوششِ بیکار سے — زخم دل اچھا نہ ہوگا مرہمِ زنگار سے
چھپکے بیٹھو گے کہاں مجھ طالبِ دیدار سے — ذرہ بنکر دیکھ لونگا روزنِ دیوار سے
مر رہا ہوں میں طبیبو عشق کے آزار سے — ہے عبث تدبیر صحت شربتِ دینار سے
میری آنکھیں لڑ رہی ہیں ابروِ خمدار سے — قتل وہ کرتے ہیں مجھ کو دو رُخی تلوار سے
سبزۂ رُخ سے گزر کر ہم نے چوسے ہیں وہ لب — چشمۂ حیواں پر آئے وادیِ پُرخار سے
مجھسے اے واعظ تو اتنی پارسائی کی نہ لے — بارہا دیکھا ہے آتے خانۂ خمار سے
کفر و دیں کے قید سے مطلب نہیں عشاق کو — رہتے ہیں آزاد ہر دم سبحہ و زنّار سے
مہوشوں کو دیکے دل ہو وصل یہ ممکن نہیں — ہے درختِ آرزو محروم برگ و بار سے
شاید اب صیّاد کا دستِ تعدّی بڑھ گیا — بلبلیں اُڑنے لگیں حسرت زدہ گلزار سے
دیکھکر غافل ہمیں کیوں چپکے اُٹھ کر چل دیئے — ہم تو لائے تھے یہاں اُنکو بڑے اصرار سے
سیرِ گلشن میں ہمارے ساتھ اُنھیں آتی ہی شرم — جب سے آنکھیں لڑ گئی ہیں نرگسِ بیمار سے
صاعقہ بن بن کے گر جاتے ہیں سُکّانِ فلک — ٹھوکریں کھا کھا کے میری آہ آتشبار سے
کمسنی کیا چیز ہے کچھ بھی خبر اُن کو نہیں — رال ٹپکی پڑتی ہے شیرینیِ گفتار سے

آسیا کی طرح مجھ کو پیستا ہے رات دن
اس نے سیکھا ہے چلن کچھ چرخِ کجرفتار سے

ہوں وہ رشکِ کوہکن سر پھوڑنا چاہوں اگر
خون کے فوارے چھوٹیں دامنِ کہسار سے

اپنے ہمجنسوں میں کیونکر میں نہ ہوتا سرفراز
خلعتِ وحشت ملا ہے عشق کی سرکار سے

پلٹنیں مژگاں کی صف باندھے ہوئیں تیار ہیں
اے خدا دل کو بچانا لشکرِ جرّار سے

ظاہری بخیا سے میرے چاکِ دل کو واسطا
چاہیئے کرنا رفو اِس کو کرم کی تار سے

کیا شبِ فرقت میں تھا اختر شماری کا مزا
کوئی پوچھے آکے میرے دیدۂ بیدار سے

بادۂ شعر و سخن کی چھائی ہیں کیا مستیاں
رات دن اب **قیس** بھی رہنے لگے سرشار سے

مرے دل دینے پر ناصح کی یہ تکرار کیا معنی
مرے کوئی کسی پر ہو کوئی بیزار کیا معنی

رہے باقی تمھاری آن اے دلدار کیا معنی
مجھے افسردہ دیکھو پھر نہ آئے پیار کیا معنی

بڑے جلاد بنکر تم تو اپنے گھر سے نکلے ہو
ہمارے قتل پر اُٹھے مگر تلوار کیا معنی

غزل پڑھنے کے حیلے سے میں اپنا حال کہتا ہوں
بھلا اُن کو پسند آئیں مرے اشعار کیا معنی

یہ کیا عادت ہی تم اک بات پر قایم نہیں رہتے
ابھی تھا وصل کا اقرار ابھی انکار کیا معنی

ہم اپنا دل نہیں دینگے تمھارا کچھ اجارا ہی
عبث بے فائدہ ناحق فضول اصرار کیا معنی

اسے تم وصف سمجھے تو غلط سمجھے بُرا سمجھے
کسی کی دل لگی پر روٹھنا ہر بار کیا معنی

مرا دل لے لیا تو نے تو بہتر مال تیرا تھا
مگر سب سے یہ لپ جھپ اے بتِ طرار کیا معنی

چلے تو ناز سے پھر دیکھنے والے رہیں سالم
نہ کچھ فتنے جگائے یہ تری رفتار کیا معنی

ترے گھر تو خدا رکھے خوشی کی خوب جلسے ہوں
کھڑے رویا کریں ہم یوں پسِ دیوار کیا معنی

نہ اٹکی ہو کسی سے آنکھ تو چہرے کی زردی کیا
کوئی دل میں نہ ہو تو پھر گریباں تار کیا معنی

کہو تو سب کی نظروں سے چھپا کر تم کو لیجائیں
رہیں ہم ساتھ جب بھی دیکھ لیں اغیار کیا معنی

پھنسا کر اپنی الفت میں جو جی چاہے وہ کرائے بت
نہیں تو رنج ہو میرے گلے کا ہار کیا معنی

خدا کی شان ہے بالکل سمجھ ہی میں نہیں آتا
ترا کلمہ پڑھیں سب کافر و دیندار کیا معنی

تمھیں سوچو ذرا دل میں کہ جھوٹے دم دلاسو نسے
شفا پا جائے مجھ سا عاشقِ بیمار کیا معنی

جو چاہو قتل ہی کرنا تو بسم اللہ حاضر ہوں
ڈرانے کو یہ ناحق تیغ کی جھنکار کیا معنی

پڑے سسکا کریں ہم تو ترے کوچے میں او ظالم
گریں کٹ کٹ کے سر ہر روز یوں دو چار کیا معنی

تمھارے ایک ہی بوسے سے ہیں بدمست ہو جاؤں
بنا دو ایک چلو میں مجھے سرشار کیا معنی

اگر دھوکا نہ کھا جاؤ تو ہم کچھ شرط بدتے ہیں
تمھیں چکما دے کوئی تم رہو ہشیار کیا معنی

بتا اے قیسؔ مجھ کو کیا یہی پاسِ حمیت ہے
ہر اک سے دل لگانا یوں سرِ بازار کیا معنی

رہ گیا یوں ہی اگر عشق کا آزار مجھے
مار ڈالے گی تری حسرت دیدار مجھے

کس کی چالوں نے کیا جان سے بیزار مجھے
لے اُڑی سوئے عدم کونسی رفتار مجھے

دل شکستہ ہوں جگر چور طبیعت پُر غم
دیں جگہ آنکھوں میں کس طرح خریدار مجھے

جان جانے کے ہیں ساماں خدا خیر کرے
ناوکِ ناز دکھاتے ہیں وہ ہر بار مجھے

روز اک طرز ستم کرتے ہیں ایجاد نئی
جان کر دامِ محبت میں گرفتار مجھے

نقد دل دیکے ہیں سودائے محبت لے لوں
کوئی معشوق جو مل جائے طرحدار مجھے

پاک طینت ہوں نہیں زہد ریائی سے غرض
بے خطا سمجھے کوئی خواہ خطاوار مجھے

عمر بھر کے لیئے قسمت میں لکھی ہے گردش
چین سے رہنے دے کیوں کر طلبِ یار مجھے

لے لیئے بیخودیِ شوق میں بوسے لب کے
کر دیا جوششِ الفت نے گنہگار مجھے

ہو وفا یا نہ ہو اُمید بندھی رہنے دو
جھوٹ سچ کچھ تو دیئے جاؤ تم اقرار مجھے

مشغلے جامہ دری کے ہیں یہاں گھر بیٹھے
لوگ کیا ڈھونڈتے ہیں جانب کہسار مجھے

دور کر جھٹ خم ابرو کی بلائیں لے لیں
وہ ڈراتے ہی رہے کھینچ کے تلوار مجھے

آکے بیٹھا ہوں سرِ بزم ترے پہلو میں
کیوں نہ گھوریں نگہِ رشک سے اغیار مجھے

شرم عصیاں سے اب آنکھیں نہیں اوپر اٹھتیں
ڈھانک لے آکے تو اے رحمتِ غفار مجھے

صبر میں سہل جسے سمجھے ہوا تھا اے قیس
ہو گیا اپنے سر آتے ہی وہ دشوار مجھے

چاہتے ہیں توڑنا دل پند بے تاثیر سے
لڑ رہے ہیں ناصحِ مشفق مری تقدیر سے

پیچ گیسو کے نہ کھولو عاشقِ دلگیر سے
اپنے دیوانے کو تم باندھے رہو زنجیر سے

چل رہی ہیں اُبروئے پُرخم کی چھریاں حلق پر
موئے مژگاں کھُب رہے ہیں میرے دل میں تیر سے

کیا ہوا قاصد کو یارب وہ کہاں مر کھپ گیا
جا رہی ہے میری جاں اس بے محل تاخیر سے

ہو گئے مجھ سے مخاطب غیر کے دھوکے میں وہ
جب بدل کر بھیس میں پہنچا کسی تدبیر سے

شمع رویوں کی محبت کا نتیجہ دیکھیئے
جل مرے پروانے ہیں سرگوشیاں گلگیر سے

لکھتے لکھتے حال دل مضمون اُلجھ کر رہ گیا
کھل پڑی سب بیخودی بگڑی ہوئی تحریر سے

ابروؤں میں ڈال کر بل مجھ سے برہم کیوں ہوئے
رشتۂ الفت نہ کاٹو تم دمِ شمشیر سے

کیا چھپائے چھپتی اے ظالم محبت غیر کی
پا گئے سب راز ہم اُلجھی ہوئی تقریر سے

کر دیا روشن مرا دل عکس روئے یار نے
چاندنی اس گھر میں چھٹکی حُسن کی تنویر سے

تشنگانِ آبِ خنجر سب تڑپ کر جی اُٹھے
قم باذنی کی صدا پیدا ہوئی تکبیر سے

ہنس پڑے زخمِ جگر مُنہ چوم کر سوفار کا
جب قضا آئی گلے ملنے ترے نخچیر سے

اُس فسونگر سے مرا دل کاش لا دیتا کوئی
سحر سے - جادو سے - منتر سے - فنِ تسخیر سے

خاکساری وجہ رفعت ہے بشر کے واسطے
کام لینا ہو تو لے انسان اسی اکسیر سے

پاتے بے فہموں سے کیا اے قلیسؔ ہم دادِ سخن
شورِ تحسیں کب ہوا ظاہر لبِ تصویر سے

اسی شوخی سے کھنچنے کی جو کچھ تدبیر ہو جاتی
تری ہر بیت ابروِ حُسن کی تصویر ہو جاتی

اگر تھوڑی بہت اُس کی صفت تحریر ہو جاتی
ہماری نغمہ سنجی باعثِ تشہیر ہو جاتی

حیاتِ جاوداں لیتے تمھارے تیز خنجر سے
صدائے قم باذنی ذبح کی تکبیر ہو جاتی

عیادت کے لیے تیرا نہ آنا ہی مناسب تھا
نصیبِ دشمناں اک فکر دامنگیر ہو جاتی

کہاں تک رازِ الفت ہم چھپاتی بات کرنی تھیں
بیانِ حال دل اُلجھی ہوئی تقریر ہو جاتی

جگر تھامے ہوئے ہاتھوں سے وہ باہر نکل آتی
کبھی آہِ رسا میری جو پُر تاثیر ہو جاتی

متاعِ نقد دل لے کر چلا ہوں نذر دینے کو
وہ کر لیتے قبول اس کو تو کچھ توقیر ہو جاتی

کیا تھا وار تو نے اے ستمگر کس بھروسے پر / ابھی تو ٹکڑے ٹکڑے ٹوٹ کر شمشیر ہوجاتی
اگر ہم دل چھڑاتے قید سے چاہِ زنخداں کی / تری زلفِ مسلسل پاؤں کی زنجیر ہوجاتی
نظر آئی تھی مجھ کو نیند میں اک چاند سی صورت / تم آجاتے تو خاصی خواب کی تعبیر ہوجاتی
دکھا دیتے تماشا تم کو اپنی یاس و حسرت کا / ذرا بھی قتل کرنے میں اگر تاخیر ہوجاتی
کیا صبر اے فلک ورنہ تجھے برباد کرنے کو / مری فریاد رنج و غم بلا کا تیر ہوجاتی
اُڑا کر اے صبا تو کیوں نہ لائی صحن گلشن سے / کہ اُس کی خاک پا میرے لئے اکسیر ہوجاتی
مدد ملتی مجھے روح القدس سے فکر معنی میں / تو اقلیمِ سخن میں کچھ مری جاگیر ہوجاتی
کسی شب بے حجابانہ وہ آجاتے جو کوٹھے پر / قمر کی شکل بھی غیرت سے بے تنویر ہوجاتی

نہ باقی رہنے پاتی وصل سے انکار کی صورت
اگر سیدھی کسی دن قیسؔ کی تقدیر ہوجاتی

کب کدھر آپ کی نظر نہ ہوئی / ہاں مگر میرے حال پر نہ ہوئی
طے رہِ عشق عمر بھر نہ ہوئی / ہم ہوئے ختم وہ مگر نہ ہوئی
نخل الفت کو سو طرح سینچا / شاخ اُمید بارور نہ ہوئی
اُن کے دزدِ نگاہ کے صدقے / لے لیا دل مجھے خبر نہ ہوئی
خیر گزری کہ رہ گیا پردا / راز کی بات اِدھر اُدھر نہ ہوئی
کس کا غصہ کدھر نہیں نکلا / کس کی آئی ہمارے سر نہ ہوئی
نیم بسمل وہ مجھ کو چھوڑ چلے / یہ قیامت ہوئی سحر نہ ہوئی

آتشِ غم ہمیشہ تیز رہی
کم کبھی سوزشِ جگر نہ ہوئی

کس کو تم نے لہو نہ رُلوایا
خوں فشاں کس کی چشم تر نہ ہوئی

وہ رہے محوِ جشن غیروں میں
یہ خوشی ہائے میرے گھر نہ ہوئی

رنج فرقت سے موت بہتر تھی
روح کیوں مائلِ سفر نہ ہوئی

اس سے ملنے کی لاکھ فکریں کیں
ایک بھی اُن میں کارگر نہ ہوئی

حال میرا اُسے سُناتا کون
آہ تک جب پیام بر نہ ہوئی

سربکف میں تو سامنے ہی تھا
کیوں نگاہِ کرم اِدھر نہ ہوئی

گھر سے وہ چل چکے تھے ملنے کو
میری قسمت ہی راہبر نہ ہوئی

ہجر کا ڈر کبھی فراق کا غم
چین سے زندگی بسر نہ ہوئی

وعدہ کرتے تو ہو قیامت کا
وہ بھی تقدیر سے اگر نہ ہوئی

آپ کے آنے کی توقع پر
آنکھ کب فرشِ رہ گزر نہ ہوئی

قیسؔ چیخا کیا شبِ فرقت
کوئی فریاد با اثر نہ ہوئی

دینے کو تو ہم دیدیں ابھی دل بھی جگر بھی
کیا اس کی توقع ہے کہ تم لوگے خبر بھی

آنکھوں میں حیا جی میں ہے اغیار کا ڈر بھی
درپردہ وہ چھُپ چھُپ کے لڑاتے ہیں نظر بھی

ہم ڈھونڈتے پھرتے تھے خریدارِ محبت
قسمت کی رسائی ہے کہ آنکلے ادھر بھی

دیکھے کوئی فیضِ رخِ پُرنور کسی کا
خورشید بھی شرمندۂ احساں ہے قمر بھی

جھگڑوں میں تو سب رات بسر ہو ہی چکی ہے
لو دیکھو ہوا چاک گریبان سحر بھی

کہتا ہوں کہ مرتا ہوں تو کہتے ہیں وہ ہنسکر
اس کی مجھے پروا نہیں چل دور ہو مر بھی

کیوں مجھ کو دکھاتے نہیں ہاتھوں کی صفائی
دونوں ہی تو موجود ہیں تلوار بھی سر بھی

کچھ جن و ملک ہی نہیں مصروف عبادت
تسبیح میں سرگرم شجر بھی ہیں حجر بھی

بل دیدیئے زلفوں کو عبث دیتے ہو جھٹکے
ایسا نہ ہو دھوکے میں لچک جائے کمر بھی

حوروں میں جو ہو حور تو پریوں میں پری ہو
انسانوں میں تم سا ہے کوئی اور بشر بھی

اے قاصد اُنھیں ہجر کا افسانہ سُنا کر
چہرے سے کیا تو نے کچھ اندازِ اثر بھی

کس شکل سے میں آہ جگر سوز کو روکوں
بھڑکیں گے جو شعلے تو اُڑیں ہیں گے شرر بھی

دل عرش سے رکھتا ہے مساوات کی نسبت
ہے ایک تجلی جو اِدھر بھی ہے اُدھر بھی

ہر شب ہے شبِ ماہ عدو ہی کیلئے کیوں
یارب کبھی یہ چاندنی چھٹکے مرے گھر بھی

اک دل ہی فقط مائل فریاد نہیں ہے
آمادۂ گریہ ہیں مرے دیدۂ تر بھی

گلزار محبت کو خدا رکھے سلامت
جیتے ہیں تو ہم پھول بھی توڑینگے ثمر بھی

تم لاکھ چھپو ہم سے مگر چھپ نہیں سکتے
پہنچے گی نظر پھاند کے دیوار بھی در بھی

سمجھے تھے شبِ وصل موذن ہی کو دشمن
اب جان کے لاگو ہوئے مرغان سحر بھی

اللہ رے فرقت میں جو میرا دل غمگیں
رہنے دے ذرا چین سے دو چار پہر بھی

مقتل میں نہ معلوم کسے ڈھونڈ رہے ہو
اک لاش تڑپتی ہے سرِ راہ گزر بھی

آسان کر اے بار خدا اقلیسؔ کی مشکل
فکریں بھی ہیں گھیرے ہوئے درپیش سفر بھی

کیوں نہ خیرہ ہوں نگاہیں نرگسِ بیمار کی
ہے جھلک ہر برگ گل میں حُسن روئے یار کی

ذبح کرنے کو مرے حاجت نہیں تلوار کی
حلق پر چلتی ہیں چھریاں ابروِ خمدار کی

دے رہی ہیں غیر کے گھر چھپ کے جانے کا پتا
نکہتیں پھیلی ہوئیں تیرے گلے کے ہار کی

چھلنی چھلنی کر دیا دل کو نگاہِ ناز نے
خون تھکوائے گی اب سرخی لبِ سوفار کی

جسکے دن ہوں جسکی راتیں واہ رے اُسکی نصیب
کھائیے قسمیں عدو کے طالعِ بیدار کی

دیکھنے ہی کے بہانے سے چلے آتے کبھی
کیا نہ تھی تم پر عیادت فرض مجھ بیمار کی

شب جو واعظ نے نکالی ترک مے کی گفتگو
بات بڑھتے بڑھتے نوبت آگئی تکرار کی

ہوں وہ سرمستِ ازل آیا جو بزم دہر میں
سب سے پہلے راہ پوچھی خانۂ خمار کی

اے ستمگر سچ بتا یہ بھی کوئی انصاف ہے
قہر کی مجھ پر نظر غیروں سے باتیں پیار کی

نقد جاں دیکر متاعِ عشق کا سودا لیا
ہے مرے ہی دم سے گرمی حسن کے بازار کی

کھینچ لائی ہے یہانتک جوششِ دیوانگی
ورنہ کب مرغوب مجھ کو سیر تھی کہسار کی

تھا مسِ خام اک نظر نے مجھ کو کندن کر دیا
کیمیا تاثیر ہے صحبت ترے میخوار کی

خوف مرنے کا نہیں لیکن ہے اتنی آرزو
ہو میسّر مجھ کو مٹی کوچۂ دلدار کی

کر کے بیخود ہوش میں لانا کبھی ممکن نہیں
پھونک دے گی مجھ کو تابش آتشِ رخسار کی

بخت برگشتہ کسی دن بھی نہ آیا راہ پر
مرتے دم تک دل میں حسرت رہ گئی دیدار کی

ہو چکا مجھ کو ترے ایفائے وعدہ کا یقیں
رکھتی ہے انکار کا پہلو ادا اقرار کی

بیخودیِ عشق میں ترکِ ادب کو کیا کہوں
ناصحِ مشفق نے مجھ سے چھیڑ ہی بیکار کی

ہو رہا تھا کل سرِ منبر جہاں ذکرِ شراب
تھی وہ مسجد یا کوئی دکّان تھی خمار کی

قیس کو سب سے الگ محفل میں بیٹھا دیکھکر
دل کیے دیتی ہیں چھلنی چشمکیں اغیار کی

جو یکدانہ گوہر ہے وہ دل یہی ہے
تجھے نذر دینے کے قابل یہی ہے

سرِ خاک میں نے تڑپ کر دکھایا
ترا کشتۂ نیم بسمل یہی ہے

نہ پھر دشت و کہسار میں شکلِ مجنوں
سمجھ دل کو لیلےٰ کا محمل یہی ہے

بتاؤ تمھیں کس طرح میں جیونگا
اگر صحبتِ غیر و محفل یہی ہے

اشارے سے محشر میں تجھ کو دکھا کر
کہونگا میں خالق سے قاتل یہی ہے

لحد میں لٹا کر کہا بیکسی نے
ترے کوچ کی پہلی منزل یہی ہے

تڑپتا مجھے اپنے کوچے میں پا کر
یہ گھبرا کے پوچھا کہ بسمل یہی ہے

کوئی صورتِ وصل کیونکر نکالوں
کبھی جو نہو حل وہ مشکل یہی ہے

نجا کوچۂ زلف جاناں سے باہر
مری آرزو سُن لے اے دل یہی ہے

نگاہِ کرم سے ادھر دیکھتا جا
کہ ترچھی نگاہوں کا بسمل یہی ہے

جو ہے شعلہ رو زیب آغوش عاشق
چراغِ جہاں ماہ کامل یہی ہے

گرا جب سے دل اُس کے چاہِ ذقن میں
سمجھتا ہوں میں چاہ بابل یہی ہے

جسے ہجر کہتا ہے سارا زمانا
رہِ عشق کی سخت منزل یہی ہے

مرے صبر کا حال مجنوں نے سنکر
کہا عشق میں مرد کامل یہی ہے

کرونگا میں آباد کوہ و بیاباں
اگر آج کل وحشتِ دل یہی ہے
جسے مدتوں تم نے اے قیسؔ ڈھونڈا
وہ رشکِ بتاں شمع محفل یہی ہے

گرم اُس رشکِ گل کی محفل ہے
ہر طرف نغمۂ عنادل ہے

خون کی پھلجھڑی سرِ مقتل
تارِ تارِ گلوے بسمل ہے

اس طرح اس کو پائمال نہ کر
لاکھ . ولاکھ میں یہ اک دل ہے

مرچکیں گے عدو تو آؤ گے
کیا سراسر خیال باطل ہے

قبر تاریک نام ہے جس کا
عاشقوں کی وہ پہلی منزل ہے

خانۂ دل نہ کیوں ہو شیش محل
جاگزیں اک پری شمائل ہے

بحرِ غم سے نجات کب ہوگی
میں بھنور میں ہوں دور ساحل ہے

چھپ کے بیٹھا ہے کوئی پردہ نشیں
دل سمجھتے ہیں جس کو محمل ہے

ضبط فریاد تیری فرقت میں
سخت مشکل ہے سخت مشکل ہے

خود وہ شیدا ہیں اپنی صورت کے
رات دن آئینا مقابل ہے

ختم مجھ پر ہوئی وفاداری
سرفروشی دلیل کامل ہے

ہو نہ ہو کوئی سُرخ رو ہوگا
آج خنجر بکف وہ قاتل ہے

میں ہوں دیوانہ چشم میگوں کا
لطف کیفِ شراب حاصل ہے

عشق بازی میں جان ہار گئے
ساری دنیا ہماری قائل ہے

وہ گھر اپنا خراب کرتے ہیں
یہ سمجھکر کہ قیس کا دل ہے

تو غلط سمجھا ہے لیلیٰ کو کہ وہ محمل میں ہے
جو تری لیلیٰ ہے اے مجنوں وہ تیرے دل میں ہے

درد ہے غم ہے الم ہے داغِ حسرت دل میں ہے
دیکھ تیرا عاشقِ بیمار کس مشکل میں ہے

مضطرب کیوں خنجرِ قاتل کفِ قاتل میں ہے
کیا تڑپ اس میں وہی ہے جو تڑپ بسمل میں ہے

ہاتھ رکھ کر میرے سینے پر تم آپ ہی دیکھ لو
کس قیامت کی تپش سوزِ دلِ بسمل میں ہے

ڈر مجھے اُس بے وفا کا ہے اسے اغیار کا
میں جو اُس مشکل میں ہوں تو وہ بھی اِس مشکل میں ہے

مدعا تو ایک ہی ہے طالب و مطلوب کا
فرق کہنے کو ہمارے یا تمھارے دل میں ہے

ہو رہی ہے دونوں جانب سے محبت کی کشش
فاصلا تھوڑا ہی باقی میرے اُنکے دل میں ہے

جمع ہیں سب لوگ مجھ کو یوں تڑپتا دیکھکر
اک تماشا رقصِ بسمل کا تری محفل میں ہے

شمع کے آنسو بہے پروانے جل جل کر بجھے
بن سنور کر یار کا آنا غضب محفل میں ہے

ہم ہوں یا وہ دونوں ہیں شمع و چراغِ انجمن
سوز کی مجلس میں ہم وہ جشن کی محفل میں ہے

دل لگاتے ہی ہوئے ہم موردِ صد رنج و غم
یہ ستم اللہ اکبر پہلی ہی منزل میں ہے

چار دیوارِ عناصر پھاند کر نکلے تو پھر
طے عدم کا راستا صرف ایک ہی منزل میں ہے

کیا لگی ہے آب شمشیرِ شہادت کی سبیل
بھیڑ پیاسوں کی جو یارب کوچۂ قاتل میں ہے

آج پھیلایا ہے میں نے دامنِ سیلِ سرشک
راز میری کامیابی کا لبِ ساحل میں ہے

قتل کرنے کو تو وہ نکلا ہے خنجر کھینچکر
یا الٰہی زور بھی کچھ بازوِ قاتل میں ہے

گو تمھاری بات کا ہوتا نہیں ہم کو یقیں — کچھ نہ کچھ تسکین پھر بھی وعدۂ باطل میں ہے

دل میں تم گردن جھکا کر دیکھ لیتے کیوں نہیں
قیس سرگرداں ہو کیوں لیلیٰ اسی محمل میں ہے

دل لے کے مرے پاس سے ٹل کیوں نہیں جاتی — معشوق ہو تم آنکھ بدل کیوں نہیں جاتے
یہ چال حسینوں کی ہے چل کیوں نہیں جاتے — پہلو میں یہ کلیجے کو مسل کیوں نہیں جاتے
وعدے ہیں قیامت کے پھر اُس پر یہ ستم ہے — مرتا ہوں تو کہتے ہیں سنبھل کیوں نہیں جاتے
ہاتھ آئی ہے مشکل سے مجھے وصل کی دولت — جلد اے مرے ارمان نکل کیوں نہیں جاتے
فردوس ہے دل آنکھیں ہیں تسنیم کی نہریں — اس باغ میں تم آکے ٹہل کیوں نہیں جاتے
وہ دل کی لگی آگ تو بجھنے ہی نہ دینگے — پھر ہم بھی اسی آنچ میں جل کیوں نہیں جاتے
فرماتے ہیں سُنکر وہ غمِ ہجر کے صدمے — تصویرِ خیالی سے بہل کیوں نہیں جاتے
آئے ہو ابھی آتے ہی جانے کی سُنائی — کیا آج ہی کچھ فرض ہے کل کیوں نہیں جاتے
کیوں آنکھوں سے مطلب کے اشارے نہیں ہوتے — دو جام مےِ ناب کے ڈھل کیوں نہیں جاتے
ہر بات میں آنکھیں نہ دکھایا کرو مجھ کو — ہاں شیر کوئی ہو تو نگل کیوں نہیں جاتے
پہنچی نظرِ یار مرے قلب و جگر تک — دو ہاتھ خوشی سے یہ اُچھل کیوں نہیں جاتے
مانا کہ ہے دل سوز مری شعلہ بیانی — تم موم کی مورت ہو پگھل کیوں نہیں جاتے
کیا کیا نہ ہمیں سوزِ محبت نے جلایا — الفت کی یہ تاثیر ہے گل کیوں نہیں جاتے
شعروں میں حسینوں ہی کے اوصاف لکھے ہیں — جلسوں میں یہ پڑھ دینے سے پھل کیوں نہیں جاتے

تھمتے ہی نہیں دیدۂ غمناک آنسو
لبریز یہ چشمے ہیں اُبل کیوں نہیں جاتے

چہرے کی صفائی جو یہی ہے تو بتاؤ
نظروں کی طرح ہم بھی پھسل کیوں نہیں جاتے

بے فائدہ اس وعدۂ فردا کا نتیجا
دیکر بھے پیغام اجل کیوں نہیں جاتے

اُلجھن کا سبب تم کو بتا دینگے کسی دن
یہ تم تو کہو زلفوں کے بل کیوں نہیں جاتے

رخسار کے تل کا رہوں دیوانہ میں کبتک
سر سے اثرِ دورِ زُحل کیوں نہیں جاتے

ہے اس کی طلب سچی تو اے حضرت زاہد
میرے سر شوریدہ کے بھل کیوں نہیں جاتے

عاشق کی یہ تربت ہے کوئی کھیل نہیں ہے
غم ہے کفِ افسوس وہ مل کیوں نہیں جاتے

غصّا ہے تو کس دن کے لیئے رکھے ہو خنجر
دل کھول کے سب زہر اُگل کیوں نہیں جاتے

اے جان مری یار کی صورت تو نکلتی
گانے کو یہی لے کے غزل کیوں نہیں جاتے

بیٹھے ہیں وہ اِس دُھن میں کہ دل لیکے اُٹھینگے
اے قیسؔ ذرا تم بھی مچل کیوں نہیں جاتے

مشکل ہے عرض حال میں خوفِ ملال ہے
چپکا اگر رہوں میں تو جینا محال ہے

لحظہ بلحظہ غم سے عجب غیر حال ہے
لب خشک رنگ زرد طبیعت نڈھال ہے

فریاد کر کے حشر میں اُن کو خجل کروں
شرطِ وفا ادا نہ کروں یہ مجال ہے

شرمندہ کس لیئے ہو دکھا کر عدم کی راہ
چہرے پر آج کیوں عرقِ انفعال ہے

مشتاق دید ہوں مجھے جلوا دکھایئے
للہ رد نہ کیجیئے پہلا سوال ہے

تیغِ نگاہ ناز سے ٹکڑے ہوا جگر
رفتار فتنہ خیز سے دل پائمال ہے

اے جوشِ بیخودی تو کدھر لے چلا مجھے
چہرا ہے چاند ابروِ باریک موجِ حسن

اپنے ہی جی میں سوچ نہ لو میں بتاؤں کیا
جب تک نہ وصل تھا تو رہی وصل کی ہوس

پہلو میں دل ہے دل میں ہیں ارمان سیکڑوں
شوقِ وصال سنکے کہا مرتے کیوں نہیں

رسوا کہیں نہ ہو کوئی اس کا خیال ہے
ہر ناخنِ بریدہ تمھارا ہلال ہے

جو دل میں جا گزیں ہے وہ کس کا جمال ہے
حاصل ہوا جو وصل تو فکرِ مآل ہے

اس دل کو کیا کروں کہ یہ دل ہی وبال ہے
کہتے ہیں جس کو موت وہی تو وصال ہے

حدِ ادب سے بڑھ کے تو اپنا قدم نہ رکھ
اے قیسؔ دیکھ مجمعِ اہلِ کمال ہے

نجمِ افشاں کی چمک گیسوِ پُرخم میں رہے
نیشِ عقرب جو ترے ابروِ پُرخم میں رہے

تیری فرقت میں شبِ غم نئے عالم میں رہے
کوئی جنت میں رہے کوئی جہنم میں رہے

ایک دن بھی تو ذرا وصل سے دل شاد ہو نہیں
طور کی سیر تو خلوت ہی میں حاصل ہو مجھے

دیکھ اے جوششِ گریہ نہ ہو میری خفت
وصل میں خوفِ جدائی تو جدائی میں قلق

برسوں دیکھا کئے لطفِ عرقِ روئے بتاں
عالمِ نورِ قمر سایۂ محرم میں رہے

زہر اثر در عرقِ گیسو برہم میں رہے
دورِ ساغر کے عوض حلقۂ ماتم میں رہے

ہم تو گھر بیٹھے ہوئے سیرِ دو عالم میں رہے
ایک شب بھی تو بھلا غیر ترے غم میں رہے

جلوۂ یار اگر خاطرِ پُرغم میں رہے
عالمِ سیل رواں دیدۂ پُرنم میں رہے

عمر بھر گردشِ قسمت سے ہم اک غم میں رہے
مدتوں سیرِ بہارِ گل و شبنم میں رہے

خوب لوٹا کیے ہم وصل میں جنت کے مزے
آتشِ رشک سے اغیار جہنم میں رہے

سرعتِ نبض ہمارے لئے بھی شاہدِ حال
سوزِ فرقت سے گرفتارِ تبِ غم میں رہے

کیا تجھے حال شبِ ہجر سناؤں اے یار
کبھی گریاں کبھی نالاں کبھی ماتم میں رہے

سو کمالوں سے یہ بڑھ کر ہے سُن اے طفلِ سرشک
رازِ پوشیدہ اگر خاطرِ محرم میں رہے

کس طرح موت ترے ہجر میں آتی ہم تک
ہم تو محصورِ الم تیری شبِ غم میں رہے

صحّتِ زخمِ جگر سے بھی ہمیں یاس تو پھر
کیا یہ بے سود نہ تھا کوششِ مرہم میں رہے

رنج سے ہم کو پسِ مرگ بھی راحت نہ ملی
زیرِ مدفن بھی غمِ خلوتِ ہمدم میں رہے

میری آغوش میں رہ کر نہ کرو یادِ رقیب
کیا مزا وصل کا اے یار جو تم غم میں رہے

دیکھو واژونیِ قسمت کہ شبِ وصل بھی وہ
تھے مرے گھر میں مگر غیر کے ماتم میں رہے

ہمصفیروں کی زیارت ہمیں ہوتی کیونکر
قیدیِ کنجِ قفس لطف کے موسم میں رہے

اپنی فرقت میں تم اے یار سمجھنا ہم کو
خلد میں بھی جو رہے ہم تو جہنم میں رہے

وصل میں بھی نہ دلِ زار کی حسرت نکلی
تا دمِ صبح ہم اے جان ترے دم میں رہے

ایزدِ پاک نے کیا کیا انھیں عزت بخشی
جس سے جنات بھی رشکِ بنی آدم میں رہے

مرگِ دشمن سے بھی مجھکو نہ ہوا عیش نصیب
رات دن وہ اُسی کمبخت کے ماتم میں رہے

چھوڑ کر یادِ خدا ہائے ہماری شامت
رات دن فکرِ حصولِ زر و درہم میں رہے

ہمنے پوچھا کہ جدائی میں کہو کیا گزری
مسکرا کر یہ کہا قیس کے ماتم میں رہے

فیضِ ازل سے لطف کچھ ایسا سخن میں ہے
شہرا مرے کلام کا ہر انجمن میں ہے

زلفوں میں رُخ نہیں ہے یہ سورج گہن میں ہے
غربت کی شام رونقِ صبحِ وطن میں ہے

چھل بل جو اُس سمندِ بتِ سیمتن میں ہے
عشرِ عشیر بھی نہیں اُس کا ہرن میں ہے

دنیا سے میں چلا ہوں پشیمان و منفعل
لپٹا اسی سبب سے مرا مُنہ کفن میں ہے

نزہت فزائے گلشن ایجاد ہے وہ گل
مانند اس کے کوئی کہاں اس چمن میں ہے

میٹھی چھُری سے یار نے گھائل کیا ہمیں
خنداں ہر ایک زخم ہمارے بدن میں ہے

تیری شعاعِ رخ سے منور ہے آفتاب
جلوا شمیم زلف کا مشکِ ختن میں ہے

الفت میں مہوشوں کی لٹے دن دھاڑے ہم
افسوس دل کشاکشِ رنج و محن میں ہے

ڈورے رگوں کے میرے بدن پر نہیں نمود
جکڑا ہوا یہ عشق کے تارِ رسن میں ہے

مرنے کے بعد بھی تو ہیں بیتابیاں وہی
مضطر ہماری لاش مزارِ کہن میں ہے

ابتک کسی سے حل یہ معمّا نہ ہو سکا
حیران فلسفی بھی وجودِ دہن میں ہے

ٹپکے جو اشک آنکھوں سے دامن میں آرہے
یہ راز تیری بزم کی شمع و لگن میں ہے

جو میرے آگے صورتِ اصلی میں ہی عیاں
بُت بنکے کیوں مقیم دلِ برہمن میں ہے

ہونٹوں کی سرخی اور یہ دانتونکی آب و تاب
درِّ عدن میں ہے نہ عقیقِ یمن میں ہے

سینے میں شعلۂ غمِ فرقت ہے مشتعل
داغِ جگر کی چاندنی بیت الحزن میں ہے

دو ایک گھونٹ مجھ کو بھی شاید نصیب ہو
جامِ شہادت آج کفِ تیغ زن میں ہے

گھاتیں ہیں دلربائیوں کی بات بات میں
یکتائے روزگار وہ بت اپنے فن میں ہے

آئی ہے یاد ساقی بادہ پرست کی
اے دل نہ نکلے گی کوئی حسرت تو دیکھنا
مجھ کو یقین ہے کہ جہنم میں بھی نہیں
گلزار رُخ سے تیرے ہی پھیلی ہے چارسو
بوسے لیئے جو ہم نے تو بس آنکھیں کھُل گئیں

بوئے کباب اسلیئے دل کی جلن میں ہے
ناحق فریب وعدۂ پیمان شکن میں ہے
شعلا جو میرے نالۂ آتش فگن میں ہے
وہ بوئے جانفزا جو گلِ یاسمن میں ہے
فرحت غضب کی شربتِ سیبِ ذقن میں ہے

تھا ناز پہلے قیس کو جس دل پر آج وہ
صد چاک عشق دلبر گل پیرہن میں ہے

محوِ خرام ناز جو وہ گل چمن میں ہے
رُخ پُر نمود خط سے خلل بانکپن میں ہے
کس طرح کر رہی ہے معطر مشام روح
میں مرگیا مگر اُسے آتا نہیں یقیں
اے غیرتِ غزال تری زلف کی مہک
پھولوں سے کس نے باس دیا ہی شبِ وصال
صد حیف مر کے بھی ہوں میں وجہِ تردداِت
پیکاں کی طرح آکے کلیجے میں چبھ گئی
وہ کاش میرے رونے پر اتنا ہی پوچھتا
زلفیں ہٹیں جو رُخ سے تو اک نور چھا گیا

جوشِ ترانہ بلبل غنچہ دہن میں ہے
چہرا تو چاند سا ہے مگر اب گہن میں ہے
یہ بھینی بھینی بو جو ترے پیرہن میں ہے
کہتا ہے دم چرائے ہوئے یہ کفن میں ہے
موجِ ہوائے نافۂ مشکِ ختن میں ہے
خوشبو جو اس قدر عرقِ سیمتن میں ہے
فکرِ لحد میں ہے کوئی فکرِ کفن میں ہے
ایسی نگاہ دیدۂ ناوک فگن میں ہے
گریاں بشکل شمع تو کیوں انجمن میں ہے
خورشید کی چمک ترے کالے کے من میں ہے

صحرا نوردیوں ہی میں راحت رہی مجھے / غربت کی سختیوں سے فزوں غم وطن میں ہے

دندان یار پر جو ہے عکس مسی عیاں / نیلم کی آب دیکھیے دُرِّ عدن میں ہے

دیر و حرم میں صورت آوارہ کیوں پھروں / مطلب ہے جس سے وہ دل و جان کی رسن میں ہے

مجھ کو نبات و قند کی خواہش نہیں ہے اب / لذت کچھ ایسی دردِ دلِ پُر محن میں ہے

گھیرے ہوئے ہے سبزۂ بیگانہ کیوں اسے / آبِ حیات کیا ترے چاہِ ذقن میں ہے

خورشید حشر کو بھی نہ ہوگی کبھی نصیب / سوزش جو آج کل مرے دل کی جلن میں ہے

پامال گردشوں سے دمِ رقص میں ہوا / پیرِ فلک کی طرز تمھارے چلن میں ہے

لاکھوں بناوٹیں ہیں مگر پھر بھی کچھ نہیں / آفت کی سادگی ترے اس بانکپن میں ہے

اے جان تیری جوشش حسنِ ملیح سے / چھڑکاؤ اب نمک کا مرے زخم تن میں ہے

نالوں میں عاشقوں کے ہے ناقوس کی صدا / عالم ہے تجھ میں وہ جو بتِ برہمن میں ہے

بیفائدہ ہے شمع خراشیِ دوستاں
اے قیسؔ لطف کچھ نہیں ترے سخن میں ہے

بلا ہے درد ہے رنج و محن ہے / تری الفت عدوِ جان و تن ہے

نہاں اس میں جو کوئی گلبدن ہے / بہارِ داغ دل رشکِ چمن ہے

سنبھل کر اے فلک تو چال چلنا / شرارِ آہ سوزاں شعلہ زن ہے

کمالِ عشق نے کی پردہ پوشی / غبارِ دشت وحشت پیرہن ہے

کہوں کیا میں ہجوم شوق و ارماں / مرا سینہ نہیں ہے انجمن ہے

پھُنکا جاتا ہے سارا باغ ہستی
تری آنکھوں کی مستانہ روش سے
کچھ ایسی عشق کی پھانسیں چبھی ہیں
نہ جانوں کیوں مری بربادیوں کو
ہیں لاکھوں فتنے تیری سادگی میں
زسرتا پا وہ ہے کانِ ملاحت
سرِ محفل حریفوں سے لگاوٹ
بھرا ہے سحر چشمِ سرگیں میں
بتوں سے ہو چکی مطلب برآری

نگاہِ نازِ یار آتش فگن ہے
خجل چشم غزالانِ ختن ہے
کہ ہر تارِ گلو تارِ رسن ہے
ہمیشا گردشِ چرخِ کہن ہے
قیامت خیز تیرا بانکپن ہے
حلاوت بخش اندازِ سخن ہے
یہ کیسی چال ہے کیسا چلن ہے
تمھاری ہر ادا توبہ شکن ہے
ہمیشا مکر ہے حیلا ہے فن ہے

جو سچ پوچھو تو کوچے میں اُنھیں کے
مناسب قیس کا گور و کفن ہے

دل ہی رہبر ہے دل ہی رہزن ہے
رنگ نکھرا ہے کیا جوانی کا
دیکھ کر اُن کے لب مسی آلود
گیسوؤں میں جسے چھپائے ہو
آپ نازاں ہے اپنی صورت پر
کیوں نہ وہ بات بات پر روٹھیں

کیا کہوں دوست ہے کہ دشمن ہے
سادگی پر بھی لاکھ جوبن ہے
شرم سے پانی پانی سوسن ہے
دل مرا ہے کہ سانپ کا من ہے
خود صنم خود ہی وہ برہمن ہے
سن ہی کیا ہے ابھی تو بچپن ہے

پیش رخ حسن کی شعاعوں سے
نور افشاں کسی کی چلمن ہے

یوں نہ ٹھکرائیے مری تربت
کشتۂ ناز کا یہ مدفن ہے

چھوٹتے ہی زہر چڑھ گیا مجھ پر
زلف شبگوں بھی کالی ناگن ہے

نالوں سے کیوں شرارے اڑتے ہیں
دل ہے پہلو میں یا یہ گلخن ہے

سوز داغِ فراق کیا کہیئے
سینے میں اک چراغ روشن ہے

نقش ہستی مٹا ہی ڈالیں گے
اُن کی تلوار میری گردن ہے

خانۂ دل مرا خراب نہ کر
اے ستمگر ترا ہی مسکن ہے

لب ہے جاں بخش آنکھ سحر آگیں
وہ مسیحا یہ سامری فن ہے

جادۂ عشق میں رفیق سفر
آہ و نالہ ہے شور و شیون ہے

تیرے حسنِ شباب کے صدقے
کیا ہی پھولا پھلا یہ گلشن ہے

حسرتیں جس جگہ برستی ہیں
بلبلوں کا وہیں نشیمن ہے

رنگ بے رنگ ہے خدا حافظ
چڑھ گئیں آنکھیں تیکھی چتون ہے

لے اڑی زندگی کہاں سے کہاں
کس قدر تیز رو یہ توسن ہے

ایک ادا پر ہزار ادائیں لوٹ
ہر نظر اُن کی برق خرمن ہے

ضبط فریاد کیوں کیا اے قیس
اس خطا پر وہ ہم سے بدظن ہے

مجھے آرام سے رہنے دے یہ قسمت کہاں میری
بنی ہے دشمنِ جاں گردشِ ہفت آسماں میری

خطا کیا تم نے کی تجویز اے جانِ جہاں میری
اُڑا لی بلبلوں نے کچھ اگر طرزِ فغاں میری

مصیبت عشق کی بھی کس قیامت کی مصیبت ہے
کہ لاکھوں رنج و غم ہیں ایک جانِ ناتواں میری

تڑپ کر صحنِ گلشن میں کبھی گرتی نہیں بجلی
مگر پہلے جلا لیتی ہے شاخِ آشیاں میری

نہ تنہا میں ہی شکلِ نیم بسمل مضطرب ہونگا
تمھیں بھی ہجر میں تڑپائینگی بیتابیاں میری

دلِ پُر داغ میں حورِ بہشتی بنکے آ بیٹھو
اگر تم دیکھنا چاہو بہارِ گلستاں میری

ترے در تک بمشکل ٹھوکریں کھا کھا کے پہنچا ہوں
مگر ڈر ہے کہیں محنت نہ جائے رائیگاں میری

کوئی مجلس ہو یا محفل کوئی خلوت ہو یا جلوت
جہاں ہے تذکرہ اُن کا حکایت ہے وہاں میری

ذرا اُٹھنے تو دیں پامالِ حسرت مجھ کو دنیا سے
بتوں کو خون رُلوائیگی مرگِ ناگہاں میری

کیا تھا قتل تو گور و کفن بھی آپ کر دیتے
کہ غربت میں پڑی ہے لاش بے نام و نشاں میری

ہزاروں سامری فن کٹ مرے ہیں دیکھ کر جوہر
چلی ہے برق دم یارو نہیں جب تیغِ زباں میری

وہاں کیونکر کہے گا جا کے قاصد غیر کی بیتی
مزے کی ہے کہانی تم سنو آکر یہاں میری

رہو گے خلد میں بھی تم اگر مجھ سے جدا ہو کر
مبدّل موت سے ہو گی حیاتِ جاوداں میری

نکل کر مُنہ سے نالے مجھ کو یوں تسکین دیتے ہیں
اثر پیدا کرے گی آج سیرِ لامکاں میری

شبِ غم سر چڑھا تھا دیو بنکر غیر کا جادو
خبر کس طرح لیتا وہ بتِ نامہرباں میری

کسی کا بھی کوئی جب ماجرائے غم سناتا ہے
برس پڑتی ہے مثلِ ابر چشمِ خونفشاں میری

مرا قصّہ مرے مُنہ سے اگر وہ بے وفا سُن لے
عجب کیا دل میں گھر کر جائے خوبیِ بیاں میری

نہ آنا تھی نہ آئی کچھ سمجھ میں اُس ستمگر کی
بنی بگڑی ہزاروں طرح شکلِ داستاں میری

عبث مجھ کو نہ دے چکمے شراب و حور جنت کے
پیامِ مرگ بنکر موجِ بحرِ غم نے آگھیرا

یہ سب دیکھی سُنی باتیں ہیں اے پیرِ مغاں میری
تباہی میں پڑی ہے کشتیِ عمرِ رواں میری

رہوں گا سر بلند اے قیسؔ اربابِ معانی میں
خدا چاہے تو مانیں گے سند سب نکتہ داں میری

ترے تیرِ نظر کا توڑا اگر ہفت آسماں تک ہے
نہایت ہر بلا کی گردشِ دورِ زماں تک ہے
گرا کر بجلیاں صحنِ چمن ہی کو نہیں پھونکا
جوانی کی ترنگیں آنہیں سکتی ہیں پیری میں
عدو کے بھیس میں بھی یا الٰہی چھپ نہیں سکتا
کرشما ذرّے ذرّے میں ہے تیری ہی تجلی کا
جو ہو مستِ شباب کیف وہ بنت العنب دے نیا
مجھے ٹھنڈا کیا اتنا بتوں کی سرد مہری نے
نظر نیچی کیئے دل کی خبر لے لی کنکھیوں سے
زمانا مجھ سے بگڑا ہے تو بگڑے غم نہیں کوئی
پیامِ مرگ مژدہ وصل کا ہے تیرے عاشق کو
ظہورِ بے وفائی حسن کی قیمت گھٹا دے گا
جنوں انگیز نالے بلبلِ بیکس کے سُن سُن کر

رسائی میرے نالوں کی مکینِ لامکاں تک ہے
ہماری انتہاے غم خدا جانے کہاں تک ہے
کرم پیرِ فلک کا بلبلوں کے آشیاں تک ہے
بہارِ فصلِ گل کی سیر باغِ بیخزاں تک ہے
یہ اتنی تیز مجھ پر کیوں نگاہِ پاسباں تک ہے
تجھی کو دیکھتا ہوں میں نظر اپنی جہاں تک ہے
کہ لطفِ وصل اے ساقی عروسِ نوجواں تک ہے
شرارِ آہ کیا سر د آتشِ سوزِ نہاں تک ہے
تمھاری سُرمگیں آنکھوں میں شوخی بھی یہاں تک ہے
غضب یہ ہی کشیدہ وہ بتِ نامہرباں تک ہے
مصیبت رنجِ فرقت کی فقط عمرِ رواں تک ہے
تمھاری گرم بازاری مری ضبطِ فغاں تک ہے
نہ پوچھو اوروں کو برہم مزاجِ باغباں تک ہے

میں اپنی منزلِ مقصود پر کس طرح پہنچوں گا
مری آنکھوں سے پنہاں جب غبارِ کارواں تک ہے

چلا ہے لے کے خطِ شوق صدقے تیری ہمت کے
مگر اے نامہ بر سچ کہہ رسائی بھی وہاں تک ہے

رہا رندوں کے ہے سر چڑھ کر باعصمت نہیں ممکن
اچھوتی دخترِ رز خانۂ پیرِ مغاں تک ہے

بشر عاجز نہ ہو کیوں درکِ اسرارِ حقیقت سے
تگ و دو ہر کسی کی اپنے ہی وہم و گماں تک ہے

کبھی غیروں کے آگے میری گردن جھک نہیں سکتی
ہجومِ شوق سجدہ تیرے سنگِ آستاں تک ہے

جب آنکھیں بند کر لیں مٹ گئے جھگڑے زمانے کے
بکھیڑا جس قدر ہے اتصالِ جسم و جاں تک ہے

مرے اشعار میں وصفِ دہن پڑھ کر وہ کہتے ہیں
کلامِ عاشقانہ ختم قیسؔ نکتہ داں تک ہے

ہوا میں خاک جل کر سوزشِ قلبِ پُر ارماں سے
پھُنکا قصرِ بدن میرا چراغِ زیرِ داماں سے

عیاں ہے برہمی دیکھ اے صبا رخسارِ جاناں سے
نہ کر گستاخیاں او بے ادب اوراقِ قرآں سے

فلک پر تارے چھٹکے ہیں شرارِ آہ سوزاں سے
قمر ہے کاسبِ نورِ آفتابِ داغِ ہجراں سے

خلش جب بڑھ گئی دل کی خیالِ موئے مژگاں سے
گلے مل مل کے روئے آبلے خارِ بیاباں سے

رخِ شفاف پر یہ سبزۂ نوخیز کیا معنی
لکھا ہے کاتبِ قدرت نے مصحف خطِ ریحاں سے

تصور میں لبِ رنگیں کے لختِ دل لہو ہو کر
بجائے اشک بہتے ہیں ہماری چشمِ گریاں سے

تپک سینے کی مجھ کو مژدۂ صحت سناتی ہے
یہ پھپھولے دل کے پھوٹیں گے کسی کی نوکِ مژگاں سے

پہنچ جائیں گے رفتہ رفتہ ہم بامِ حقیقت پر
دکھا دینگے عروج اک دن گزر کر حدِ امکاں سے

مرے اعمال بد کیوں حشر میں تلتے ہیں حاصل کیا
میں خود غرقِ ندامت ہو رہا ہوں بارِ عصیاں سے

بہت کچھ آتشِ الفت دبائی ہم نے سینے میں
مگر کھلتا ہے دل کا راز دودِ آہ سوزاں سے

پسِ مردن بھی میں وحشت دکھائی پر جو آجاؤں
تو میری خاک کے ذرے اُڑیں گردِ بیاباں سے

نہ چھیڑو حد سے بڑھ کر ہے برس پڑنیکی خو ہم کو
بھرے بیٹھے ہیں مدت کی شکایتہائے پنہاں سے

جہاں اچھوں کی بو پائی وہاں دو لحظہ جا بیٹھے
غرض کیا ہم ہوا خواہانِ گل کو قصر و ایواں سے

جوانی وہ بلائے بد ہے جس کی جوشِ مستی میں
نہ ہو جو کچھ تعجب ہے طبیعت دارِ انساں سے

نہیں ٹلنے کے یوں تو ہم قیامت ہی نہ آجائے
مٹا کر نقشِ ہستی ہی اُٹھینگے کوے جاناں سے

کسی دن تم ہمارے گھر قدم رنجہ جو فرماؤ
یقیناً منزلت بڑھ جائے اُسکی باغِ رضواں سے

خدا جانے لبِ خنجر میں لذت کس غضب کی ہے
کہ رالیں ٹپکی پڑتی ہیں دہانِ زخمِ خنداں سے

مجھے دم بھر کہیں آرام سے رہنے نہیں دیتا
نکل جاؤں میں کیونکر حیطۂ گردونِ گرداں سے

اُسے کیا حالِ دل لکھوں یہی کافی ہے اے قاصد
سنا دے جا کے دو بیتیں مرے اشعارِ دیواں سے

اسیری مانعِ لطفِ نظارہ ہو نہیں سکتی
تمھیں ہم جھانک لینگے روزنِ دیوارِ زنداں سے

دکھا دیتی ہے وحشت سینۂ صد چاک کا عالم
اُلجھ پڑتے ہیں جب خارِ جنوں تارِ گریباں سے

ابھی تو آپ ہی تم اپنی پرچھائیں سے ڈرتے تھے
ابھی مشقِ ستم کرنے لگے شمشیرِ برّاں سے

حنائی انگلیوں میں دیکھ کر چھلّا یہ ہم سمجھے
کرن سورج کی حلقہ بنکے لپٹی شاخِ مرجاں سے

مرے دل میں جو پہلو چیر کر تیرِ نظر پہنچا
قدم مہمان کے چومے لبِ زخمِ نمایاں سے

خطِ شوق آج اک رشکِ پری کو ہم نے لکھا ہے
کرے گا ہمسری پیغامبر مرغِ سلیماں سے

ظرافت ہے جو ہنسکر سب کی باتیں ٹال جاتا ہوں
نہیں تو ہے کسے ہم پنجگی شیرِ نیستاں سے

ابھی تو مر چکے تھے تم نے آکر زندگی بخشی
پھرے آتے ہیں الٹے پاؤں ہم شہر خموشاں سے

ہنسا دیتے ہو مثلِ گل رلا کر صورتِ شبنم
شبِ وصل اک عجب اعجاز کرتی ہو نہیں ہاں سے

خدا کے سامنے جاتا ہوں ارمانوں کی جھرمٹ میں
میں خون آلودہ اٹھ کر سر بکف گنجِ شہیداں سے

جلا کر مار ڈالا شعلۂ برقِ تبسم نے
اٹھا جل بجھ کے مثلِ شمع میں بزمِ حسیناں سے

الٹ کر صفحۂ ہستی جو دیکھا غور سے ہم نے
کہیں صبحِ وطن ٹھہری بتر شامِ غریباں سے

مرے مر کر جلے جل کر ہوئے ہم خاک اس پر بھی
لپٹ جاتے ہیں اکثر ذرہ بنکر جسم جاناں سے

رہی چندے یہی نغمہ سرائی تو عجب کیا ہے
سبق لیں آکے مرغانِ چمن قیسِ غزلخواں سے

جب میں کہتا ہوں کہ اے شوخ تو ہرجائی ہے
ہنس کے وہ مجھ سے یہ کہتا ہے تو سودائی ہے

کچھ قرینے کی محبت ہے نہ رسوائی ہے
عشق کرنے کی مگر ہم نے سزا پائی ہے

کیا ارادہ ہے کدھر آنکھ بچا کر نکلے
کل ہی تو غیر سے ملنے کی قسم کھائی ہے

پوچھتے کیا ہو مرے جوش جنوں کا عالم
رات دن مشغلۂ بادیہ پیمائی ہے

ہم ہیں ایک اور تری یاد بس اللہ اللہ
کنج مرقد میں یہ کیا خوب ہی تنہائی ہے

پھوٹی نظروں سے بھی مڑ کر نہ کسی نے دیکھا
اے اجل کس کی گلی میں تو مجھے لائی ہے

دل بھی آمادہ ہے قابو سے نکل جانے کو
کس قیامت کی ستمگر تری انگڑائی ہے

سچ کہو غیروں پر اس طرح جو تم مرتے ہو
کب کے وہ دوست ہیں کس دن کی شناسائی ہے

اب تو اظہار محبت کا بھی موقع نہ رہا
صاف کہتے ہیں کہ تیری سخن آرائی ہے

جلد تر بادۂ گلرنگ پلا اے ساقی
قسمتوں سے طرب انگیز گھٹا چھائی ہے

غنچۂ دل کبھی کھلتے ہوئے دیکھا نہ سُنا
جو کلی ہے چمنِ سینہ میں مرجھائی ہے

ذرّے ذرّے میں نظر آئی تجلی تیری
خاک نقشِ کفِ پا سرمۂ بینائی ہے

سخت جانی سے نہ کچھ میں ہی پشیمان ہوا
اُن کی تلوار بھی مُنہ پھیر کے شرمائی ہے

جان کیا مال ہے جس کو نہ کروں میں قرباں
دل بھی میرا نہیں تیرا ہی تمنائی ہے

آنکھوں سے مار کے ہونٹوں سے جلا دیتے ہو
سحر کے ساتھ عجب لطف مسیحائی ہے

حشر میں بھی تو دکھا دے رخِ روشن کی بہا
وقفِ نظارہ مری چشمِ تماشائی ہے

وعدۂ وصل سے ہرگز نہ مکرنے دوں گا
یہ رہے یاد جو بات آپ نے فرمائی ہے

ہے مرے سینے میں داغِ شرر افشاں کوئی
دامنِ دشت میں یا لالۂ صحرائی ہے

میرے رہتے ہوئے اغیار کی الفت توبا
ایسی کیا بات ہے اُس میں جو پسند آئی ہے

چھین کر دل کو نہ پامال جفا کرنا تھا
آپ ہی کا تو یہ دیوانہ ہے شیدائی ہے

حرفِ تقدیر مٹائے نہ مٹیں گے اے قیسؔ
اس قدر کس لیے تکلیف جبیں سائی ہے

تجھے اصرار عرضِ حال پر اے جنگجو کیا ہے
سمجھ لے میری حالت سے کہ دل کی آرزو کیا ہے

ذرا میں بھی تو سُن لوں تم کو آخر جستجو کیا ہے
یہ ہر دم بے سبب آنکھوں کی گردش چار سو کیا ہے

ضرورت غیر کے احسان کی اے خوبرو کیا ہے
میں اپنا دل دیئے دیتا ہوں لو گفتگو کیا ہے

خدا جانے کہ پہنچوں یا نہ پہنچوں باغِ عالم میں
ہوں مثلِ سبزۂ بیگانہ امیدِ نمو کیا ہے

جفائیں جتنی کرنا ہوں تمھیں اک بار سب کر لو
یہ رہ رہ کر ہمارے سامنے ذکرِ عدو کیا ہے

اگر بس کر نہیں آتی تمھارے پاس بھولوں سی
نسیمِ روح پرور میں یہ بھینی بھینی بو کیا ہے

ذلیل و خوار ہونے سے کہیں عاشق بھی ڈرتے ہیں
جب اپنا دل ہی کھو بیٹھے تو پاسِ آبرو کیا ہے

جو محرومِ ازل ہی شادمانی سے وہ کیا جانے
کہ مینا کیا ہی ساغر کیا ہی مے کیا ہی سبو کیا ہے

محبت کون کرتا ہے کسی سفاک و ظالم سے
تمھاری تیغ جوہر دار مشتاقِ گلو کیا ہے

اگر اشکِ ندامت ہی کا قطرہ پاک کر دیگا
تو قیدِ ظاہری غسل و تکلیفِ وضو کیا ہے

پسِ قتل آکے میرا سر اُٹھا کر اپنے ہاتھوں میں
وہ کہتے ہیں کہ اس سے بڑھ کے کوئی سرخرو کیا ہے

خفا ہوں گالیاں دیں قید رکھیں ذبح کر ڈالیں
میں انکا ہو چکا جب اسمیں مجھ کو گفتگو کیا ہے

کبھی لیٹے کبھی بیٹھے کبھی اُٹھے کبھی ٹہلے
شبِ غم کی مصیبت کچھ نہ پوچھو ای یار تو کیا ہے

ارے یہ دن دھاڑے دھلیگا مشتی راہ چلتونسی
خدائی کیا کہے گی سوچ تو یہ تیری خو کیا ہے

مرے چاکِ جگر کی راہ دودِ غم نکلتا ہے
تجھے اے چارہ گر بے فائدہ فکرِ رفو کیا ہے

بھلا کیونکر بجھے گی پیاس تیغِ تیز قاتل کی
میں ہوں بیمار لاغر مجھ میں باقی اب لہو کیا ہے

میں تیرے واسطے جلتا ہوں ہر دم مثل پروانہ
محبت بلبل و گل کی بتا اے شمع رو کیا ہے

مرے الفت جتانے پر وہ تیکھے ہو کے کہتے ہیں
ہزاروں مر چکے مرتے ہیں لاکھوں ایک تو کیا ہے

چلا تھا مجھسے ملنے کو رہا غیروں کے گھر جاکر
یہ وعدے کر کے جُل دینا بتا اے حیلہ جو کیا ہے

وہ دل اے قیس جو پہلو میں کانٹا سا کھٹکتا تھا
اگر جاتا رہا جانے دو اس کی جستجو کیا ہے

توڑ تیروں کا نگاہِ نرگسِ جادو میں ہے / باڑھ خنجر کی کسی کی جنبشِ ابرو میں ہے

صبر ہم کیونکر کریں دل ہی نہیں قابو میں ہے / جان کا دشمن ہے جو بیٹھا ہوا پہلو میں ہے

شکل و صورت ناز و غمزہ یوں تو رکھتے ہیں سبھی / بانکپن جو تجھ میں ہے وہ کب کسی خوشرو میں ہے

عاشقوں کے قتل میں اللہ یہ سرگرمیاں / کس بلا کا زور اے ظالم ترے بازو میں ہے

فی الحقیقت تو نے غش میں سر اُٹھا کر رکھ لیا / یا مری جھوٹی شبیہ آئینۂ زانو میں ہے

سرمگیں آنکھوں کا اُس کو بھی مگر سودا ہوا / عالمِ دیوانگی گردِ رمِ آہو میں ہے

دل مرا لے کر مُکر جانے سے کچھ حاصل نہیں / جانتا ہوں میں جہاں ہے تیرے ہی گیسو میں ہے

ایک قطرے سے بدن پر سیکڑوں چھالے پڑے / گرمیِ سوزِ جگر کا وہ اثر آنسو میں ہے

اور تو کچھ بھی نہیں کھوٹا کھرا تم دیکھ لو / ہاں مچل جانے کی اک عادت دلِ بدخو میں ہے

آنکھ پڑتے ہی بدل جاتی ہیں سب کی حالتیں / کیا اثر یارب حسینوں کے رُخِ نیکو میں ہے

مختلف لفظوں میں تیرا تذکرہ کس میں نہیں / دہریوں میں ہے مسلمانوں میں ہے ہندو میں ہے

رات پہنائے تھے ہمنے پھول کے گہنے تمھیں / بھینی بھینی بو ابھی تک جسم کی خوشبو میں ہے

اس طرح آنچل کے گوشے میں مرا دل باندھتے / کھیل لڑکوں کا ہے ورنہ اور کیا جگنو میں ہے

جل نہ جائے جاتے جاتے اس بتِ بے مہر تک / میرے سوزِ ہجر کا پرچا پرِ یاہو میں ہے

جلد اے ساقی پلا تھوڑی بہت جو کچھ کہ ہو
قیسؔ کا تو فیصلا دو ایک ہی چلو میں ہے

تم نے جو آج لطف کی مجھ پر نگاہ کی / یہ نالوں کا اثر ہے کہ تاثیر آہ کی

دل خود ہے سوے کوچۂ دلدار رہنما
کیا مجھ کو احتیاج کسی خضر راہ کی

اصرار کچھ نہیں ہے مجھے اپنے فعل پر
میں تم سے چاہتا ہوں معافی گناہ کی

دھبے لہو کے دامن قاتل میں ہیں عیاں
کب ہے شہید ناز کو حاجت گواہ کی

تیغِ دودم سے صاف میں چورنگ ہو گیا
تو نے مری طرف نہیں ترچھی نگاہ کی

سامان عیش تیری جدائی میں لٹ گیا
تسلیط قلب پر ہوئی غم کی سپاہ کی

ٹوٹا ضرور دل کسی عاشق مزاج کا
کانوں میں آ رہی ہے صدا آہ آہ کی

نالوں نے بیخودی میں کیا فاش رازِ عشق
شہرت ہوئی تمام مری اُن کی چاہ کی

بھولے سے خواب میں بھی نہ آیا وہ ماہرو
تاثیر دیکھیے مرے بختِ سیاہ کی

مدِّ نظر تو ہے کہ نہ چھوٹے عنان صبر
طاقت مگر نہیں ہے مجھے ضبط آہ کی

اے بیخودیِ عشق مدد تیری چاہیئے
منزل ہے سخت کوچۂ جاناں کی راہ کی

کچھ خوف بازپرس قیامت نہیں مجھے
الفت ہے میرے دل میں رسالت پناہ کی

اہلِ سخن سے داد کی خواہش میں کیا کروں
دل ہی میں جب نہیں ہے ہوس واہ واہ کی

میں خود ہوں فن عشق میں اے قلیس مجتہد
تقلید کیوں کروں میں کسی رسم و راہ کی

نصیبوں سے کبھی گردش میں جب پیمانہ آتا ہے
دعا بنکر لبوں پر نعرۂ مستانہ آتا ہے

ہمیشا یار آتا ہے تو بیباکانہ آتا ہے
کسی سے آج بگڑی ہے جو محجوبانہ آتا ہے

ذرا گور و کفن کا بھی رہے سامان مقتل میں
کہ مشتاقِ شہادت سر بکف دیوانہ آتا ہے

مرے دل میں کسی کا غیر حق رہنا نہیں اچھا
بُتو اب جلد نکلو صاحبِ کاشانہ آتا ہے

نہ جانوں اوروں پر ایسی عنایت کیوں نہیں ہوتی
مجھی سے تم کو ملنا صورتِ بیگانہ آتا ہے

جسے ہم بانیِ ظلم و جفا و جور سمجھے تھے
تعجب ہے وہی محشر میں آزادانہ آتا ہے

لہو رُلواتی ہے یادِ جوانی مجھ کو پیری میں
کسی دن جب خیالِ صحبتِ یارانہ آتا ہے

نہ گھبرا آمد آمد سے کسی میکش کی اے ساقی
ادا کرنے کو فرضِ سجدۂ شکرانہ آتا ہے

خدا رکھے سلامت قافلہ صہبا پرستوں کا
قدم لینے ہمارا تا درِ میخانہ آتا ہے

مرے آگے عدو ہی کا جو ہر دم ذکر کرتے ہو
تمھیں شاید یہی اک نازِ معشوقانہ آتا ہے

بچا کر آنکھیں محفل سے کبھی اُٹھنے نہیں دیگا
سنبھل بیٹھو تمھارا عاشقِ فرزانہ آتا ہے

کروں صیاد سے میں شکوۂ جورِ اسیری کیا
قفس میں ہر کسی کو لیکے آب و دانہ آتا ہے

عجب جانسوز شمعِ عشق روشن کی ہے ظالم نے
جسے دیکھو ادھر ہی صورتِ پروانہ آتا ہے

جھلک جاتے ہیں نقشے ساغر و مینا کی آنکھوں میں
جہاں کچھ ذکرِ کیفِ مجلسِ رندانہ آتا ہے

نہیں ہے بے سبب سر در گریباں یار کا ہونا
کوئی پڑھ کر سنانے قیس کا افسانہ آتا ہے

غیرتِ گلزارِ رضواں دل ہی کا کاشانہ ہے
شاہدِ خلوت نشیں جب سے چراغِ خانہ ہے

بے سبب کب چشمِ جاناں نرگسِ مستانہ ہے
مردمِ دیدہ کے ہاتھوں میں مگر پیمانہ ہے

جو تری محفل سے اُٹھا اے پری دیوانہ ہے
جو یہاں اے شمع رو آیا ترا پروانہ ہے

مرنے پر بھی جو روشِ دل کی ہے بیتابانہ ہے
میری تربت پر ہجومِ آہِ مظلومانہ ہے

واہ مجھ میں بھی عجب کچھ ہمتِ مردانہ ہے
دوستوں سے دوستی دشمن سے بھی یارانہ ہے

اس میں کوئی رمز ہے یا نازِ معشوقانہ ہے
کیوں نگاہِ یار ہم سے آج مجوبانہ ہے

تو گرفتارِ بلا میرا دلِ دیوانہ ہے
اور رمزِ عاشقی سے یک قلم بیگانہ ہے

پھر وہی جوشِ جوانی کی ترنگیں چھا گئیں
پھر وہی ہر ہر قدم پر لغزشِ مستانہ ہے

ہم نہ تھے طفلی میں بھی پابند راہ و رسم کے
ابتدا ہی سے ہماری وضع آزادانہ ہے

طائرِ روحِ رواں کی کیا بتاؤں میں غذا
رنگ رُخ ہے آب خالِ روئے زیبا دانہ ہے

میرے نیک و بد سے اے واعظ نہ کر تو چھیڑ چھاڑ
مسلک آزادانہ ہے مذہب مرا رندانہ ہے

اُس سے آنکھیں ملتے ہی کیوں بیخودی سی چھا گئی
گردشِ چشمِ پری کیا گردشِ پیمانہ ہے

سُن کے سوزِ غم سے مضطر ہوتے ہیں اغیار بھی
اس قدر پُر درد میرے ہجر کا افسانہ ہے

زاہدوں کو ہو مبارک کعبہ و مسجد کی سیر
ہم سے رندوں کے لیئے کافی درِ میخانہ ہے

تھے کبھی فرہاد و مجنوں رونقِ کہسار و دشت
اب ہمارے نالوں سے آباد ہر ویرانہ ہے

دیکھ اے ناصح تو میرے دل کی بربادی نہ کر
درحقیقت کعبہ ہے ظاہر میں گو بتخانہ ہے

وہ سراپا ناز ہے ہم پاؤں سے سر تک نیاز
اس لیئے طرزِ کلامِ یار بیباکانہ ہے

آنسوؤں سے دونوں آنکھوں میں ہے اک طوفان نوح
کثرتِ سوزِ محبت سے دل آتش خانہ ہے

اُس بُتِ بے مہر کے مانند کروٹ تک نہ لی
میری قسمت میں بھی گویا نازِ معشوقانہ ہے

خانۂ دل جس میں تھا پرتو فگن اک رشکِ حور
حسرتوں سے آج کل معمور وہ کاشانہ ہے

کہہ دو اب شرم و حیا کو بھی کہ ٹل جائیں ذرا
کیونکہ اس دم ہم سے تم سے ربط گستاخانہ ہے

اس قدر اے بلبلِ نالاں تو اب زاری نہ کر
کچھ دنوں کنجِ قفس کا اور آب و دانہ ہے

ہائے کس شوخی سے اُس نے دل ہمارا لے لیا
جس کو ہم نادان سمجھے تھے بڑا فرزانہ ہے

میں ہوں نازک طبع یارب دیکھیے کیونکر نبھے
لوگ کہتے ہیں مزاجِ یار بھی شاہانہ ہے

شمع فانوسی سے مجھ حسرت زدے کو کام کیا
شعلۂ داغِ جگر میرا چراغِ خانہ ہے

دیکھ اے جراح تو بہرِ خدا ٹانکے نہ دے
یہ دلِ صد چاک زلفِ دلربا کا شانہ ہے

خشمگیں پا کر تجھیں میں نیم بسمل کیوں ہوا
ابروؤں میں بل ہے یا تلوار کا دندانہ ہے

ہے ہجومِ یاس و حسرت اس دلِ پُرداغ میں
کچھ دنوں عشرت کدہ تھا اب تو ماتم خانہ ہے

تم کو آنا ہے تو آؤ سر کے بھل اے واعظو
یہ رہِ کعبہ نہیں ہے کوچۂ جانانہ ہے

چلبلی صورت کوئی تم نے کہیں دیکھی ہے کیا
کیوں تمھارا شوق دل اے قیس بیتابانہ ہے

تیغِ آہن اور لوہے کی کٹاری اور ہے
خنجرِ ابرو میں تیرے آبداری اور ہے

ہجر کی شب گو بلائے دم شماری اور ہے
جان کی دشمن تو یہ اُمیدواری اور ہے

غش میں آنا ہی مرا ہے اک تعجب خیز امر
حیرت افزا اس پر اتنی ہوشیاری اور ہے

دل ہی پہلو میں چھپا رکھنا ہے جب دشوار کام
اور باتوں میں تو پھر بے اختیاری اور ہے

عرصۂ محشر میں تم پہنچو نظر نیچی کیے
ہم کہیں خالق سے وجہِ شرمساری اور ہے

ہوں وہ لاغر قبر تک دوشِ صبا پر جاؤں گا
سب کے تابوت اور ہیں میری سواری اور ہے

جان کر میں نے خطا کی ہو تو پھانسی دیجیے
ورنہ ہوں مجبور فعلِ اضطراری اور ہے

یوں تو گرما گرم آہیں کس کی کیا کرتیں نہیں
تیرے بیماروں کی لیکن آہ وزاری اور ہے

دیکھئے کیا ہو منجم تو ستارے دیکھ کر
کہتے ہیں تھوڑے دنوں گردش تمھاری اور ہے

کون گلزارِ جہاں میں پھولتا پھلتا نہیں
ہاں مری تقدیر کمبختی کی ماری اور ہے

سب نے اے پیرِ فلک تیری عنایت دیکھ لی
ہو چکی یا کچھ سزا باقی ہماری اور ہے

پانی پانی ہو کے غم سے دل جگر بہنے لگے
ان دونوں آنکھوں کو شغلِ اشکباری اور ہے

آرزو یہ ہے کہ میں ساری مصیبت جھیل لوں
اے شبِ فرقت کوئی شب تجھ سے بھاری اور ہے

عشق میں مرنے کو تو فرہاد و مجنوں بھی مرے
بات اتنی ہے کہ میری جاں نثاری اور ہے

وہ سرِ بالین خدا جانے کہ یہ کیا کہہ گئے
صبر کر دو چار ساعت بیقراری اور ہے

بے محل ناصح سے کچھ باتیں نہ ہوں تکرار کی
آج کل سنتے ہیں رسمِ پند جاری اور ہے

تم میں ہیں جتنی ادائیں سب کی سب مقبول ہیں
جو ادا ہے دل چرانے کی وہ پیاری اور ہے

اس قدر غافل ہے کیوں تو او وفا ناآشنا
روز افزوں دیکھ میری دلفگاری اور ہے

ایک تو مرتا ہوں خود ہی رنجِ ہجرِ یار میں
باعثِ اندوہ و غم بادِ بہاری اور ہے

کل ہی روزِ حشر ان سب کی جزا مل جائیگی
آج ہی بھر اے ستمگر تیری باری اور ہے

سنکے ذکرِ جام مے احباب ہنس دیتے ہیں کیا
قیسؔ سرمستِ ازل کی بادہ خواری اور ہے

قیامت ہے مصیبت ہے بلائے ناگہانی ہے
مرے حق میں ستم اے بت تری اٹھتی جوانی ہے

یہاں تو درد ہے غم ہے الم ہے ناتوانی ہے
وہاں جلسے ہیں محفل ہے خوشی ہے قصہ خوانی ہے

کسی سے دھول دھپا ہے کسی سے بدزبانی ہے
خدا سے ڈر یہ کیا عادت تری اے یار جانی ہے

بتاؤں کیا کہ تجھ میں حسن کی کیا کیا نشانی ہے
پری کا جسم نقشا حور کا صورت سہانی ہے

تجھے مرغوب او کافرا اگر نامہربانی ہے
تو بہتر زہر ہی کھا لینے کی ہمنے بھی ٹھانی ہے

ہنسی کی باتوں میں کیوں ہوگئیں تم روٹھی بھیکی سی
اِدھر دیکھو یہی کیا دل جلوں کی قدردانی ہے

لڑا کر اُن سے آنکھیں شکل بسمل ہم تڑپتے ہیں
نگاہِ ناز میں شمشیرِ برّاں کی روانی ہے

کسی کے آڑے آتا ہے کوئی کب اس زمانے میں
کہاں کے دوست کیسے آشنا یہ سب کہانی ہے

چڑھا کر آستینیں آج غصّے میں وہ نکلے ہیں
دلوں پر خوف چھایا ہی لہو ہر اک کا پانی ہے

ہمیشہ بات پیچھے ڈھب کڈھب تلوار چلنا کیا
ذرا کچھ سوچ تو دل میں یہ کیسی خونفشانی ہے

میں اس قابل نہ تھا لیکن تم آئے تو زہے قسمت
عنایت ہے نوازش ہے کرم ہے مہربانی ہے

اِدھر دیکھا اُدھر جھانکا اِسے بھانپا اُسے تاکا
یہی دنیا کی لذت ہی یہی لطفِ جوانی ہے

مجھے کیا پوچھتے ہو میں نے اپنی جان تک دیدی
بھلا تم نے بھی میری بات کوئی دل سے مانی ہے

کفن باندھے ہوئے سر سے کھڑے ہیں ہم بھی مقتل میں
خبر لے جلد اے قاتل بڑی تشنہ دہانی ہے

عدو نے لاگ باندھی مجھ سے تو کوئی سبب ہوگا
غضب ہے یہ کہ تو بھی درپئے ایذا رسانی ہے

رہونگا تیرے ہی کوچے میں پیوندِ زمیں ہو کر
اسی دن کے لئے برسوں یہاں کی خاک چھانی ہے

وہ میرا حال پوچھیں تو یہ کہدینا تو اے قاصد
جگر میں درد آہیں سرد چہرا زعفرانی ہے

جو آئے ہو تو وہ باتیں کرو جس سے کہ دل بہلے
نہ پوچھو سرگزشتِ ہجر آفت کی کہانی ہے

گلے شکووں سے مطلب کیا غرض کیا سر کو دھننے سے
رکھے جس حال میں چاہے خدا کی مہربانی ہے

ہمیں تم خوب سمجھے ہم نے مانا پھر غرض مطلب
بتاؤ تو حقیقت اپنی بھی کچھ تم نے جانی ہے

بلا کر اپنے گھر کیوں مجھ کو صلواتیں سناتے ہو
اسی کا نام خاطر ہے یہی کیا مہمانی ہے

کسی کو پھوٹی آنکھوں بھی جو دیکھا ہو قسم لیلو
یہ کیوں روٹھے ہوئے بیٹھے ہو کیسی بدگمانی ہے

مجھے کچھ حال کہنا ہے ابھی کسطرح جاؤ گے
ذرا ٹھہرو سنو تو کس مزے کی یہ کہانی ہے

نہ اُس کو پاس الفت ہے نہ تم کو صبر کی طاقت
پھر اب تک کس لیئے اے قلیس اتنی جانفشانی ہے

مجھے دل کی تپک ہی میں ہے لذت زندگانی کی
خلش رہنے دو اے چارہ گرو دردِ نہانی کی

کھلی تلوار کی دھاروں جو قدر اس ارزانی کی
گلا دے کر نکالی راہ عمرِ جاودانی کی

تم آکر آپ ہی میرے دلِ مضطر کو سمجھاؤ
تمنّا اس کو ہے اے یار تم سے ہم زبانی کی

کبھی آہِ شرر افشاں کبھی ہے سیل اشکِ غم
کبھی ہیں آگ کے شعلے کبھی موجیں ہیں پانی کی

خدارا اب نگاہِ لطف ہو اے گردشِ دوراں
میں کب تک آفتیں جھیلوں بلائے آسمانی کی

جگر جب بہ چکا تھا خون ہو ہو کر تو کیا کرتے
کھلا کر لختِ دل تیرِ نظر کی میہمانی کی

ترے ہوتے جگہ دونگا میں کس کو اپنے پہلو میں
قیامت ہے یہ تو نے کس غضب کی بدگمانی کی

کسی کی چشم میگوں کی نظر کا مجھ کو نشہ ہے
ہوس اے مغبچو کیا ہو شرابِ ارغوانی کی

تری چالوں سے جب پامال ہی ہونا مقدر تھا
کروں کیا تجھ سے فریاد اے فلک نامہربانی کی

نہ اترا حلق سے آبِ دمِ شمشیر قاتل بھی
مصیبت مرتے دم تک رہ گئی تشنہ دہانی کی

سرِ محفل عدو کے سامنے آنکھیں دکھاتے ہو
یہ اچھی قدر کی تم نے ہماری جانفشانی کی

نیاز و ناز کے صدقے مچی ہے دھوم عالم میں
تجلی جس نے شمعِ طور سینا کی نہ دیکھی ہو
پسِ مردن جو مرقد میں لٹایا اپنے ہاتھوں سے

تری آتش زبانی کی مری شیریں بیانی کی
حقیقت کیا وہ سمجھے گا تمھاری لن ترانی کی
بڑی تم نے عنایت کی نہایت قدردانی کی

نہ پوچھ اے قیس کیونکر دردِ دل تھام لیتا ہوں
کبھی جب یاد آجاتی ہیں باتیں نوجوانی کی

وصل میں ناز سے مُنہ پھیر کے سونے والے
رخصت اب تجھ سے کوئی دم میں ہیں ہونیوالے
آبروریزیِ محشر سے بچانا مجھ کو
حشر میں کہتے ہوئے اُٹھیں گے یوں تیرے شہید
کہتے ہیں ناز سے ٹھکرا کے مری تربت وہ
میری فریاد و فغاں سُن کے وہ فرماتے ہیں
پھر دبے پاؤں وہی فتنۂ حشر آتا ہے
طاقتِ صبر نہیں جوش میں ہیں دیدۂ تر
کہتے ہیں خون جگر دیکھ کے آنکھوں سے رواں
غیروں میں کرتے ہیں اظہار محبت کیا خوب
مدد اے ضعف کوئی نالہ تو مُنہ سے نکلے
دل کو تھامے ہوئے ہاتھوں سے چلے آتے ہیں

کچھ نہ سمجھے ہمیں یہ کون ہیں رونے والے
تیرے عاشق دل و جاں ساتھ ہی کھونے والے
اے مجھے بحر محبت میں ڈبونے والے
ہیں کہاں خون سے دامن کو بھگونے والے
جاگ اے ہجر میں آرام سے سونے والے
کب فنا ہونگے زمانے سے یہ رونے والے
کہدو ہشیار رہیں قبروں کے سونے والے
اب غضب ڈھائینگے ظالم ترے رونے والے
لعل و گوہر ہیں یہ ڈوروں میں پرونے والے
زہر ہیں آپ مرے واسطے بونے والے
کسطرح سوتے ہیں دیکھیں تو یہ سونے والے
ہچکیاں لے کے سر قبر وہ رونے والے

میری جانب نگہِ لطف سے دیکھیں تو ذرا
آبِ رحمت سے سیہ نامے کے دھونے والے

ندیاں خون کی بہتی ہیں مگر یاد رہے
حشر کے دن ہیں یہ سب فیصلے ہونے والے

تجھ کو پرویز کی لینا تھی خبر اے فرہاد
جان کھوتے نہیں یوں جان کی کھونے والے

قیس کی لاش چلی کوئی یہ کہدے کہ چلیں
زلف بکھرا کے جگر تھام کے رونے والے

لی تم نے مری جان اگر کم سخنی سے
زندہ بھی تو کر دو کبھی شیریں دہنی سے

عاشق ہوں غرض کچھ نہیں دنیاے دنی سے
کیا مانگوں بجز تیرے میں تجھ ایسے غنی سے

شاید نظرِ چشم محبت بھی گراں ہے
مرجھاے چلے جاتے ہو نازک بدنی سے

مجھ کو نہ کہیں پھونک دے یہ برق تبسم
کوندا اُٹھتی ہے بجلی سی تری خندہ زنی سے

تم قتل کرو پھر سببِ قتل کی پرسش
محشر میں ہو اُلٹے مجھی گردن زدنی سے

شکوا مجھے کرنا ہی نہ تھا درد جگر کا
زخموں کو لگے چھیڑنے برچھی کی انی سے

جانا ہے سوِ خلد یہی بھیس بدل کر
اچھی کوئی پوشاک نہیں ہے کفنی سے

ہے سخت خمار آج وہ شئے چاہیئے مجھ کو
بیچین نہ ہونے دے جو اعضا شکنی سے

حاصل نہ ہوا وصل تو ہوتا ہے وصال اب
جھگڑا ہی چکاتا ہوں میں ہیرے کی کنی سے

کیا پوچھتے ہو مجھ کو ٹھکانا نہیں معلوم
بے نام ونشاں ہوں میں غریب الوطنی سے

اب تو مری فریاد خدا بھی نہیں سُنتا
مشکل ہے کہ جیتے کوئی قسمت کے دھنی سے

دو لاکھ حسیں ایسے زمانے میں پڑے ہیں
تم پھولے سماتے نہیں گل پیرہنی سے

اور ترچھی نگاہوں سے مجھے دیکھنے والے
چھلنی ہے کلیجا تری ناوک فگنی سے

ہونٹوں کو ترے سنگ محقر سے ملانا
لعلوں کی ہے تشبیہ عقیقِ یمنی سے

اے قیسؔ کوئی بات بنائے نہیں بنتی
مجبور ہوں کمبخت دلِ ناشدنی سے

آپ کی ایسی نظر ہم پر کبھی کاہیکو تھی
یہ محبت یہ ہنسی یہ دل لگی کاہیکو تھی

رات دن یہ بے سبب آزردگی کاہیکو تھی
بے وفائی کج ادائی بے رُخی کاہیکو تھی

مجھ سے فرقت میں نہ پوچھو دم شماری کا مزا
اک بلا تھی میرے سر پر زندگی کاہیکو تھی

دیکھتے ہیں ہم جو اپنے دور میں اے بے وفا
عاشقوں پر یہ جفا پہلے کبھی کاہیکو تھی

میرے رونے سے نہ پڑتی کس طرح ہلچل تمام
تھا بپا طوفان اشکوں کی جھڑی کاہیکو تھی

تم کو خود منظور تھی مقصد برآری میں درنگ
خاطرِ اغیار سے پہلو تہی کاہیکو تھی

خرمنِ ہوش و خرد برقِ تبسم سے پھُنکا
باعثِ بربادیِ دل تھی ہنسی کاہیکو تھی

مائلِ حسنِ بتاں جب تک نہ تھا میں نیم جاں
میرے ہر ہر کام میں یہ بے بسی کاہیکو تھی

مجھ کو تھا محروم ہی رکھنا جو نقدِ وصل سے
عشق کی سرکار سے خدمت ملی کاہیکو تھی

بے قراریِ شبِ فرقت جو میں سب کہہ چکا
ہنسکے بولے سب بجا سب کچھ سہی کاہیکو تھی

آج میری قبر پر آیا ہے وہ رشکِ قمر
تجھ سے یہ اُمید اے جذبِ دلی کاہیکو تھی

تیری گردش نے ستایا کیوں مجھی کو اے فلک
چھوڑکر غیروں کو مجھ سے کجروی کاہیکو تھی

تم کو آنے میں اگر حیلا نہیں منظور تھا
وصل کی شب پاؤں میں مہندی لگی کاہیکو تھی

ہو نہ ہو اے جان اس میں کچھ نہ کچھ اسرار تھا
میرے مرنے کی تجھے اتنی خوشی کاہیکو تھی

مجھ کو حاصل تھا وہیں لطفِ بہارِ زندگی
جنۃ الفردوس تھی تیری گلی کاہیکو تھی

غیر سے ملنا اگر تھا آپ کو مدِّ نظر
چار دن کو مجھ سے اتنی دوستی کاہیکو تھی

رات دردانگیز باتیں جو سنائی تھیں تمھیں
وہ بیانِ حالِ دل تھا شاعری کاہیکو تھی

آ کے میری لاش پر مجھ سے کہا با چشمِ تر
کیوں جی ایسی بے کسی پہلے کبھی کاہیکو تھی

رات جلوا اُس مہِ نو کا جو میرے گھر نہ تھا
بام و در پر چاندنی چھٹکی ہوئی کاہیکو تھی

تیری الفت نے کیا ہے اس طرح خانہ خراب
مجھ کو از خود رفتگی ایسی کبھی کاہیکو تھی

سچ بتا اے رشکِ گل مجھ سے ہوئی تھی کیا خطا
اِس قدر بے فائدہ افسردگی کاہیکو تھی

وصل میں تم نے ہنسا کر جو مرا دل لے لیا
یہ بھی اک طرزِ ادا تھی گدگدی کاہیکو تھی

گھات میں بیٹھے ہوئے کرتے تھے صیدِ دل کی فکر
دھوکے کی ٹٹی تھی چلمن آپ کی کاہیکو تھی

تھی کسی کی یاد یا تھا میری آہوں کا اثر
رات بھر اے جان اتنی بیکلی کاہیکو تھی

دل لگا کر تجھ سے ہرجائی سے ہی خانہ خراب
قیسؔ کو سرگشتگی ایسی کبھی کاہیکو تھی

رُباعیات

حُسنِ مہ و مہرِ پُرضیا کو دیکھا
ہر نقش و نگار خوشنما کو دیکھا
مصنوع میں صانع کی تجلی ہے ضرور
پھر کیوں نہ کہیں ہم کہ خدا کو دیکھا

دریا۔ جنگل۔ پہاڑ۔ صحرا دیکھا
یا دیر و حرم ہو یا کلیسا دیکھا
دوڑائیں تمام ہم نے آنکھیں اے قیسؔ
جز قدرتِ حق نہ کچھ تماشا دیکھا

مشکل ہے سخن سنجوں میں داخل ہونا
آسان نہیں کسی کا کامل ہونا
میں ننگِ فنِ نظم ہوں بیشک اے قیسؔ
ہے اِس کی دلیل صاف جاہل ہونا

بلبل کو چمن میں غل مچاتے دیکھا
سنبل کو بھی پیچ و تاب کھاتے دیکھا
گلزارِ جہاں میں خوب دیکھا اے قیسؔ
ہر طائرِ دل کو پھڑپھڑاتے دیکھا

دُنیا میں بدل بدل کے سو سو قالب
بنتے ہیں بہت لوگ خدا کے طالب
لیکن جو بچشمِ غور دیکھا اے قیسؔ
ہے حرص و ہوا کا رنگ سب پر غالب

اسلام ہی بہتر سے ہے بہتر مذہب
توحید ہے جس میں اصل و اعلیٰ منصب
ہم غیر کے آگے نہیں جھکنے والے
کافر ہے جو رکھے ماسوا سے مطلب

ہے عجز و نیاز وہ مبارک خصلت
ہوتی ہے بشر کو جس سے حاصل رفعت
موسیٰ نے پیمبری اسی سے پائی
فرعون نے کبر سے دوامی لعنت

دنیا میں ہزار کوئی پائے عزت
عقبیٰ میں نہ ہو گی لیکن اس کی وقعت
ہے دونوں جگہ میں کامرانی اس کو
ہاتھ آئی ہو جس کو دین حق کی دولت

اے قیس میں کیا بتاؤں اپنی حالت
استاد کے غم نے سب بگاڑی صورت
بخشی تھی عجیب سربلندی مجھکو
شمشاد کی روح پر خدا کی رحمت

ان ماہوشوں سے دل لگانا ہے عبث
بارِ غم و درد و رنج اُٹھانا ہے عبث
گھُل گھُل کے مثال شمع سوزاں اے قیس
اشک آنکھوں سے رات دن بہانا ہے عبث

ایسے نہ تھے ہم کبھی کہ ہیں جیسے آج
بے نام و نشاں کر کے گھر اپنا تاراج
تعبیر مگر یہ خواب غفلت کی ہے
پھرتے ہیں جو در بدر ذلیل و محتاج

کیا پوچھتے ہیں لوگ ترقی کی صلاح　　پیدا کریں پہلے علم و فن کی مفتاح
پھر کسب ہنر میں مرد کامل بنکر　　کھولیں در سعی تاکہ حاصل ہو فلاح

باتوں میں ہو لاکھ رنگ ندرت کا شوخ　　انداز بیاں میں لطف شوکت کا شوخ
سچ پوچھو تو میں یہی کہونگا اے قیسؔ　　شاعر ہے وہی جو ہو طبیعت کا شوخ

کیونکر نہ دکھاؤں رنگ وروی ایجاد　　ہوں آئینۂ جمال فیضِ اُستاد
اے قیسؔ مری نظم میں جو کچھ ہے ضیا　　ہے نور افادات جنابِ شمشادؔ

دنیا سے جب اُٹھ گئے جنابِ شمشادؔ　　رُو رُو کے کہا قیسؔ نے ہے ہے اُستاد
گلزار سخن کو اب خزاں نے لوٹا　　ہر تختۂ گل کی ہو گی مٹی برباد

ہے تیرے گلے میں یار اچھا تعویذ　　آنکھیں نہیں ٹھہریں جس پر ایسا تعویذ
چشمِ بد اغیار سے بچنے کے لیئے　　بہتر ہے رہے رد بلا کا تعویذ

دنیا میں اگرچہ عیش و عشرت ہے لذیذ　　خواب و خورد و دورِ جام صحت ہے لذیذ
عشاق کے حق میں سب سے بڑھکر لیکن　　افسانۂ سوزشِ محبت ہے لذیذ

یہ زہد یہ ورع یہ بلا کی تقریر
اُس پر ہے عجیب تر لباسِ تزویر
اے قیسؔ یہ کیا ستم ہے توبا توبا
لب پر تو خدا دل میں بُتوں کی تصویر

رہتا ہوں شب و روز بحالِ مضطر
دل آتش غم سے بنگیا ہے مجمر
کس طرح چھپاؤں رازِ الفت اے قیسؔ
آنکھوں سے ٹپک پڑتے ہیں آنسو اکثر

در مجلسے از مجالس مشاعرہ رفتہ بعالم دل گرفتگی گفتہ شد

بزمِ شعرا میں لب ہلائیں کیونکر
افسردہ ہیں شعر ہم سُنائیں کیونکر
لیکن ہے یہ صحبتِ احبا اے قیسؔ
آئے ہیں تو خالی جائیں کیونکر

وصفِ رُخِ یار میں قلم ہے گلریز
ہے رنگ گلِ تازہ مہک عنبر بیز
اِن باتوں کی کیا کوئی حقیقت سمجھے
قدرت کے کرشمے ہیں تعجب انگیز

جس روز کہ ہوگی سب کی حالت معکوس
بن جائیں گے عضوِ تن تمامی جاسوس
یارب مجھے آس تیری رحمت کی ہے
تو بندہ نواز ہے نہ کرنا مایوس

دنیائے دنی کی حرص بیجا کب تک
دولت کی ہوس اور تمنا کب تک
اس گلشنِ پُر خار جہاں میں اے قیسؔ
بے یادِ خدا سیر و تماشا کب تک

فرقت میں رولا رہا ہے کیا کیا بادل
پانی کی جھڑی پھر اُس پر ایسا بادل
سب محو طرب و فور مستی میں ہیں
میرے لیے ہے مگر یہ غم کا بادل

جب سے کہ ہوا ہے یار جانی برہم
کھاتے ہیں غم و رنج کلیجا ہر دم
آنکھوں سے ٹپکتے ہیں بسانِ شبنم
قطرے آنسو کے تا بدامن پیہم

کیونکر نہ ظرافت ہو ہماری مذموم
جب راحت و عیش یکقلم ہے معدوم
اب جودت طبع کیا دکھائیں اے قیسؔ
فکرِ سخن و تلاش مضمون معلوم

ہمت ہے نہ دولت نہ علوم اور فنون
فیشن کی وبا میں ہیں مگر سب مفتون
ابنار زمانہ کی روش کیا کہئیے
صاحب بنے بس پہن کے جاکٹ پتلون

بے سود بنا رہے ہو مہمل باتیں
دن سیکڑوں گزرے آئیں صد ہا راتیں
منظور جو تم کو ہم سے ملنا ہوتا
آجاتے نکال کر ہزاروں گھاتیں

آزردہ جو ہو کے وہ چلے جاتے ہیں
کہنے سے کسی کے پھر کہاں آتے ہیں
ہیں قیسؔ مگر کچھ ایسے کامل استاد
باتوں باتوں ہی میں منا لاتے ہیں

وہ حُسن خدا داد وہ صورت دلخواہ
با اینہمہ یہ غرور خالق کی پناہ

ایسوں سے کبھی نبھے گی الفت اے قیس
لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ

ہاں تیرے سوا یہ لطف پایا کس نے
جینے کا مزا یہاں اُٹھایا کس نے

پریوں کو کیا جو تو نے تابع اے قیس
سچ کہ یہ عمل تجھے سکھایا کس نے

در ۱۸۹۶ء طرح مشاعرہ دادہ خواندہ شدہ بود

اللہ نے کس طرح کی دولت بخشی
قطرے کو ہے عمان کی قسمت بخشی

اس بزم مشاعرہ میں آکر اے قیس
ارباب سخن نے مجھ کو عزت بخشی

کامل ہے وہ بیشک جو سلاست دیکھے
قابل ہے یقیناً جو متانت دیکھے

اکمل ہے وہی جو بے تعصب اے قیس
ہر رنگ میں شاعر کی طبیعت دیکھے

ہمسے تو بتوں کی بے وفائی ٹھہری
نالوں سے اثر کی کج ادائی ٹھہری

اے قیس ہوا ہے سخت مشکل جینا
اب موت کی روح سے لڑائی ٹھہری

مدت ہوئی ہم کو آہ وزاری کرتے
گزرا ہے زمانہ اشکباری کرتے

آگے سے خبر جو اس ستم کی ہوتی
بھولے سے بھی ہم نہ جاں نثاری کرتے

خمسجات

خمسہ بر غزل مرزا اصغر علی خان نسیمؔ دہلوی

رنگ چہرے کا اُڑے گا غم کلیجا کھائیگا
یوں تو کیا سمجھیں گے حضرت کیا کوئی سمجھائیگا
درد دل اُٹھ اُٹھ کے بسمل کی طرح تڑپائیگا
ہم پہ جو جو کچھ ہوا سب آپ پر کھُل جائیگا
بندہ پرور دیکھنا جب دل کسی پر آئیگا

وصل کی شب کٹتے ہی جب مجھسے وہ ہونگے جدا
کوئی بھی ایسا نہیں جس کا ہو مجھ کو آسرا
کیا کرونگا بیکسی میں جان دینے کے سوا
بخت بد دشمن فلک بیزار خویش و اقربا
کس کو رحم آئے گا مجھپر کون اُنھیں سمجھائیگا

فرط سوز رنج و غم نے کر دیا ہے نیمجاں
سخت مشکل ہے کہ اب میں کیا کروں جاؤں کہاں
لاغری سے ہے مرا سر دوش پر بارِ گراں
تیغ زنگ آلودہ خنجر کند بازو ناتواں
مجھ کو مرنے کے لئے جلاد بھی ترسائیگا

گریہ و زاری سے مجھ کو کام ہے شام و پگاہ
دل ہی چھلنی ہو گیا کیونکر نہ آئے لب پر آہ
شکل جینے کی نہیں اللہ ہے اس کا گواہ
فاتحہ پڑھیئے کہ رُکنے کا نہیں تیرِ نگاہ
اُن کو اس سے کیا غرض کوئی اگر مر جائیگا

آج اُنھوں نے لام باندھے پہلے مجھپر تیر کے
پھر کیئے خود ظالمانہ وار بھی شمشیر کے

ہوں یہ سب احسان شاید خوبیِ تقدیر کے

کیوں نہ صدقے ہوں میں اپنے جرم بے تقصیر کے

قتل کے بعد ایک مدت تک اُنھیں شرمائیگا

خوف کس کا ہے مجھے جامِ شہادت بھر کے دے

غیر ممکن ہے جو کوئی خون کا دعویٰ کرے

ہاں اگر ڈر ہے تو یہ اے قاتل اسکو سوچ لے

مُنہ پہ گلگونہ لہو کا میرے ملکر شرم سے

دیدۂ جوہر نیامِ تیغ میں چھپ جائیگا

حشر کے دن روبروے صاحبِ عرشِ بریں

شرم سے نیچی رہینگی اُس کی چشمِ سرمگیں

جرم قتلِ بے گنہ بھلا کوئی چھپتا ہے کہیں

پاکدامن فیض ابرِ تیغ کر سکتا نہیں

رنگ خون قاتل کے پیراہن سے کیونکر جائیگا

نفی واثباتِ دہن میں ہیں ہزاروں مخمصے

توڑ دو مُہر خموشی تاکہ یہ جھگڑا چکے

بدزبانی میں بھی لاکھوں طرح کے ہونگے مزے

صدقے اُس دشنام کے جو آپکے مُنہ میں رہے

ایسی جاے مختصر کوئی کہاں سے پائیگا

مجھکو سر کا کچھ نہیں خوف وخطر راضی ہوئیں

شوق سے وہ باندھ لیں اپنی کمر راضی ہوئیں

کردیں میرا فیصلا اب جلدتر راضی ہوئیں

جان جائیگی بلا سے ذبح پر راضی ہوئیں

اُنکا زانو تو بھلا سینے پہ میرے آئیگا

مائلِ پرواز دم ہے جسم لاغر خاک پر

ضعف سے آنکھیں رہا کرتی ہیں بند آٹھوں پہر

لیکن اس پر بھی کہے دیتے ہیں اے رشکِ قمر

گو تقاضاے اجل سے جان لب پر ہے مگر

اور بھی کچھ دن ہمیں وعدا ترا ٹھہرائیگا

جوشش وحشت نے چھڑوائی جو راہِ مستقیم
قیس کی صورت رہے جنگل میں ہم بے خوف و بیم
شوق عریانی میں پھینکا جامۂ عقلِ سلیم
تار تک رکھتے نہیں دامن کہاں ہے اے نسیم
اشک آکر آنکھ میں کیا کیا ہمیں شرمائیگا

خمسہ بر غزل خواجہ حیدر علی آتش رح

قمر کو رشک ہے جوشِ صفائے یار پر کیا کیا
جلی ہے شمع غیرت سے ضیائے یار پر کیا کیا
فدا ہے عطر بوئے جانفزائے یار پر کیا کیا
گلوں نے کپڑے پھاڑے ہیں قبائے یار پر کیا کیا
حنا پس پس گئی ہے دست و پائے یار پر کیا کیا

مرا ہوں میں لبِ معجز نمائے یار پر کیا کیا
مٹایا عشق نے مجھ کو ادائے یار پر کیا کیا
رکھا ہے جب بھی سر کو نقش پائے یار پر کیا کیا
کیئے ہیں شکر کے سجدے جفائے یار پر کیا کیا
رہا ہے دل مرا راضی رضائے یار پر کیا کیا

ملی جب ہاتھوں میں مہندی کسی رنگیں طبیعت نے
جمایا رنگ اپنا شاخ مرجاں پر بُری گت نے
نہیں دی ضبط کی طاقت ذرا بھی جوشِ ہمت نے
گلے کو کاٹ کر اپنے شہیدانِ محبت نے
لہو کے گھونٹ گھونٹے ہیں حنائے یار پر کیا کیا

نہ ہو رُخ اُس کی جانب کس طرح ساری خدائی کا
لیا ہو جسکے آگے مہر نے کاسا گدائی کا
یہ ادنیٰ سا ہے مذکور اُس پری کی دلربائی کا
خیال آیا ہے اُس خوشرو کو جو صورت نمائی کا
ہوئے ہیں آئینے حیراں صفائے یار پر کیا کیا

بڑھائی رونقِ روے حسیں پان اور مستی نے
لیے کیا کیا دلِ ارباب دیں پان اور مستی نے
بنا کر لب کو رشکِ مشک چیں پان اور مستی نے
جزاے خیر دے خالق انھیں پان اور مستی نے
دکھائے رنگ لعلِ بے بہاے یار پر کیا کیا

اگرچہ اپنے پہلو میں رکھا مثلِ جگر ہم نے
مگر اس پر بھی غیرت کی ترقی دیکھکر ہم نے
نہ پڑنے دی کسی کی آنکھ تک اُس شوخ پر ہم نے
کیا ہے ٹکڑے ٹکڑے آئینے کو بیشتر ہم نے
ہوا ہے رشک صورت آشناے یار پر کیا کیا

سنبھالا ہجر میں گو لاکھ صورت ہم نے آنکھوں کو
دلا کر آخر اُمیدِ زیارت ہم نے آنکھوں کو
مگر پایا بہت بے صبر و طاقت ہم نے آنکھوں کو
سجھا رکھا ہے احوالِ قیامت ہم نے آنکھوں کو
بندھے گی ٹکٹکی اپنی لقاے یار پر کیا کیا

بگاڑا گیسوے پُرپیچ نے نقشا جو سُنبل کا
نتیجا یہ ہوا اے ناصح ان اوصاف کے غل کا
تو رُخ نے رنگ پھیکا کر دیا ہے باغ میں گل کا
رہا مجمع ہمیشہ عاشقانِ بے تحمل کا
اڑے مفلس درِ دولت سراے یار پر کیا کیا

اُڑائی طرزِ معشوقانہ اُس کی جامہ زیبی نے
بنا کر عقل سے بیگانہ اُس کی جامہ زیبی نے
لیے کتنوں کے دل نذرانہ اُسکی جامہ زیبی نے
کیا ہے اک جہاں دیوانہ اُسکی جامہ زیبی نے
گریباں چاک ہوتے ہیں قباے یار پر کیا کیا

ہمیں مشتاقِ لطفِ دید بازی سیر میں پا کر
سمجھکر عاشقِ صادق دفورِ جوش میں آکر
جِلایا آرزوے مردہ کو پاؤں سے ٹھکرا کر
کیا ہے خوش خرامِ ناز کا عالم جو دکھلا کر

ملیں ہیں ہم نے آنکھیں پشتِ پائے یار پر کیا کیا

جہنم سے نہ ڈرتے ہیں نہ کچھ جنت کی پروا ہے
کہاں اب دوسرا کوئی نگاہوں میں سماتا ہے
نہ پریوں سے غرض مطلب نہ حوروں کی تمنا ہے
قبائے تنگ پر رکھے کلاہِ کج جو دیکھا ہے
ہماری جان نکلی ہے ادائے یار پر کیا کیا

یہاں تک شرم نے گھیرا ہے اُس آشفتہ گیسو کو
خدا غارت کرے اس کافرِ بے دین و بدخو کو
کہ مشکل ہو گیا ہے سونگھنا زلفوں کی خوشبو کو
اُٹھانے دی نہ آنکھ اوپر شبِ وصل اس نے ابرو کو
چڑھا ہے جن مرے ضد سے حیائے یار پر کیا کیا

نہ دیتا کاش وہ مجھ قیس کو رنج و ملال آتش
اِدھر رخصت ہوا یں اور اُدھر سارا جمال آتش
کہ میری زندگی سے ہے یہ سب جاہ و جلال آتش
نہیں آئینہ کا میرے بعد شانے کا خیال آتش
پڑینگے پیچ گیسوئے رسائے یار پر کیا کیا

خمسہ بر غزل اُستاذ الاُستاذ حضرت خواجہ وزیر لکھنوی

دیکھکر سرگرم عشرت مجھ کو اتراتی ہے نیند
ناز و انداز سے شوخی سے آجاتی ہے نیند
کچھ مزا لینے نہیں دیتی ہے ترساتی ہے نیند
وصل میں رفتارِ معشوقانہ دکھلاتی ہے نیند
آج کن اٹھکھیلیوں سے آنکھوں میں آتی ہے نیند

مجھ کو میدانِ تصور میں جہاں پاتی ہے نیند
یا الٰہی کیا کہوں کس طرح اٹھلاتی ہے نیند
چین سے رہنے نہیں دیتی ہی چونکاتی ہے نیند
یادِ چشمِ سرگیں میں شب کو گراتی ہے نیند

صورتِ مرغِ نگہ آنکھوں سے اُڑ جاتی ہے نیند

ناز کرتی ہے نئے انداز دکھلاتی ہے نیند
پاس کب آتی ہے آٹھ آٹھ آنسو رُلواتی ہے نیند
ہائے قسمت شکلِ بسمل مجھ کو تڑپاتی ہے نیند
فرقتِ دلدار میں سہواً اگر آتی ہے نیند
آنکھ سے باہر ہی باہر آ کے پھر جاتی ہے نیند

عشق کو کچھ عام بیماری نہ سمجھا چاہیئے
جان تک لینے میں بھی عاری نہ سمجھا چاہیئے
بیخودی کو میری مکّاری نہ سمجھا چاہیئے
عین بیہوشی ہے ہشیاری نہ سمجھا چاہیئے
اہلِ غفلت کی تو بیداری بھی کہلاتی ہے نیند

جب سے دل دیکر ہوئے ہیں موردِ رنج والم
جوشِ گریہ سے رہا کرتی ہیں آنکھیں اپنی نم
صدموں پر صدمے جو دیتا ہے ہجومِ درد و غم
کروٹیں لے لے کے کہتے ہیں شبِ فرقت میں ہم
کس طرح اے خفتگانِ خاک آجاتی ہے نیند

فرطِ گریہ میں کہوں کیا عالمِ گردابِ چشم
کچھ بھی اب باقی نہیں اگلی سی آب و تابِ چشم
آنسوؤں سے موجزن ہے چشمۂ سیمابِ چشم
اُن کی فرقت میں نہ پوچھو سرگذشتِ خوابِ چشم
آجکل پائے نگہ کی ٹھوکریں کھاتی ہے نیند

دشت کے نزہت فزا جوبن کا جب آتا ہے ذکر
کوہ کی رنگینیِ دامن کا جب آتا ہے ذکر
لالۂ و گل سنبل و سوسن کا جب آتا ہے ذکر
سبزۂ خوابیدۂ گلشن کا جب آتا ہے ذکر
تب قفس میں کوئی دم بلبل کو آجاتی ہے نیند

ہجرِ جاناں میں نہ پوچھو کیا مصیبت سہتے ہیں
آنکھوں سے آنسو کے دریا اب برابر بہتے ہیں

رات بھر ہم مثل انجم جاگتے ہی رہتے ہیں | فرقتِ دلدار میں سونے کو مرنا کہتے ہیں

عاشقوں میں خواب مرگ ایسی ہی کہلاتی ہے نیند

کیا کہوں کیونکر گزرتی ہے غمِ دلدار میں | چٹکیاں لیتا ہے درد اٹھکر دلِ بیمار میں
آنکھیں جا لگتی ہیں چھت سے حسرتِ دیدار میں | نیند کو بھی نیند آجاتی ہے ہجرِ یار میں

چھوڑ کر بے خواب مجھکو آپ سو جاتی ہے نیند

عشق میں کھو بیٹھے نقدِ دل متاعِ صبر تک | جب بھی کوئی دن نہ پہنچے یار رشکِ بدر تک
حسرت و ارماں لیئے آئے ہم آخر قبر تک | کہتے ہیں سونا اسے چونکا نہ روزِ حشر تک

اس ہمارے بختِ خفتہ کی قسم کھاتی ہے نیند

دل کوئی صدما اُٹھائیگا پھڑکتی ہے جو آنکھ | کچھ جگر بھی چوٹ کھائیگا پھڑکتی ہے جو آنکھ
غم کوئی آکر رُلائیگا پھڑکتی ہے جو آنکھ | کیا غلط سمجھے وہ آئیگا پھڑکتی ہے جو آنکھ

آنکھ میں خوف شبِ فرقت سے تھراتی ہے نیند

رنگ کیا کیا ہجر میں مجھ زار سے لائی نہ تھی | میرے سر پر کونسی آفت بھلا ڈھائی نہ تھی
دیدۂ پُرنم سے گویا کچھ شناسائی نہ تھی | فرقتِ دلدار میں جو رات بھر آئی نہ تھی

وصل میں آتے ہوئے آنکھوں میں شرماتی ہے نیند

فرطِ غم سے رات بھر رہتا ہوں میں اندوہگیں | اس تمنا میں کہ بھولے سے بھی آجاتی کہیں
آنکھوں پر ہر چند میں رکھتا ہوں دستِ آستیں | منتظر رکھتی ہے غمزے کرتی ہے آتی نہیں

او بُتِ ترسا تری فرقت میں ترساتی ہے نیند

چلنے پھرنے کی بھلا طاقت کہاں پاتے ہیں پاؤں
شکل تارِ عنکبوت افسوس تھراتے ہیں پاؤں
سیکڑوں رنگ اس ارادے پر مرے لاتے ہیں پاؤں
کوئے جاناں سے جو اُٹھتا ہوں تو سو جاتے ہیں پاؤں
دفعتہً آنکھوں سے پاؤں میں اتر آتی ہے نیند

صدمۂ فرقت سے میں رہتا ہوں ہر دم جاں بلب
اس قدر ہوتا ہے بیشک اے مرے لیلیٰ لقب
عاشقوں کو ہجر میں راحت بھلا ملتی ہے کب
گرمیِ سوزِ جگر بیتاب کر دیتی ہے جب
ٹھنڈی سانسیں ایسی بھرتا ہوں کہ آجاتی ہے نیند

ایک مدت سے اُمید و یاس کے جھگڑے میں تھے
ہاتھ اُدھر اُٹھا اِدھر ہم تلملا کر گر پڑے
کٹ گئی گردن چلو ان سب بکھیڑوں سے چھٹے
تیغ کا پھل کھایا آبِ تیغ پی کر سو رہے
کثرتِ آب و غذا سے واقعی آتی ہے نیند

آرزوئے وصلِ جاناں ہے عبث جانے بھی دو
جو میں کہتا ہوں ذرا سُن لو عمل اُس پر کرو
اپنے سر بیٹھے بٹھائے مفت کی آفت نہ لو
صورتِ زاہد نہ جاگو حضرتِ دل سو رہو
قبلۂ من کعبۂ مقصود کہلاتی ہے نیند

یوں تو آنا ہو نہیں سکتا کہ وہ آکر ملیں
خواب میں بھی آکے دیں تسکین تو کس طرح دیں
سرگزشت اپنی کہیں میری کہانی کچھ سنیں
اس مری دیوانگی پر اے جنوں پتھر پڑیں
آنکھ کے ڈھیلے لگاتا ہوں اگر آتی ہے نیند

عشق نے آخر بنایا اپنے فن کا اوستاد
اس کو سُنکر روحِ مجنوں کیوں نہ دیگی مجھ کو داد
شکر ہے میں رنج میں بھی ہر طرح رہتا ہوں شاد
واہ ری تاثیرِ الفت بل بے فرطِ اتحاد

غش پہ غش آتے ہیں مجھ کو جب انھیں آتی ہے نیند

تم کو ایک انداز پر رہتے نہیں دیکھا کبھی
کوئی حالت ہو نہیں جاتی تمھاری دل لگی
طرز ہے سب سے جدا جو بات ہے سب سے نئی
سوتے ہو تو چشم بد دور آنکھیں رہتی ہیں کھلی
فتنۂ بیدار کیا ایسی ہی کہلاتی ہے نیند

جو کوئی اے قیس ہوتا ہے محبت میں اسیر
دیکھو فرماتے ہیں فخر ناسخ روشن ضمیر
عیش کی خاطر ترستا ہے غنی ہو یا فقیر
ہجر میں ایسی ہے سونے کی تمنا اے وزیر
دیکھتا ہوں اسکو حسرت سے جسے آتی ہے نیند

خمسہ بر غزل بلبل ہندوستان جناب داغ دہلوی

جب سے دل کی خواہشیں نذر حسیناں ہو گئیں
آنسوؤں کی بوندیں مثل سیل باراں ہو گئیں
بدلیں جو جو حالتیں وہ سب نمایاں ہو گئیں
جوش گریہ سے یہ آنکھیں ابر نیساں ہو گئیں
اب مری بیتابیاں مشہور دوراں ہو گئیں

تھی نہاں سینے میں جس خلوت نشیں کی آرزو
قسمتوں سے ہاتھ آیا جب وہ بعد از جستجو
برسوں سرگرداں رہے اسکی طلب میں چار سو
راز الفت چھپ سکا ہم سے نہ اسکے روبرو
صاف دل کی حسرتیں منہ پر نمایاں ہو گئیں

شوق آزادی میں تنگ آ کے قید زیست سے
بخت نے یاری جو کی تو نکلے سارے حوصلے
منتیں کرتے تھے ہم لیکن وہ کچھ سنتے نہ تھے
مر گئے ہم اک اشارے میں نگاہ ناز کے

آج اپنی مشکلیں اک پل میں آساں ہوگئیں

توز سرتا پا ہے بالکل قدرتِ پروردگار
دیکھ لے آئینہ لیکر حسن کی اپنے بہار
کیوں نہ ہو برقِ تجلی سے زمانا بیقرار
سیکڑوں دل ہو گئے انداز پر تیرے نثار
سیکڑوں جانیں تری چتون پہ قرباں ہوگئیں

ضبط کی ہر چند سو سو شکل سے کی روک تھام
جان کے لالے پڑے غم موت کا لایا پیام
دل رہا قابو سے باہر بگڑے سب بن بن کے کام
دن نہ پورا ہو چکا ہم ہو گئے آخر تمام
روز فرقت کی خدا کیا سخت گھڑیاں ہوگئیں

مدتوں سے کھا رہے تھے ہم نہایت پیچ و تاب
لیکن اس پر بھی ذرا دیکھے کوئی یہ انقلاب
چین سے رہنے نہ دیتا تھا غمِ خانہ خراب
جب دیا اس نے دلاسا شب کو وقتِ اضطراب
دل کی وہ بیتابیاں سب راحتِ جاں ہوگئیں

عشق میں تونے دیئے ہیں جسقدر رنج و ملال
کون لیگا اپنے سر بیٹھے بٹھائے یہ وبال
زندگی ہے تو رہے گا عمر بھر اس کا خیال
اب کسی سے دل لگا کر ہم نہ ہونگے پایمال
جو خطائیں ہوگئیں اے چرخ گرداں ہوگئیں

تونے بے عقل و خرد جب سے بنایا تھا مجھے
جی کے بہلانے کی اب صورت بنے تو کیا بنے
بیخودی میں رہتے تھے جامہ دری کے مشغلے
واہ اے جوشِ جنوں آخر الجھکر ضعف سے
انگلیاں ہاتھوں کی بھی تارِ گریباں ہوگئیں

جاگزیں رہتی تھی ہر دم میری آنکھوں میں جو نیند
ہے قسم وہ پاس بھی آ کر اگر ٹھہری ہو نیند

لحظہ ہی بھر کو سہی بھولے سے آجاتی تو نیند — وہ نہ آئے جب شبِ وعدہ نہ آئی مجھ کو نیند

آرزوئیں دل کی سب خوابِ پریشاں ہوگئیں

میں نے مانا حق بجانب ہے تمھاری برہمی — جز معافی ہے مگر شکلِ تلافی کونسی

کرچکو بھی درگزر حاجت نہیں تاخیر کی — شکوے غیروں کے اگر بیجا ہیں بیجا ہی سہی

اب تو یہ گستاخیاں مجھ سے مری جاں ہوگئیں

سخت عبرت خیز ہے اے قیس آئینِ جہاں — بے خبر ہو کر کبھی اچھا نہیں رہنا یہاں

دہرِ فانی پر ہے قولِ بلبلِ ہندوستاں — داغ اب یوسف کہاں لیلیٰ کہاں شیریں کہاں

جو حسیں شکلیں تھیں زیرِ خاک پنہاں ہوگئیں

خمسہ برغزل میرزا محمد اصغر علی خان صاحب نسیم دہلوی

آتشِ سوزِ دروں آ آ کے بھڑکانے لگے — طعنۂ بیجا سے ناحق تیر برسانے لگے

دل جلانے کو ہمارے دو دو وقت آنے لگے — ناصحِ مشفق یہ مشقِ تازہ فرمانے لگے

دن تو تھا اب رات کو بھی آکے سمجھانے لگے

جنت و دوزخ سے کیا مطلب یہاں فرمائیے — ہاں جو منکر ہوں انھیں للچائیے دھمکائیے

بیوقوفی پر خدا کے واسطے شرمائیے — حضرتِ ناصح کہیں دولتسرا کو جائیے

آتے ہی سامانِ محشر آپ دکھلانے لگے

آدمی بے دردوں سے کیا اپنی کچھ حالت کہے — کون ایسا ہے جو پورا ماجرائے غم سنے

مختصر یہ ہے کہ دم میں سیکڑوں دریا بہے
آ گئے جب یاد کچھ اس ربط باہم کے مزے
دل بھر آیا دیدۂ تر اشک برسانے لگے

کہئے میں کہتا نہیں تھا یہ کہ اے شیخِ انام
ترک مے کی خواہش ان رندوں سے ہے سودائے خام
یا وہ گو سمجھے تھے مجھ کو لیجئے میرا سلام
پھر سبو انڈیلے بھرے شیشے ہوئے لبریز جام
لغزشِ پا اپنی اپنی مست دکھلانے لگے

چند دن میں ہونگے سب سامان راحت در کنار
کچھ نہ آئے گا نظر آنکھوں کو جز گرد و غبار
روئینگے مرغانِ خوش الحاں چمن میں زار زار
باغباں ہوشیار ہو مشتاق رخصت ہے بہار
رنگ بدلا گلستاں کا پھول مرجھانے لگے

عالمِ طفلی میں مجھ سے تھا انھیں وہ اجتناب
پیاری صورت کیا دکھاتے بات کرنا تھا عذاب
سب حیا جاتی رہی جب جوش پر آیا شباب
جلوہائے حسن چمکے اُٹھ گئی مُنہ سے نقاب
طرۂ گیسو کے باہم سانپ لہرانے لگے

وہ کبھی راضی نہیں ہونگے تری تقریر سے
کام کب نکلا ہے گل کا غنچۂ تصویر سے
چھوڑ دے اللہ پر جو کچھ ہو اب تقدیر سے
ہاتھ اٹھائے چارہ گر درمان بے تاثیر سے
جائے اشک آنکھوں سے اب لختِ جگر آنے لگے

عشق میں کھو بیٹھے سب کو واہ ری مردانگی
صبر و طاقت سے لگا یا رشتۂ بیگانگی
تھا مگر کچھ کچھ جو پاسِ صحبتِ فرزانگی
خوب روئے دیکھکر ہم زیورِ دیوانگی
جب احبّا پاؤں میں زنجیر پہنانے لگے

مفلسی میں آگیا تھا بھول کر عقبیٰ کا ہوش ابر و باراں دیکھکر بھڑکا جو میخواری کا جوش	توڑ کر جام و سبو بیٹھے تھے گھر گھر بادہ نوش بھٹیاں روشن ہوئیں چمکی دکانِ میفروش

رخصتِ توبہ ہوئی زہاد گھبرانے لگے

بیخودی کی باتیں کرتے پھرتے ہیں سب دل جلے باغ سے سر میں ہوائے دشت وحشت لے چلے	ہائے دو دن بھی نہیں اچھی طرح پھولے پھلے فصل گل آئی بڑھے جوشِ جنوں کے ولولے

دی صدا زنجیر نے پھر پاؤں کھجلانے لگے

دور ہونے کا نہیں یہ قیس کا غم اے نسیم وصل کی شب کا کہیں کیا تم سے عالم اے نسیم	حسرتوں کا راتدن رہتا ہے ماتم اے نسیم مانعِ وصلت ہوئی وہ شرم باہم اے نسیم

وہ رکے اپنی طرف ہم آپ شرمانے لگے



قطعات تواریخ نوشتہ مصنف بمواقع مختلفہ

قطعۂ تاریخ تالیف ازاحۃ الاغلاط مؤلفۂ مولوی محمد ظہیر احسن شوق مرحوم نیموی عظیم آبادی خواجہ تاش مصنف مدظلہ

چو ایں نامہ را شوق تالیف کرد — کز و حسن تحقیق آمد پدید
ضمیر[۱] از پئے سال تاریخ گفت — کلام خجستہ نہالِ اُمید

۱۳۰۰ھ

قطعہ در نوید ولادت عزیزم محمد عبدالحق زاد اللہ عمرہ وعلمہ

(۱۸۸۴ء)

للہ الحمد خالقِ اکبر — ایزدِ پاک صاحبِ افضال
بارور کرد نخل اُمیدم — دامنِ آرزوست مالامال
یعنی وقتِ غلس ز دو شنبہ — داد طفلے سعید فرخ فال

---

[۱] یہ قطعہ اُس وقت کا ہے جب مصنف نے التزاماً شاعری کے دائرے میں قدم نہ رکھا تھا اور نہ کسی کو استاد بنایا تھا محض موزونی طبع سے کچھ نظم کر لیا کرتے تھے اسی لئے اس میں ضمیر تخلص رکھا ۱۲ برق شیرپوری

شد مسمیٰ بنام عبدالحق
چار می از جمادی الاولیٰ است
قیس گفت از برای تاریخش

حافظش باد ایزدِ متعال
روز میلاد آن خجستہ خصال
نیک طالع نجیب و خوش اقبال

۱۳۰۱ ھ

قطعات سال ترتیب خزانۂ خیال دیوان اوّل حضرت مولینا محمد عبدالاحد شمشاد

علیہ الرحمۃ والرضوان لکھنوی اُستاد مصنفّ مدظلہ

وحیدِ زماں اوستادِ زمن
کہ عبدالاحد نام نامی اوست
بر امثال خود برد گویِ سبق
چو ترتیب فرمود دیوان خود
چہ خوش نغمہ زد بلبلِ طبع قیس

فصیح اللساں جان ہر علم و فن
بشمشاد مشہور باغِ سخن
بنظمِ مضامین و فکرِ کہن
شد ایماے سالِ آں سوے من
گلِ گلشنِ طبع کامِ سخن

۱۳۰۲ ھ

ایضاً

للہ الحمد بحسنِ وافر
قیس تاریخ مسیحی گفتم

شد مرتب چو کلامِ استاد
نغمۂ بلبلِ طبعِ شمشاد

۱۸۸۵ ع

قطعہ سال رحلت اُستاذی

بحر العلوم جناب مولینا حافظ حاجی ابو الحسنات محمد عبد الحی مرحوم لکھنوی

از وفاتِ جناب عبد الحی | زلزلہ در قصور علم افتاد
منطقی فلسفی۔ ریاضی داں | نیک دل۔ نیک نفس نیک نہاد
علم فقہ و اصول رازنیت | حاملانِ حدیث از ودل شاد
ہند را بود فخر بر ذاتش | لکھنؤ از کمال او آباد
تشنگانِ فنون سیر شدند | چوں درِ فیض عام خود بکشاد
برمنِ قیس ہم نظر کردہ | شمۂ از فیوض خویش بداد
ایں خبر چوں بگوش من برسید | برلب آمد ز درد وا استاد
فکر کردم برای سال وفات | تا شوم ساعتے ز غم آزاد
ہاتفم گفت از سرِ بالیں | رحمتِ حق بروح پاکش باد

١٣٠٤
٢ سـ ١٣٠٢ ھ

القصیدۃ التاریخیۃ فی انطباع الادب المفرد للبخاری رحمہ اللہ الباری

لک الحمد یا من من کنوز المواهب | عطانی علوما فی دهور الشبائب

نُصَلِّی عَلٰی مَن جَاءَ نِی مِنکَ رَحمَۃً	نَبِیًّا رَسُولًا کَاشِفًا لِلغَیَاہِبِ
وَبَعدُہٗ یَا خِلَّانُ اِنِّی مُبَشِّرُ	بِطَبعٍ لِہٰذَا مِن اَجَلِّ الرَّغَائِبِ
کِتَابِ اَدَبٍ مُفرَدٍ لِمُحَمَّدٍ	اَدِیبٍ اَرِیبٍ شَیخِ اَھلِ المَنَاقِبِ
اَمَامِ البُخَارِی جَامِعِ لِصَحِیحِہٖ	نَجِیبٍ شَرِیفٍ صَادِقٍ غَیرِ کَاذِبِ
اَفَاضَ عَلَیہِ اللّٰہُ جَزلَ عَطَآئِہٖ	لَقَد بَلَغَ العِلمَ بِاَقصَی المَرَاتِبِ
قَدِ اھتَمَّ بِہٖ صَاحِبُ الزُّھدِ وَالتُّقٰی	مُسَمًّی بِاِدرِیسٍ شَہِیرِ الجَوَانِبِ
وَجَاھَدتُّ فِی تَصحِیحِہٖ قَدرَ وُسعَتِی	فَکُونُوا خِلَّا لِی لَا طَلُوبَ المَعَائِبِ
فَاِن کَانَ فِیہِ سَھوُنَا اَو خَطَآؤُنَا	فَنَرجُوکُمُ العَفوَ لَنَا وَلِکَاتِبِ
ھَلُمُّوا اَھلُمُّوا بَادِرُوا فِی شِرَآئِہٖ	فَوَاللّٰہِ ھٰذَا مَخزَنٌ لِلعَجَائِبِ
فَقَد قَالَ فِی تَارِیخِہِ القَیسُ جَاھِدًا	کِتَابٌ عَجِیبٌ بَابُ تَقَفِ المَطَالِبِ

سـنـہ

۱۳۰۶ ہجری

اَلقَصِیدَۃُ لِتَارِیخِ طَبعِ القَصِیدَۃِ النُّونِیَّۃِ المُسَمَّاۃِ بِالکَافِیَۃِ الشَّافِیَۃِ فِی الاِنتِصَارِ لِلفِرقَۃِ النَّاجِیَۃِ لِلاِمَامِ اَبِی عَبدِ اللّٰہِ مُحَمَّدِ بنِ اَبِی بَکرِ بنِ اَیُّوبَ المَعرُوفِ بِحَافِظِ ابنِ القَیِّمِ الجَوزِیَّۃِ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی

حَمدًا لِرَبِّی الخَالِقِ الدَّیَّانِ	شُکرًا لَّہٗ فِی السِّرِّ وَالاِعلَانِ

ثم صلوات زكيات على ... نبيه المبعوث بالقرآن

ثم على أولاده وصحبه ... وتابعيهم أرفع المكان

طوبى لكم يا طالبي دين النبي ... بشرى لكم يا أيها الإخوان

هذا الكتاب من إمام فاضل ... حبر همام عالم الربان

محمد بن القيم الجوزية ذي ... زهد وورع صاحب العرفان

قد أبطل الأديان فيه كلها ... وأثبت الإسلام بالبرهان

يجزى جزاء كاملا في الآخرة ... تغمده الله بالغفران

فاعتنى بطبعه من لا له ... في دهرنا مثل بلا نكران

أعني أبا عبد الودود إدريس ذا ... علم وفضل مصدر الإحسان

واتعبت في تصحيحه ركائبي ... أدعوا لنا يا معشر الخلان

فجاء بعد الطبع كشمس الضحى ... وشاع في الآفاق كالقمران

وأشرق الأطراف من أنواره ... واقتبس بضوئه الثقلان

هاتوا إليه واشتروه عشقا ... بالدر والياقوت والمرجان

والله قد خمدت به نار الهوى ... ويل لأهل البدع والكفران

ذوقوا عذاب لخلبا في أهوائكم ... موتوا بغيظ يا ذوي الطغيان

يا قيس ترنمت في تاريخه

سفر شهير منبع البرهان

١٣٠٦ هجـ

قطعاتِ تاریخ طبع مثنوی

میر لطف علی صاحب تنہا مدراسی شاگرد جناب داغ دہلوی

کہ جناب داغ نامش ثمر الفت نہادہ اند

زمزمۂ نو بلبل گلشن فکر قیس آروی

۶ ۰ ۳ ۱ ہجری

شاعرِ نکتہ سنج ما تنہا ۔۔۔ غیرت ور شک طوطی و بلبل
چوں رقم زد فسانۂ الفت ۔۔۔ پیچ در پیچ صورتِ سنبل
کرد ارشاد بہر تاریخش ۔۔۔ زیں پریشاں خیال چوں کاکل
خامۂ فکر قیس کرد رقم ۔۔۔ نغمۂ طوطیِ حدیقۂ گل

۱۳۰۶ ہجری

ایضاً عیسوی

ترانۂ دلکش بلبل حدیقۂ فکر قیس آروی

۱۸۸۸ء

نظم شد چوں داستانِ بے بہا ۔۔۔ بے نظیر و بے بدل در حسن و زیب

حرف حرفش کار جادو میکند	می‌بردازسامعین تاب وشکیب
قیسؔ تاریخِ مسیحش نگاشت	گفت تنہا مثنوی دلفریب

سنہ

۱۸۸۸ء

ایضاً فصلی

ہدیۂ احسن از قیسؔ آروی مجمع کمال جناب تنہاؔ

سنہ

۱۲۹۶ف

خاطرم جست چو سالِ فصلی	بہر ایں نسخۂ نادر زیبا
نغمہ زد بلبل طبعم اے قیسؔ	منزلِ جودت فکرِ تنہا

سنہ

۱۲۹۶ف

قطعۂ تاریخ طبع تفسیر سورۂ تحریم مصنفۂ جناب قاضی حافظ مولوی محمد کریم حرم آروی

قطعۂ یادگارے از محمد ضمیر الحق قیسؔ

سنہ

۱۸۸۹ء

بحمد اللہ چو ایں نظمِ خجستہ	مفسر بہر آیاتِ منزّل
زجرے فاضلے مشہور عالم	محمد با کریم اسمش مسلسل
دریں ایام فرخندہ مبارک	بحسنِ طبع گردیدہ مسجّل
چہ خوش اے قیسؔ گفتم سال طبعش	شدہ مطبوع تفسیر مکلل

سنہ

۱۳۰۶ہجر

قطعۃ التاریخ لطبع الصحیح للبخاری مع شرحہ فتح الباری فی مطبع الانصاری

الا یا معشر العشاق ھذا | صحیح جامع الکلم الصواب
وتجری تحتہ انہار شرح | نقیع ماؤھا احلی الشراب
ھلموا فاشتروا من غیر مھل | فھذا مخزن العجب العجاب
جزی اللہ من اھتم بھذا | بجھل بالغ یوم الحساب
لقد قال المؤرخ فیہ قیس | جری النھران من طرز الکتاب

سنہ ۱۳۱۰ ہجری

قطعہ تاریخ طبع تبیان الشواہد مؤلفہ مولوی حکیم ابو یحییٰ محمد زکریا صاحب مظفر پوری

کتاب شاع فی الآفاق من تصنیف ذی علم
وذی فضل ابی یحیی جلیل الشان والقدر
فحینما استتب لطبع قال القیس مرتجلا
بدا ما کان مخفیا فجاء النجم کالبدر

سنہ ۱۳۱۶ ہجری

ایضاً

عالم باعمل ابو یحیی | مخزن علم و معدن تدقیق
کرد تالیف در طلاق ثلث | نسخہ نیک قابل توثیق

مرحبا مرحبا جزاک اللہ
کار تنقیح از کسے ناید
قلیسؔ تاریخ انطباع نوشت

در حق و باطل ایں چنیں تفریق
تا نباشد موفق از توفیق
کوششِ روح مشعلِ تحقیق

۱۸۹۸ء

قطعہ سال انتقال عالم باعمل جناب مولینا حافظ حاجی ابو محمد ابراہیم آروی رحمۃ اللہ علیہ

حیف صد حیف از فراقِ عالمے شیریں بیاں
آنکہ مثلش کس ندیدہ حق پژوہ و حق شناس

بو محمد کنیتش می داشت ابراہیم نام
وصف زہد و ورع او بیروں تراز حدِ قیاس

در حریم کعبہ جانِ خود بحق تسلیم کرد
بر تنش چیزے نبود آندم جز احرام از لباس

بہر سالِ ارتحالش گفت قلیسِ دل حزیں
راہیِ ملکِ بقا شد شاہدِ قدسی اساس

۱۳۱۹ھ

قطعہ سال ارتحال

فخر المحدثین شیخ الکل شمس العلماء حضرت مولینا ابو سید محمد نذیر حسین دہلوی رحمۃ اللہ و جعل الجنۃ مثواہ

شیخ الحدیث مصنف مدظلہٗ

باکہ گویم حالِ زار ابتلاے خویشتن
ہیچکس نبود مرا چوں چارہ ساز و غمگسار

تا بکے نالم ازیں بے مہریِ دنیاے دوں — تا بکے شور و فغاں اے زندگیِ مستعار

آنکہ از دریاے فیضش بود خلقے مستفیض — آنکہ در علم و عمل می داشت اعلیٰ اقتدار

آنکہ سرتاجش محمد بود مولانا نذیر — آنکہ اسمش بود کامل با حسین ذی وقار

آنکہ شیخ الکل لقب می داشت و شمسِ عالماں — آنکہ از زلہ ربایش ہست قیسِ دلفگار

ہادیِ دینِ مبین و حاملِ شرعِ متین — کَانَ فِیْ اَوَانِہٖ کَالشَّمْسِ فِیْ نِصْفِ النَّہَار

روز و شب می داد درسِ فقہ و قرآن و حدیث — در اشاعاتِ سنن می داشتش خدمتگذار

وقت مغرب روز دوشنبہ بُد از ماہِ رجب — سایہ از فرقم کشید و رفت سوے کردگار

جسم خاکی بود خاکی را بخاک اندر سپرد — جان کہ نورے بود بر جاں آفریں کردش نثار

چوں نگردد ہر دو از قلب و جگر ہا پاش پاش — چوں نباشد در غمِ او چشم عالم اشکبار

اللہ اللہ از لبِ ہر کس ہمی آمد صدا — در فراقش چوں زمیم زیں گردشِ لیل و نہار

مقتداے قوم بود و پیشوا و رہنما — کز وجودِ ذات پاکش دینِ حق بود استوار

قدسیاں ترحیب خواندند و بدادندش دعا — کاے خدا بادش فردوسِ بریں دار القرار

شد معطر از شمیمِ روح او ہفت آسماں — شورشے برپا شد آنجا کیست ایں والا تبار

ہاتفِ غیبی جوابش گفت با سال وفات

عابد و قدسی نژاد و متقی پرہیزگار

سنہ

۱۳۲۰ھ

قطعہ تاریخ بنائے مسجد مولوی عبدالعزیز رئیس موضع اسلام پور پرگنہ سورجاپور ضلع پورنیہ

میاں عبدالعزیز اسلام پوری
کہ جن سے اوج پر یہ سرزمین ہے
بنائی ہے اُنھوں نے ایسی مسجد
ثناخوان جس کا ہر اہلِ یقین ہے
کہی تاریخ قیسِ آروی نے
عبادت خانۂ اقطاب دین ہے

۱۳۲۵ھ

قطعات تواریخ ترتیب و طبع دیوان سید محمد اسمٰعیل مختار نطق مرحوم ساکن موضع بھداسی ضلع گیا

تاریخ ترتیب

بہ سلکِ بیاں کے تواں آمدن
گہر ہائے اوصاف شایان نطق
حبیبے کہ از مخلصانِ من است
فروزندۂ شمع ایوان نطق
کلامِ شگرفش چو تدوین یافت
تجلی دہِ عزت و شان نطق
بہ دریائے فکر از پے سال آں
شدم غوطہ زن حسب فرمان نطق
چہ خوش ملہمِ غیبم اے قیس گفت
ببیں پاک ترتیب دیوان نطق

۱۳۲۹ھ

تاریخ طبع

یہ دیوان معجز بیاں نطق کا
بصد حسن چھپ کر ہوا جب تمام

کہا میں نے اے قلیسؔ مصرع سال | ہے بہتر یہ بے مثل زیبا کلام

۱۳۳۰ ھ

قطعات تواریخ تعمیر مکان مولوی حکیم محمد احسن صاحب ساکن سیوان ضلع سارن

منجانب مسٹر محمود حسن صاحب منصف بیادگار زوجۂ خود بنت حکیم صاحب موصوف

چو محمود منصف دُرِ بحر خلق | شد از فوت بانوے خود دردمند
بنا کرد ایں خانۂ پُرشکوہ | کہ تا یادگارش بود دلپسند
پے سال تاریخ بنوشت قلیسؔ | فلک رتبہ قصر و مکانِ بلند

۱۳۳۰ ھ

ایضاً

مجمعِ اوصاف محمودِ حسن منصف نے جب | اپنی بی بی عایشہ کے غم سے ہو کر بیقرار
مولوی احسن کا گھر دو منزلہ بنوا دیا | تا کہ اُس مرحومہ کی ہو جائے قایم یادگار
مصرعِ تاریخ قلیسِؔ آروی نے یوں کہا | کیا بنا یا مرحبا یہ پاک قصرِ شاندار

۱۳۳۰ ھ

قطعہ ملال ابن مولوی عبد الغنی صاحب آروی

۱۹۱۵ء

بشش سالگی ابن عبد الغنی | سوئے جنتِ جاودانی برفت
پے لوح تربت رقم کرد قلیسؔ | صفی احمد از سیر فانی برفت

۱۳۳۴ ھ

قطعہ تاریخ طبع دیوان دوم جناب منشی مولوی محمد نوح صاحب نوح ساکن قصبہ نارہ ضلع الہ باد

شاگرد رشید و جانشین داغ مرحوم دہلوی

مرحبا اے شوخیِ طبع رسا صد مرحبا
رنگ ہر ہر بیت میں ہے آپ کے استاد کا
داغ کے داغوں کو سینوں سے مٹانے کیلئے
مست ہو جاتے ہیں سارے میگسارانِ سخن
تیر برساتے ہیں گویا عاشقوں کی جان پر
دوسرے دیوان کے چھپنے کا قطعہ لکھنے کو
اس طرح اے قلیس ہاتف نے کہا مصرع سال

کس قدر گوہر فشاں ہی خامۂ گلریز نوح
عرش سے لاتا ہی مضمون اوج فکرِ تیز نوح
ہے مشامِ جاں میں عطرِ نظم عنبر بیز نوح
جب چھلکتا ہے کہیں پر ساغرِ لبریز نوح
سنکے رو دیتے ہیں لوگ اشعار درد انگیز نوح
میری جانب دیکھکر ایماے لطف آمیز نوح
موجزن ہے آج برقِ طبع طوفان خیز نوح

۱۳۳۵ ھ

قطعہ تاریخ ارتحال استاذی جناب مولانا مولوی محمد عبد الاحد شمشاد لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ

تا کجا این سرد مہر بیہایت اے پیرِ فلک
از امیرِ نکتہ دان و داغ و تسلیم و جلال
ہمصفیر آن سخن سنجان باعز و وقار
ضعف معدہ رو نمودش با سقوطِ اشتہا

حیف در یک دم زدن باغِ سخن برباد شد
پیش و پس یک یک رواں سوے عدم آباد شد
بود استادم کہ او ہم مورد بیداد شد
وز فواق آخر تنِ او قصر بے بنیاد شد

سرزمینِ مولدش اورا بسوے خود کشید
چوں بغازی پور از بیچارگی ناشاد شد

راست نامد فکر وسعیِ دردمندانِ وطن
ہر کسی در لکھنؤ، ہم قاصر از امداد شد

پنجشنبہ بست و پنجم از مہِ ذیقعدہ بود
کز جنابِ حق بوصلِ خویشتن ارشاد شد

عین وقتِ صبح صادق طائرِ روحش پرید
بلبلِ گلزار معنی را اجل صیاد شد

محو تہلیل از زبان و محو تسبیح از نفس
رو بجنت کردہ از قیدِ بدن آزاد شد

از وفاتِ آں چناں فیاض یکتاے زماں
ہر کہ و مہ گرم مشقِ نالہ و فریاد شد

مقتداے قوم عبدالباری از اقران او
مغفرت خواہ از خداے عالمِ ایجاد شد

بعد دو ساعت ز میلِ شمس با جمعے کثیر
کرد ادا بروے نماز و ختم ایں روداد شد

در زمینِ باغ شاہ انوار آں گنجِ علوم
از نظر پنہاں ہم آغوشِ اب و اجداد شد

قیس دلریش وحزیں بنوشت تاریخِ وصال
عازمِ ملکِ بقاے جاوداں شمشاد شد

۱۳۳۵ھ

قطعۂ سالِ رحلت اُستاذی و مولائی جناب مولانا حافظ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ غازی پوری

رخت ہستی بست از دنیا سوے دار البقا
آنکہ اسمش بود عبداللہ ذو فضلِ عجیب

بود استادِ من و استاد استادانِ دہر
حافظِ قرآن و ہم مفتی و ہم خوشگو خطیب

در علومِ عقلی و نقلی و ہم در شاہماش
کس نہ دیدہ بود مثلش بدل فاضل ادیب

ازفلو انزا بشہرِ لکھنؤ جانش گسست | زیرِ خاکِ خاکداں شد ہمدماں جاآں لبیب
قیسؔ گفتا سالِ رحلت در غم و سوزِ فراق | آہ اے بحرِ جلال و عز و شان جنت نصیب

۱۳۳۶ ہجری

قطعات تواریخ طبع دیوان جناب شاہ حامد حسین صاحب حامد عظیم آبادی

سجادہ نشین تکیۂ شاہ ارزاں قدس سرہٗ

پے طبع دیوان حامد حسین | فلک رتبہ و نیک و قدسی صفات
رقم کردم اے قیسؔ مصراعِ سال | کلامِ سخن سنج آبِ حیات

۱۳۳۶ ہجری

عیسوی

جانشینِ شاہ ارزاں اہلِ دل حامد حسین | آنکہ ہست او مست جامِ بادۂ پُر ذوقِ علم
قیسؔ بہرِ طبع دیوانش مسیحی سال گفت | اب و رنگِ نو گلِ شاخِ نہالِ شوقِ علم

۱۹۱۸ء

فصلی

سخن سنج و خلیق و صاحبِ سجادہ آں حامد | کہ رونق بخش نامِ شاہ ارزاں است با تمکیں
نوشتم قیسؔ بہرِ طبع دیوانش سنۂ فصلی | بیانِ دلکش و شیریں عجب محبوب حسن آگیں

۱۳۲۵ ف

قطعہ سالِ طبع خمخانۂ بدر دیوان جناب مولوی امیر حسن صاحب آروی مرحوم

شفیق و یار و ہمدم مولوی سیّد امیر احسن ‎ ہے جن کی شاعری پر صاد ہر اُستاد دوراں کا
تصرف سے حسن پر افضلیت کا الف لانا ‎ عدوِّ سامری فن کو عصا ہے ابن عمراں کا
اشاعت سنکر اُن کے شاہدِ افکار روشن کی ‎ کہوں کیا حال اپنی شادیِ بیحدّ و پایاں کا
جو حسرت مدّتوں سے گوشۂ خاطر میں مضمر تھی ‎ وہ اب نکلی ہے بنکر عکس نورِ ماہ تاباں کا
مجھے کیوں لذت گریہ نہ ہو ہر شعر میں حاصل ‎ کہ یاد آتا ہے نغما ہمصفیرانِ گلستاں کا
نہیں مہر و قمر باقی نہ وجدؔ و حشرؔ و محسنؔ ہیں ‎ جِلا دیتا ہے لیکن ہاں ترانا اس غزلخواں کا
بیاضِ صبحِ صادق کا اثر ہے صفحے صفحے پر ‎ سوادِ خط سے پیدا اس میں عالم سنبلستاں کا
بلاغت وہ کہ ہیں جس پر بلیغانِ جہاں صدقے ‎ متانت وہ کہ زہرہ آب کردے ہر سخنداں کا
عطا کر یا الٰہی دولتِ حسن قبول اس کو ‎ قیامت تک رہے یہ سرمۂ چشم اہل عرفاں کا
ہوا میری طرف جب قطعۂ تاریخ کا ایما ‎ سنا کر مژدۂ جاں بخش حسنِ طبع دیواں کا

کہا اے قلیسؔ میں نے جذبۂ جوشِ مسرت میں
چھپا گنجینۂ نیرنگ بدر رشک سحباں کا
سنہ
۱۳۴۷ ہج

تاریخ رحلت خان بہادر جناب حافظ مولوی محمد عبد الغنی مرحوم آروی پنشنر پوسٹ ماسٹر جنرل

قطعہ بنوحہ سرمایۂ اوج مولوی محمد عبد الغنی

۱۹۳۲ء

ہشتم از ماہ ربیع اولین بود
کاندرون شب بپا شور و فغاں شد

برزبان ہر کسے بود ایں صدائے
آفتاب عز و جاہ از من نہاں شد

مجمع خلق حسن عبد الغنی آہ
تن تہی کردہ بملک جاوداں شد

فکر کردم چوں برائے سال فوتش
باتلاش ایں کہ با او شاں چیاں شد

ہاتف غیبی بگفت اے قلیس بشنو
گوہر تاباں گلزار جناں شد

سنہ ۱۳۵۱ ہجری

قطعہ سال ترتیب دیوان ہذا بشکوہ دنیائے دوں

بے وفائی تیری اے دنیائے دوں
ہے بلائے جانستان خاطر شکن

کیسے کیسوں کو ملا کر خاک میں
چین لیتی ہے تو اے زال کہن

ہائے میرے دوستان باصفا
ہائے میرے ہمصفیران سخن

سب کو پیوند زمیں تو نے کیا
مل گئے مٹی میں وہ سب گلبدن

ان کو اپنی ہستی موہوم سے
کچھ نہ ہاتھ آیا بجز گور و کفن

اے خدا ان کے سروں پر حشر میں
رحمتیں تیری رہیں سایہ فگن

کیا ہوئی وہ ضوفشانی بدر کی
جس کے آگے تھے خجل دُرِ عدن

مہر کی وہ خوش مقالی کیا ہوئی
صدقے جس پر ہوتی تھی مشقِ کہن

کیا ہوئی وہ وجد کی فکرِ رسا
جس سے لیتے تھے مزا اہلِ زمن

حشر کی طبعِ رواں وہ کیا ہوئی
جس میں تھی نہرِ فصاحت موجزن

کیا ہوئی محسن کی پڑھنے کی ادا
مست ہو جاتی تھی جس سے انجمن

وہ قمر کی نغز گوئی کیا ہوئی
جس میں رہتا سر سے پا تک بانکپن

کس قدر پھولا پھلا شاداب تھا
مجمعِ اربابِ فن کا وہ چمن

اک طرف تھے نکتہ سنجانِ صفیر
اک طرف الکن زباں میں بے دہن

بے کمالی میری ننگِ شاعری
اور اُن میں کا ہر اک فخرِ زمن

پھر بھی یاروں کی ہمیشا نوک جھونک
مجھ سے رہتی تھی پےِ تحقیقِ فن

اس پر اُن کا لطف بیحد کیا کہوں
سب مجھی کو کرتے صدرِ انجمن

سبعہ سیّارہ کی صورت رات دن
رہتے تھے سرگرم سیرِ علم و فن

سب کے سب ایک ایک کرکے چل بسے
رہ گیا رونے کو قیسِ پُر محن

وہ مٹے کیا مٹگیا اُن کا کمال
ساتھ ساتھ اُن کے گیا اُن کا سخن

بدر کا خمخانہ صرف اک رہ گیا
جام جم بنکر برائے اہلِ فن

تا ابد اللہ اسے قایم رکھے
صورتِ چشم و چراغِ انجمن

یو نہیں مجھکو بھی ملا کر خاک میں
لے گی آرام ایکدن اے پیرِ زن

پھر کوئی کاہیکو سمجھے گا مجھے
دفعۃً پیدا ہوا سر میں خیال
دست بردِ دہر سے باقی جو ہوں
کیا عجب ہے میرے مرجانے کے بعد
میں نہ ہونگا تو یہی رکھ لینگے پاس
لختِ لختِ دل کو آخر ڈھونڈ کر
لکھدیا ترتیب کا مصراع سال

باوفا خدمت گزارِ علم و فن
جا بجا ہوں گے کچھ اوراقِ کہن
جمع کر ڈالوں بعنوانِ حسن
دیں دعائے مغفرت اربابِ فن
غم غلط کرنے کو یارانِ وطن
جب کیا آراستہ اپنا چمن
یادگارِ رونقِ بزمِ سخن

سنہ ۱۳۵۱ ہجری

تواریخ ترتیب دیوان ہذا

از نتائج افکار گہربار کامل علم و فن ماہر شعر و سخن جناب شاہ ابوالحسن صاحب حسن ساکن چھلیما تا بختیار

علاقہ سیوان شاگرد جناب امیر مرحوم لکھنوی

مرے عزیز جو ہیں مولوی ضمیر الحق
کُل اُنکے لکھوں جو اوصاف تو ہو اک دفتر
تمام اُنپہ ہے وصفِ مکارمِ اخلاق
وہ بیہقیِ زمن ہیں علوم نقلی میں

وہ اوجِ عزّ و عُلا کے ہیں نیرِ تاباں
میں اختصار سے لیتا ہوں کام اس سے یہاں
وہ زہد و ورع میں بھی ہیں یگانۂ دوراں
علوم عقلی و طب میں ہیں بو علی زماں

خصوص اُنکا وہ پایہ سخنوری میں ہے آج
کہ کہتے ہیں شعرا اُن کو ثانیِ سحباں

کلام اُنھوں نے مرتب کیا ہی سب اپنا
ثنا و مدح میں جس کی ہی لال میری زباں

خدا کرے کہ اِسے ہو قبول عام حصول
رہیں وہ تا بہ ابد خود بھی زندہ و شاداں

سُنی جو میں نے حسنؔ یہ نوید فرحت بخش
تو اس گھڑی کی مسرّت کو کیا کروں میں بیاں

معاً اُٹھا کے قلم میں نے لکھدی یہ تاریخ
نفیس و نادر و بہتر ہے قیسؔ کا دیواں

۱۳۵۱ ہجری

ایضاً

کیا کروں میں مدح اس دیوان کی
خود ستایش گر کلامِ قیسؔ ہے

بر طریقِ داد کہتا ہوں مگر
واہ کیا بہتر کلامِ قیسؔ ہے

سر پہ سب رکھیں اسے تو ہے بجا
واقعی افسر کلامِ قیسؔ ہے

ہو گئے شیریں مرے کام و زباں
شہد یا شکر کلامِ قیسؔ ہے

رہروِ راہِ سخن کے واسطے
رہنما ۔ رہبر کلامِ قیسؔ ہے

ہیں فدا سو جان سے عُشاق نظم
گویا اک دلبر کلامِ قیسؔ ہے

سُنکے کہتے ہیں سخن سنجان دہر
سب سے اعلیٰ تر کلامِ قیسؔ ہے

پڑھنے والے ہیں تڑپتے لوٹتے
تیر یا خنجر کلامِ قیسؔ ہے

عاشقوں کو کیوں نہ ہو مطبوع طبع
حُسن کا مظہر کلامِ قیسؔ ہے

مستفیض اس سے ہوں اربابِ سخن
اس کے ہونگے قدرداں جوہر شناس
اے احسنؔ تم کہدو یہ ڈنکے کی چوٹ

فیض کا مصدر کلامِ قیسؔ ہے
بے بدل گو ہر کلامِ قیسؔ ہے
ہاں جی ہاں نشتر کلامِ قیسؔ ہے

۱۳۵۱ ہجری

قطعاتِ تواریخ انطباع ایں دیوان از شعرائے عالیمکان[1]

ازٓ آزاد مخزنِ علوم و فنون جناب طبع و قادؔ جناب مولانا حافظ سید فضل حق صاحب فخر عظیم آبادی

اہلاً و سہلاً آئیں جب فرمایشیں تاریخ کی
گر عیسوی ہو با اثر مطلوب دل مدِّ نظر

کلّاً و بعضاً اس طرف طبعِ رسا مایل ہوئی
آزاد کہدو کارگر جذبات قیسِ آروی

۱۹۳۴ ؁ء

تاریخ فصلی بھی یہی بالتعمیہ بالتخرجہ
ہجری بفضلِ ایزدی بے سعی حاصل ہو گئی

کہدو۔ مقابح سے بری جذبات قیسِ آروی
تاریخ بھی ہے نام بھی جذبات قیسِ آروی

۱۳۴۲ فصلی – ۱۳۵۳ ہجری

[1] ان قطعات کی ترتیب میں ناظرین کی سہولت کے خیال سے ہر ہیڈنگ کو بالتزام حروف تہجی تخلص لکھکر تاریخیں درج کی گئی ہیں اس وجہ سے قطعات تواریخ کی تقدیم و تاخیر کا حضرات مورخین سے عذرخواہ ہوں اور مورخین اپنی اپنی تاریخوں کے آپ ذمہ دار ہیں - ۱۲ - برقؔ شیرپوری

احسن جامع کمالات علم و فن جناب مولوی سید علی احسن صاحب مارہروی

شاگرد رشید جناب داغ مرحوم دہلوی

وہ کہنہ سخن گو ہیں ضمیر الحق نامی | مثل گل تر تازہ ہر اک شعر ہے جنکا
مرغوب ہے مطبوع ہی مقبول جہاں ہے | دلچسپ ہے دلکش ہے کلام اُن کا سراپا
پائیں جو طباعت کی خبر گوش سماعت | مشتاق زیارت نہ ہوں کیوں دیدۂ بینا
احسن نے یہ برجستہ کہا مصرع تاریخ | لیلائے سخن قیس کا دیوان طرب افزا

۱۳۵۳ھ

اسد ہادی راہ شریعت و واقف اسرار طریقت جناب شاہ اسد اللہ صاحب منیری عظیم آبادی

دامت برکاتہ'

دیوان جناب ضمیر الحق مطبوع شدہ مطبوع شد | این مصحف شرح معانی را اید ل تفسیر کبیر گو
چو جناب مصنف شہر طبیب و نیم لکبار شہر خود است | سال طبعش اے طبع رسا دیوان ضمیر کبیر گو

۱۳۵۳ھ

ایضاً

این کلام قیس با علم و ہنر | تحفۂ مطبوع انس و جان باد
سال طبع وے بالفاظ دعا | طبع گفتار مغان جان باد

۱۳۵۳ھ

ایضاً

سخنِ معطر باغ فکر ضمیر نظم فصیح ہے
گل باغ فکر اسی لیے سن طبع اسکا صحیح ہے

۱۳۵۲ ہجری

باقیؔ جامع معقول و منقول علامہ ادیب و لبیب جناب حافظ مولوی محمد فضل الرحمن صاحب غازیپوری

لکچرار عربی کلکتہ یونیورسٹی

یہ دیوان قیسِ سخندان کامل
سراپا ہے آئینہ حسنِ بیاں کا
خیالات پاکیزہ۔ اشعار ایسے
کہ سُنکر تڑپ جائے دل نکتہ داں کا
بلندیِ فکرِ رسا کی بدولت
ملا ہر زمیں کو شرف آسماں کا
ہر اک شعر سے ہی ہر اک لفظ سے ہے
عیاں فیض شمشاد خلد آشیاں کا
چھپا جب تو باقیؔ نے تاریخ لکھی
یہ دیوان ہے شاعرِ تر زباں کا

۱۳۵۲ ہجری

برقؔ مشہور غرب و شرق جناب مولوی محمد یعقوب صاحب سیاپوری عظیم آبادی

شاگرد جناب نوحؔ ناروی الہ آبادی

حضرتِ قیسؔ آپکا دیوان ہے
آسمانِ حسن کا ماہِ منیر
جس کو دیکھو بتلاے ذوق شعر
جس کو دیکھو دامِ حسرت میں اسیر
غلغلہ پہنچا کہاں سے اب کہاں
قبر میں دل شاد ہیں مرزا و میر

قدر دانی اسکی ہاتف دیکھکر
بول اُٹھا ہے کلامِ دل پذیر

برقؔ تو بھی لکھدے یہ تاریخ طبع
جلوۂ دیوان زندہ بے نظیر

۱۳۵۳ھ

برقؔ متصف اوصاف معنوی و صوری جناب میر محمد عبد الغنی صاحب شیر پوری عظیم آبادی

خواہر زادہ و شاگرد حضرت مصنف مدظلہ

ہوا جلوہ گر چھپ کے جذبات قیسؔ
کہ جس میں یہ سب خوبیاں ہیں صریح

خیالات پاکیزہ ترکیبیں چست
مضامین صاف اور لفظیں صحیح

لکھا برقؔ نے اس کا مصراع سال
چھپا یہ کلامِ بلیغ و فصیح

۱۳۵۳ھ

ایضاً

میرے خالِ محترم کا کاش چھپ جاتا کلام
مدتوں سے یہ تمنا دل میں رکھتا تھا فقیر

شکر ہے اللہ کا پوری ہوئی وہ آرزو
طبع کا زیور پہنکر ہو گیا شہرت پذیر

ظاہری صورت میں ہے تاثیر مقناطیس کی
اور حسنِ معنوی میں دلکشِ برنا و پیر

دیدۂ انصاف سے دیکھیں اگر اہلِ نظر
کیا عجب ہے اس سے حاصل ہو انھیں لطفِ کثیر

ہو کے خوش لکھا مسیحی سال اسکا میں نے برقؔ
چھپ گیا کیسا کلامِ پر شکوہ بے نظیر

۱۹۳۴ء

ایضاً

واہ کیسا چھپ گیا باآب وتاب | قیس کا دیوان روحِ شاعری
دیکھیے تو سب کے سب موجود ہیں | باطنی اوصاف ہوں یا ظاہری
سال فصلی اس کا لکھا برق نے | ہے یہ نظمِ لاجوابِ ساحری

۱۳۰۰ ف

بسمل - جناب ذہن قادر جناب محمد ابوالحسن صاحب - بی - اے جماپوری آروی

ہیڈ ماسٹر مڈل انگلش اسکول جین پور ضلع شاہ آباد

چو مطبوع گردید دیوان قیس | چہ دیوان، کہ مثلش کسے دیدکم
ندا آمد از غیب بسمل نویس | خیالات عالی" زروے رقم

۲۰۰ ۱۱۵۲

سن ۱۳۵۲ ہجری

ایضاً

ماشاءاللہ یہ شاعر کا ہے دیوان بسمل | یا ضیاپاش کوئی چرخ سخن پر ہے ہلال
آرہی ہے یہ صدا غیب سے "از روے وثوق" | حضرت قیس کا دیوان ہے تصویر خیال

۱۳۴۷ ہجری

۵ — ۱۳۰۰ ہجری

ایضاً

چھپ گیا دیواں جنابِ قیس کا | سحر ہے جنکا کلامِ دلپذیر

ہیں ضمیر الحق تخلص قیس ہے
قابلیت ہے مسلم آپ کی
آپ کے دیوان کی کیا بات ہے
فکر ہے بسمل اگر تاریخ کی

ہے سخن میں خوبیِ داغ و امیر
عالمِ جید، طبیبِ بے نظیر
سچ تو ہے عاجز ہے چشمِ خردہ گیر
سچ کہو ہر شعر آوازِ ضمیر

۱۹۳۴ء

تمنائے دُردانۂ بحرِ فصاحت گوہرِ تابانِ کانِ بلاغت جناب مولوی محی الدین صاحب عمادی مجیبی پھلواروی

شاگرد حضرت شمشاد علیہ الرحمۃ لکھنوی

ہیں خواجہ تاشِ محترم بھائی ضمیر الحق مرے
اے تو بہ میں نے کیا کہا ہیں یہ تو وہ معجز بیاں
سوچو مضامین میں اگر سو حسن باطن پاؤ گے
اُس کے کمالِ فن کا ہم کیا تذکرہ چھیڑیں کہیں
منکر سے بھی منکر کو ہیں تسلیم اِن کی خوبیاں
عالم بھی ہیں اور باعمل کہتے ہیں لیکن شعر وہ
ہر گھونٹ میں آنے لگا آغازِ مجلس کا مزا
اک بار اس دیوان کو دیکھے کوئی مضطر اگر
لکھدے تمنائے حزیں مصرع یہ سالِ طبع کا

جو رکھتے ہیں اشعار میں پوشیدہ رنگِ ساحری
عاجز ہے جنکے سامنے افسون سحرِ سامری
دیکھو عبارت کو تو ہے مملو زحسنِ ظاہری
فن آرہا ہے جسکے گھر خود کا بڑائے حج کا بر
یاں قشقۂ اسلام ہے زیبِ جبینِ کافری
آجائے جن پر وجد میں ہر چشتی و ہر قادری
ہے گرچہ بزمِ عمر کا یہ دور دورِ آخری
جمعیّت خاطر بنے ساری پریشان خاطری

مجنون فکر قیس ہے لیلائے نجدِ شاعری
۱۳۵۳ھ

ایضاً

سرمایۂ گنجِ علم و ہنر وہ بھائی ضمیر الحق صاحب
مالک کی عنایت سے جنکو ہر طرح کی نعمت حاصل ہے

علم الادیان کے وہ ماہر علم الابدان میں وہ کامل
پھر شعر و سخن میں بھی اُنکا کوئی نہیں مدِّ مقابل ہے

ہیں عالمِ دین و طبیبِ اجل شاعر اور صاحب علم و عمل
کس درجہ ہیں وہ فن میں کامل سمجھیگا وہی جو کامل ہے

صد شکر چھپا دیوان اُنکا جو گوہر بحر معانی ہے
دیوان بھی وہ کہ نظیر اس کی دکھلائے کوئی یہ مشکل ہے

ہر شعر ہے اک سر سبز چمن ہر مصرع ہے اک گلدستہ
سچ پوچھو اگر تو یہ دیوان بس دیکھنے ہی کے قابل ہے

ہے فکر جو سال طباعت کی لکھ بھیجو تمنا یہ مصرع
کیا قیس زبان داں کا دیوان لیلائے سخن کا محمل ہے

۱۳۵۳ ہج

ثاقب معدنِ کمالات و مناقب جناب مولوی میرزا ذاکر حسین صاحب لکھنوی

چھپ گیا مجموعۂ جذبات قیسِ نکتہ داں
باہمہ حسنِ صفاتِ باطنی و ظاہری

گلفشاں ہے خامۂ ثاقب پئے تاریخ طبع
قیس کا دیوان ہر آئینہ ہے روح شاعری

۱۳۵۳ ہج

حافظ۔ عالم باعمل شاعر بے بدل جناب ابو الصالح حافظ مولوی عبد اللہ صاحب مشکی پوری مونگیری

تلمیذ حضرت شمشاد علیہ الرحمۃ لکھنوی

لو مبارک! بادہ خوارانِ سخن روشن ضمیر
کھل گیا ہے اب درِ میخانہ، دیوان قیس

درد مندانِ سخن سُنکر خوشی سے جھوم اُٹھے
وجد میں رقصاں ہوئے عشاقِ لیلائے سخن
کیوں نہوں اسپر فصاحت اور بلاغت جاں نثار
چھپ گیا دیوان قیسِ آروی باصد ضیا
پوچھنا کیا اُس کی قسمت کا جسے یہ مل گیا
قدر و قیمت اسکی اے طالب سخن فہموں سے پوچھ
مے گسارانِ سخن! جلدی کرو! لو ہاتھوں ہاتھ
کلکِ حافظ نے لکھا یہ مصرعِ تاریخ طبع

نسخۂ صحت ہوا افسانۂ دیوان قیس
سُن لیا جب نعرۂ مستانۂ دیوان قیس
لیلیِ معنی ہے خود دیوانۂ دیوان قیس
شمعِ بزمِ شعر ہے پروانۂ دیوان قیس
وائے محرومی جو ہو بیگانۂ دیوان قیس
نقد جاں سے کم نہیں بیعانۂ دیوان قیس
دور میں اب آگیا پیمانۂ دیوان قیس
شرحِ سرِّ قلب ہے افسانۂ دیوان قیس
۵۳ ۱۳ ہجری

ایضاً

ہیں کرم فرما مرے اک صاحبِ جاہ و حشم
باعمل عالم ہیں وہ اس پر طبیبِ بے بدل
نام ہے اُن کا ضمیر الحق تخلص قیس ہے
ہیں مرے استاد بھائی شاعرِ شیریں زباں
سچ تو یہ ہے آج حافظ دیکھکر اُن کا کلام
چھپ گیا دیوان بے مثل انکا جب باآب و تاب
جی میں تھا تاریخ ہجری سن میں ہو باتعمیہ
لکھدو یہ تاریخ حافظ انتہائے فخر سے
۲۰۰

ہر طرح کی خوبیاں ہیں ذات میں جنکی بھری
علم و حکمت کی فراواں دولت اُنکو حق نے دی
واقفِ اسرارِ فن ہیں وہ جلی ہوں یا خفی
اُن کے نورِ فکر سے بزمِ سخن تاباں ہوئی
گلشنِ شمشاد کی تصویر آنکھوں میں کھنچی
دل کو کاوش ہو گئی تاریخ سالِ طبع کی
ناگہاں اک ہاتفِ غیبی نے یہ آواز دی
چھپ گیا کیا خوب یہ دیوان قیس آروی
۱۳۵۳ ہجری

شفاؔ جامع محاسن معنوی و صوری جناب سید سلطان حسین صاحب غازی پوری

ارشد تلامذۂ حضرت شمشادؔ علیہ الرحمۃ لکھنوی

مرحبا صل علیٰ جذبات قیس ۔۔۔ دلپسند و دلفریب و دلپذیر
نقطہ نقطہ جسکا رشکِ نجم ہے ۔۔۔ جسکا ہر ہر لفظ ہے بدرِ منیر
ہر نکیلا شعر دردوں کا بھرا ۔۔۔ مارتا ہے اہل دل کے دل میں تیر
رنگ میں ہے عشق کے ڈوبا ہوا ۔۔۔ خون دل ہیں یا ہیں جذباتِ ضمیر
بارشِ مضموں جو دیکھی شرم سے ۔۔۔ پانی پانی ہو گیا ابرِ مطیر
نسخۂ تحقیق ہے دیوان یہ ۔۔۔ حرف حرف اسکا ہے پتھر کی لکیر
جس نے دیکھا کہدیا بے ساختہ ۔۔۔ شان ہے شمشادؔ کی رنگ آمیر
کس قدر قیدوں میں ہیں جکڑے ہوئے ۔۔۔ پھر بھی یہ حسنِ کلامِ بے نظیر
کوئی ہو مضمون کیسا ہی ہو سخت ۔۔۔ آکے ہو جاتا ہے بندش میں اسیر
دیکھکر حسنِ صفائیِ کلام ۔۔۔ داد دیتے ہوتے جو مرزا و میر
کیوں نہ چمکے اے شفاؔ تاریخ طبع ۔۔۔ صبح روشن ہے کلامِ بے نظیر

۱۹۳۴ء

ضیاء عالمِ علومِ عقلی و نقلی نبض شناسِ رموزِ خفی و جلی جناب مولوی حکیم محمد ظہور رضا صاحب آروی

شاگرد جناب مصنف مدظلہ

سحر دمید و درخشید نور مہر سخن — ز بحر طبع بر آمد درِ خوشاب ادب

بہ بیں حلاوت و لطفِ کلام و حسن بیاں — بطبع آمدہ بے مثل انتخاب ادب

بیا و خال و خطِ شاہدِ سخن بنگر — کہ بے نقاب شدہ حسن لاجواب ادب

بدست آمدہ دیوان پے افادۂ عام — شدند اہل ادب خاص فیضیاب ادب

کلام پاک و معری ز حشو و تعقیدات — بہر طریق نمودہ است احتساب ادب

باعتبار سخن پیش ماہرین سخن — نمودہ ہر ورقش بہترین باب ادب

برائے مبتدیانِ علومِ شعر و سخن — کشادہ راہ عمل بہر اکتساب ادب

ز جد و جہد مصنف بیافت تکمیل — قواعدِ سخن و خوشترین نصاب ادب

بگشت خدمت و سعیِ مصنفش مشکور — بباد تا بابد از خدا ثواب ادب

بلوح زر سنہ طبعش نوشت کلک ضیا — کلام قیس بشد رونقِ کتاب ادب

سنہ ۱۳۵۳ ہج

ایضاً

اپنا کلام طبع کرایا ہے قیس نے — دنیائے شاعری پہ یہ احسان قیس ہے

کہتے ہیں اس کو دیکھ کے سارے سخن شناس — بیحد بلند مرتبہ و شان قیس ہے

اشعار سارے نور کے سانچے میں ہیں ڈھلے
تاریخ اُس کی طبع کی لکھدی ضیائے یہ

دیوان ہے کہ مہر درخشان قیس ہے
کیا خوب یہ تجلی دیوان قیس ہے

سنہ ۱۳۵۳ ہج

عشرت ہزبر نیستان تحقیق و تحریر جناب مولوی خواجہ محمد عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی مدیر

دیوان حکیم قیس نامی
عشرت ہشت سال ہجری

مطبوع شدہ چو روح و قالب
جذبات جناب قیس طیب

۱۳۵۳ ہج

ایضاً

ہیں ضمیر الحق طبیب حاذق وذی مرتبت
شاعری اُن کے لیئے کچھ باعث عزت نہیں
نظم میں دلکش مضامیں کا نیا انداز ہے
چھپ کے جب یہ شاہد افکار جلوہ گر ہوا

دُر یکتائے شرافت سید عالی ہمم
سارے علم و فن میں رکھتے ہیں ید طولیٰ بہم
ہیں حجاب شعر میں یکجا بتان محتشم
جی میں آیا گلفشاں ہو عیسوی سنہ میں قلم

ہاتف غیبی پکار اُٹھا کہ اے عشرت لکھو
رُوح لیلائے سخن دیوان قیس محترم

سنہ ۱۹۳۴ ع

فکر حسب طبع رسا ناظم بے ہمتا جناب سید ابن الحسن صاحب ایم۔ اے آروی اڈیٹر آئینہ دہلی شاگرد

یادگار جناب بدر آروی مرحوم

فکر ہیں اس کے مضامیں کیا بلند
قابلِ تعریف ہے جذبات قیس

بے سرِ زعم اسکا سالِ طبع لکھ
بے بہا تصنیف ہی جذبات قیس

سنہ
۱۹۳۴ء

فیضی ہمیشہ انوری ظہوری جناب مولوی عبد الحفیظ صاحب غازی پوری

مولوی سیٹی ہائی اسکول غازیپور

حکیم ضمیر الحق قیس خوشگو
کہ ہست آفتابِ سپہرِ بلاغت

چو دیوان بے مثل خود طبع کردہ
شدہ ارمغاں بہر اربابِ فکرت

اگر خواہی از سال طبعش نشانے
بگو داستانِ فراق و محبت

سنہ
۱۳۵۳ھ

کشفی گہرپاش گنجینہ مخفی جناب مولوی حکیم محمد یوسف صاحب غازیپوری

جناب قیس نے دیوان خوب ہی لکھا
ہر ایک شعر ہے اُسکا نشاط روح ادیب

ہوا جو طبع تو کشفی نے یہ کہی تاریخ
کلام شاعرِ شیریں زبان ادیب لبیب

۱۳۵۳ھ

کیفی مشہور نزدیک و دور جناب مولوی صدرالدین احمد صاحب رئیس و آنریری منصف غازیپور

یادگار حضرت شمشاد علیہ الرحمۃ لکھنوی

سال طبع دیوان دلجوے حکیم ضمیر الحق صاحب قیس

۱۹۳۴ء

دیکھا نہ سُنا دیوان ایسا ہر شعر مرقع ہے گویا | معشوقوں کی پیاری صورت کا عشاقوں کی سچی الفت کا
طبع کی کیفی تاریخ لکھو ہجری میں مسیحی سن رکھو | تیرہ سو ترپن ہجری میں قیس کا اچھا دیوان چھپ

۱۹۳۴ء

گہر جامع علم و ہنر جناب سید ولی حیدر رضا صاحب گہر آرا مقامی ابن جناب صفیر بلگرامی مرحوم

شاگرد جناب حشر، بدر، شورش بلگرامی مرحوم مغفور

جذبات قیس دیکھو مملو ہے شعر تر سے | لفظیں ہیں جس کی شیریں ترکیبیں قاتلانہ
مضمون درد آگیں اشعار سب نکیلے | وامق کی داستاں ہے مجنوں کا یا فسانہ
غزلیں ہیں اس کی گویا دُرِ عدن کی لڑیاں | پیشِ نظر ہو جیسے انمول اک خزانہ
سب بندشیں ہیں عالی طرزِ بیاں نرالا | ظاہر میں عاشقانہ باطن میں عارفانہ
تاریخ طبع جس دم فکرِ گہر نے ڈھونڈی | ہاتف نے یہ ندا دی لکھ۔ مخزنِ ترانہ

۱۳۵۳ھ

نوح۔ عندلیب بستان سخن جناب منشی مولوی محمد نوح صاحب ناروی الہ آبادی

جانشین جناب داغ مرحوم دہلوی

تیغ و خنجر قیس کا دیوان ہے
دل میں چبھنے کے لیئے ہر شعر لیس
سال بھی کوئی نکیلا چاہیئے
نوح لکھدو۔ ناوکِ جذباتِ قیس

سنہ ۱۳۵۳ھ

نور۔ شاعر باشعور جناب چودھری نوار الحسن صاحب ناروی شاگرد جناب نوح ناروی

واہ کیا دیوان ہے دیوان قیس
اسکے اک اک شعر میں اک بات ہے
بندشیں ہیں چست اُردو ہے سلیس
قدر دانوں کے لیے سوغات ہے
بارشِ ابرِ مضامیں دیکھکر
پانی پانی شرم سے برسات ہے
کس لیئے اے نور فکرِ سالِ طبع
آہ کہدو قیس کا جذبات ہے

سنہ ۱۳۵۳ھ

واقف۔ شمع شبستان سخن سرشار بادۂ علم و فن جناب مرزا واجد حسین صاحب لکھنوی

یادگار جناب تدبیر الدولہ دبیر الملک منشی میر مظفر علی خان بہادر جنگ اسیر مرحوم

نمبر ۱
بیتاب ہو کے سبزۂ خوابیدہ جاگ اُٹھا
جو پھول اس چمن میں تھا خنداں ہوا ہے آج

چھپنے سے واقف اور بھی کچھ رنگ بڑھ گیا		دیوان قیس رشک گلستاں ہوا ہے آج

سنہ
۱۳۵۳ ہجری

نمبر۲

ایضاً ذو بحرین

پُر اثر اور دلکش و مرغوب طبع		کہتے ہیں الفاظ سے صنعات قیس
لکھدیا دو بحروں میں ہجری یہ سن		(کہدیا) لو چھپ گیا جذبات قیس

سنہ
۱۳۵۳ ہجری

نمبر۳

ایضاً

مشک کے مانند مضامین ہیں		چھپ نہیں سکتے ہیں کمالات قیس
گلشن عالم میں ہے خوشبو عیاں		وہ گل بیمثل ہے جذبات قیس

سنہ
۱۹۳۴ء

نمبر۴

ایضاً

حضرت شمشاد کے شاگرد ہیں		گلشن عالم میں ہے اک ذات قیس
جسکے تھے مشتاق بہت قدرداں		جس میں کہ مخفی تھے کمالات قیس

کہدیا واقف نے یہ فصلی بھی سن
آج وُہی چھپ گیا جذبات قیس

سنہ
۱۳۴۲ ف

نمبر ۵
ایضاً

بلبلوں کے دل سے پوچھا چاہیئے　　باغ دنیا میں ہیں کیا حالات عشق
مصرعِ آخر میں ہے سمت رقم　　گلشن دنیا میں ہے کیا ذات عشق
پھوٹ نکلیں گے وہ اکدن بنکے بُو　　گل میں جو جو بھر گئے جذبات عشق

سنہ
۱۹۹۱ بکرمی

وحشت فخر ملک بنگال سخنور خوش مقال خان بہادر جناب مولوی رضا علی صاحب

پروفیسر اسلامیہ کالج کلکتہ

حضرت قیس کا کلام شکر ہے آج چھپ گیا　　اُس کی نرالی شان ہے جسمیں ہے ایک بانکپن
گزرا ہے ایک عمر اُنھیں کرتے ہوئے سخن کی فکر　　اس سے ہے اُن کے شعر میں لذت بادۂ کہن
لطف زبان کے ساتھ ہیں جو معانیِ بلند　　طرز کلام سے عیاں ہوتے ہیں صد نکات
ناز [illegible] صوبۂ بہار ذات ہے اُن کی بے گمان　　اُن کے سخن کی کس طرح قدر نہ پھر کرے [illegible]

وحشت نکتہ سنج کو فکر تھی سال طبع کی
ہاتف غیب نے کہا کہدے مراتبِ سخن

سنہ
۱۳۵۳ ہجری

عظیمؔ[له] جامع فضائل جناب منشی علی عظیم صاحب تپتنوی عظیم آبادی

تلمیذ حضرت شمشاد علیہ الرحمۃ لکھنوی و مصنف دیوان ہذا

ہ ای پروانۂ جاں سوز دل — گشت روشن شمع ایوانِ سخن
طبع شد جذبات قیسِ آروی — آنکہ ہست امروز سحبانِ سخن
جانشینِ حضرتِ شمشاد ہست — آنکہ بُد لاریب سلطانِ سخن
شد چو این نظمِ نگارین جلوہ گر — بہر سیرِ نکتہ دانانِ سخن
از رحیقِ معنیش بیخود شدند — ہمچو مستان میگسارانِ سخن
یافتم رنگِ تغزل پر زکیف — ہر ادای دلکشش جانِ سخن
بلبلِ گلزار فکرم را شنو — ہست بہرہ مند ازیں خوانِ سخن
در سنۂ ہجری نوشتم سال طبع — نامۂ طوطیِ بستانِ سخن

١٣٥٣ ہج

سال فصلی جستم و ہاتف بگفت — بے بہا دلچسپ بستانِ سخن

سنہ ١٣٤٢ ف

ہست تاریخِ مسیحش عظیم — گنجِ معنی شکرستانِ سخن

سنہ ١٩٣٤ ع

له یہ قطعہ دیر میں آنے کی وجہ سے خلاف ترتیب درج ہوا۔ ۱۲ برق شیرپوری

ملنے کا پتہ

- حاجی حکیم محمد ضمیر الحق صاحب قیس چوک مسجد آرا۔
- منیجر عشرت بک ڈپو۔ احاطہ خانساماں کننگ اسٹریٹ لکھنؤ۔
- منیجر کتب خانۂ حیدری آرا۔
- منیجر اسٹار بک ڈپو نمبر ۴۰ لوئر سرکلر روڈ کلکتہ۔
- صفیر بک ڈپو۔ مراد پور۔ پٹنہ

SITARA-I-HIND PRESS, LTD. CALCUTTA
52, BENIAPUKER LANE

از زمن محمد منظور حسن آروی در ستارۂ ہند پریس لمیٹڈ نمبر ۵۲ بنیا پوکھر لین کلکتہ طبع گردید